ایمان والوں سے

اللہ کا خطاب

استاذ مسجد حرم نبوی علامہ شیخ ابوبکر جابر الجزائری کی شہرہ آفاق
عربی کتاب: نداءات الرحمٰن لأهل الایمان کا اردو ترجمہ

مولانا مفتی عبدالقدوس رومی

مقدمہ: حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی

اس نادر کتاب میں قرآن کریم کی ایسی ۹۰ آیات جمع کرکے انکی تفسیر وتشریح پیش کی گئی ہے جو "یا ایھا الذین امنوا" یعنی اے ایمان والو! کے دلکش خطاب سے شروع ہورہی ہیں یہ کتاب زندگی کے مختلف گوشوں سے تعلق رکھنے والے احکام ربانی کا خوبصورت جاذب اور انتہائی مفید مجموعہ ہے

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ
گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی۔ فون: 7216488

20/2/2000
14/11/1420
SUN: 00:15A.M

ایمان والوں سے

اللہ کا خطاب

یٰاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

استاذ مسجد حرم نبوی علامہ شیخ ابو بکر جابر الجزائری کی شہرۂ آفاق
عربی کتاب "نداءات الرحمٰن لاھل الایمان" کا اردو ترجمہ

اس نادر کتاب میں قرآن کریم کی ایسی ۹۰ آیات جمع کر کے انکی تفسیر و تشریح پیش کی گئی ہے جو "یاایھا الذین آمنو" یعنی اے ایمان والو! کے دلکش خطاب سے شروع ہو رہی ہیں یہ کتاب زندگی کے مختلف گوشوں سے تعلق رکھنے والے احکامِ ربانی کا خوبصورت جاذب اور انتہائی مفید مجموعہ ہے

مولانا مفتی عبد القدوس رومی

مقدمہ۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی

#500

ناشر
ادارۃ القرآن

☆۴۳۷ لسبیلہ چوک کراچی ☆ اردو بازار کراچی ☆H-8/1 اسلام آباد

طبع .... اگست ۱۹۹۹ء
باہتمام .... فہیم اشرف نور عفا اللہ عنہ
طباعت .... ادارۃ القرآن کراچی

ناشر
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ
D/۷/۴۳۷۔ گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی
فون: 7216488 فیکس: 7223688
برانچ آفس
اردو بازار مقابل فضل الرحمن اسکول کراچی
سیکٹر H-8/1 نزد الشفاء ہسپتال اسلام آباد
E-Mail: quran@digicom.net.pk

☆☆ دیگر ملنے کے پتے ☆☆
☆ دار الاشاعت اردو بازار کراچی
☆ بیت القرآن اردو بازار کراچی
☆ صدیقی ٹرسٹ المنظر لسبیلہ کراچی
☆ ادارہ اسلامیات انار کلی لاہور
☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
☆ یونیورسٹی بک ایجنسی قصہ خوانی پشاور
☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
☆ ادارۃ المعارف دار العلوم کراچی
☆ مکتبہ دار العلوم کراچی
☆ علمی کتاب گھر اردو بازار کراچی
☆ بیت العلوم نابھہ روڈ لاہور
☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ رحمانیہ جنگی محلہ قصہ خوانی پشاور
☆ مکتبہ فریدیہ جامعہ فریدیہ اسلام آباد

فہرست مضامین "اللہ کا خطاب"

۱
۲ مقدمۃ الکتاب کا ترجمہ ۲
۳ دیباچۂ ترجمانی ۴
۴ چند کلمے ترجمانی سے متعلق ۶
۵ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ادب ۸
۶ صبر و صلوٰۃ کے ذریعہ مدد طلبی ۱۲
۷ حلال چیزیں کھانے پر شکر کا حکم ۱۷
۸ قصاص و دِیت کے احکام ۲۲
۹ روزے کی فرضیت اور اسکے اثرات ۲۷
۱۰ اسلام کے تمام احکام کی تعمیل واجب ہے ۳۳
۱۱ موت کی وجہ سے کہیں موقع نہ نکل جائے ۳۸
۱۲ ان باتوں کا بیان جن سے صدقہ کا ثواب باطل ہو جاتا ہے ۴۲
۱۳ اچھے پاکیزہ مال سے زکوٰۃ و صدقہ ادا کرنا ضروری ہے ۴۷
۱۴ تقویٰ اختیار کرنے اور سود کی بقیہ رقم چھوڑنے کا حکم ۵۱
۱۵ قرض کی رقم کے لئے تحریر اور اس پر گواہی لینے کا حکم ۵۶
۱۶ اہل کتاب کے کہے میں آنے سے ڈرانا اور بچانا ۶۱
۱۷ اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کا حکم ۶۷
۱۸ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو راز دار بنانے کی حرمت ۷۱
۱۹ سود کھانے کی ممانعت ۷۶
۲۰ کافروں کا کہنا ماننا حرام ہے ۸۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۃ الکتاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْبَرِّ الرَّحِیْمِ ذِی الْاَنْعَامِ وَالْاِفْضَالِ عَلٰی عِبَادِہٖ الْمُؤْمِنِیْنَ بِہٖ وَ بِلِقَآئِہٖ الْقَانِتِیْنَ لَہٗ الْمُسْتَجِیْبِیْنَ لِنِدَائِہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ الرَّؤُفِ بِالْمُؤْمِنِیْنَ الرَّحِیْمِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ الطَّاہِرِیْنَ وَ صَحَابَتِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ وَبَعْدُ:

آپ کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی وہ ندارات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اہل ایمان بندوں کو مخاطب فرما کر انھیں ضروری ہدایات دی ہیں، یہ ندارات نوے تک پہنچتی ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے ان ندارات کو اس مختصر تالیف میں جمع کرنا میرے لئے آسان فرمادیا، ساتھ ہی یہ بات بھی آسان فرمادی کہ ان آیات کی مختصر و ضروری تشریح و تفسیر بھی ہو جائے۔

کتاب کے ناظرین کرام، اس کے محترم سامعین و مستفیدین کی خدمت میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ قرآن مجید کی یہ ندائات ایسی اہم اور ضروری ہدایات و تعلیمات پر مشتمل ہیں جو ہر مسلمان کیلئے دنیا و آخرت میں کام آنے والی ہیں جن کا علم حاصل کرنا اور جن پر عمل کرنا تکمیل ایمان اور تحصیل سعادت کے لئے ضروری ہے تاکہ اس کے ذریعہ اہل ایمان فلاح و فوز حاصل کر سکیں، انھیں دوزخ سے نجات مل جائے اور وہ دخول جنت کے مستحق ہو سکیں۔ کیونکہ ان ندائات میں وہ عقیدے بھی بیان ہوئے ہیں جو سلف صالحین کے عقیدے تھے جن کے ذریعہ نجات حاصل ہو سکتی ہے ان آیات میں عبادات دینیہ کا

بھی بیان ہے جن سے نفوسِ انسانی کا تزکیہ ہوتا ہے ان میں اسلامی اخلاق فاضلہ اور آدابِ شرعیہ کا بھی بیان ہے ان معاملاتِ نافعہ کا بھی بیان ہے جن سے انتفاع اٹھایا جا سکتا ہے اور ان معاملات کا بیان بھی ہے جن سے ضرر و نقصان پہنچتا ہے تاکہ ان کے نقصان سے بچا جا سکے۔

Imp

ان آیات میں اہل ایمان کو احکام خاص و احکام عام کی بھی تعلیم دی گئی ہے اور ان ندائات کی ابتداء "ادب رفیع" کی تعلیم سے کی گئی ہے جس کے بغیر انسان انسانی معراج سے گر کر حیوانیت کی پستی میں جا پڑتا ہے۔

اور آخری نداء "توبۂ نصوح" کی تعلیم پر مشتمل ہے جو انسان کو دنیا کی ذلت و رسوائی اور آخرت کے عذاب سے بچانے والی ہے۔

یہ ندائات قرآن مجید میں جس ترتیب سے یکے بعد دیگرے آئی ہیں اسی ترتیب سے اس کتاب میں ذکر کی گئی ہیں۔

نداء کے نمبر شمار کے ساتھ ساتھ آیت کا نمبر اور سورہ کا نام بھی ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اور آیت میں مذکور تعلیم و ہدایت کو مناسب عنوان سے ذکر کر دیا گیا ہے۔

ہر نداء کے خاتمہ پر ہر صاحب ایمان مرد و عورت کو اللہ و رسول کی نافرمانی سے ڈرایا بھی گیا ہے اور اسے بتایا گیا ہے کہ ان ہدایات کی بجا آوری ہی کے ذریعہ دوزخ سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔

اللہ تعالےٰ سے میں اپنے لئے اور ہر مومن مرد و عورت کے لئے عافیت و مغفرت کا طالب ہوں اس کی رحمت و رضوان کا خواستگار ہوں۔

المؤلف
ابوبکر جابر الجزائری
المدرس بالمسجد النبوی الشریف المدینۃ المنورۃ

۲۱	کفار و منافقین کے عقائد و معاشرت میں مشابہت حرام ہے	۸۶
۲۲	فلاح کی امید پر صبر و مصابرہ	۹۰
۲۳	عورتوں کو میراث سے محروم کرنے کی حرمت	۹۵
۲۴	مومنوں کا مال ناجائز طور کھانا، ناحق قتل کرنا حرام ہے	۹۹
۲۵	حالت نشہ میں نماز پڑھنا، حالت جنابت میں نماز پڑھنا	۱۰۴
۲۶	اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حاکم شرعی کی اطاعت فرض ہے	۱۰۸
۲۷	دشمنوں سے ہوشیار اور چوکنا رہنا واجب ہے	۱۱۴
۲۸	جو کام غلطی سے یا غلط فہمی سے ہو جائے اسکی تحقیق حال ضروری ہے	۱۱۸
۲۹	شہادت میں انصاف ملحوظ رکھنا واجب ہے	۱۲۲
۳۰	اپنے ایمان کی تقویت اور اس پر ثابت قدم رہنا	۱۲۷
۳۱	مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنانا حرام ہے	۱۳۱
۳۲	عہد کی پابندی اور اسکا پورا کرنا واجب ہے	۱۳۶
۳۳	اللہ تعالیٰ کے شعائر کی حرمت کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔	۱۴۱
۳۴	وضو کی فرضیت اور اسکی کیفیت	۱۴۶
۳۵	فیصلہ کرنے اور شہادت لینے میں عدل واجب ہے	۱۵۰
۳۶	اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر	۱۵۴
۳۷	اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کا حکم	۱۵۹
۳۸	یہود و نصاریٰ کو دوست بنانا	۱۶۴
۳۹	اسلام لانے کے بعد مرتد ہونا	۱۶۸
۴۰	اہل کتاب (یا جو اللہ کے دین کا مذاق اڑاتے ہوں) انسے دوستی اور تعلق	۱۷۴
۴۱	اللہ تعالیٰ نے جو عمدہ اور طیب چیزیں حلال قرار رکھی ہیں انھیں حرام ٹھہرالینا حرام ہے	۱۷۸
۴۲	شراب، جوا اور بُت، قرعہ کے تیروں کی حرمت	۱۸۲
۴۳	اللہ تعالیٰ اپنے مُحرِم بندوں کو حج وعمرہ کے احرام کے موقع پر آزماتے ہیں	۱۸۶
۴۴	احرام کی حالت میں شکار کرنا حرام ہے	۱۹۱
۴۵	بے فائدہ اور لایعنی سوال کرنے کی ممانعت	۱۹۵
۴۶	مومن کو اپنی اصلاح کا حکم	۲۰۱

۴۷	مرنے والے کی وصیت پر گواہ بنانا واجب ہے	۲۰۵
۴۸	راہ خدا میں جنگ کے موقع پر میدان سے بھاگ نکلنا حرام ہے	۲۱۰
۴۹	اللہ و رسول کی اطاعت واجب ان دونوں کی نافرمانی حرام	۲۱۴
۵۰	اللہ و رسول کی پکار کا جواب دینا واجب ہے	۲۱۸
۵۱	اللہ و رسول کے ساتھ خیانت اور امانات میں خیانت حرام ہے	۲۱۰
۵۲	اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب	۲۲۹
۵۳	جہاد کے موقع پر اللہ تعالےٰ کی نصرت اور مدد کے اسباب کیا ہیں	۲۳۳
۵۴	جو رشتہ دار ایمان کے مقابلے میں کفر ہی پسند کریں ان سے دوستی کا تعلق حرام ہے	۲۳۸
۵۵	حرمین شریفین میں مشرکین کا داخلہ حرام ہے	۲۴۲
۵۶	ناجائز اور بیجا طور پر لوگوں کا مال کھانا حرام ہے، سونے چاندی کی ذخیرہ اندوزی	۲۴۷
۵۷	نفیر عام کے وقت جہاد کے لئے نکلنا ضروری ہے	۲۵۳
۵۸	اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور نیت اور قول وعمل میں سچائی اختیار کرنے کا حکم	۲۵۷
۵۹	کفار کو سعادت وکمال کی تحصیل کے لئے انھیں اسلام میں داخل کرنا	۲۶۲
۶۰	نماز کو باقاعدہ قائم کرنے زکوٰۃ دینے، جہاد کرنے کا حکم	۲۶۷
۶۱	شیطان کے نقش قدم پر چلنے کی ممانعت	۲۷۳
۶۲	کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلبی واجب ہے	۲۷۶
۶۳	گھر والوں کے مقامات تخلیہ میں تین وقتوں میں اجازت لیکر جانا چاہیے	۲۸۱
۶۴	اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرتے رہنا اور انکا شکر ادا کرتے رہنا واجب ہے	۲۸۶
۶۵	صبح و شام تسبیح و ذکر کے حکم میں	۲۹۱
۶۶	اس بیان میں کہ زن و شوہر میں یکجائی سے پہلے اگر طلاق ہو جائے تو	۲۹۸
۶۷	رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام واجب ہے	۳۰۳
۶۸	حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کا حکم	۳۰۷
۶۹	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانا حرام ہے	۳۱۱
۷۰	اللہ تعالیٰ کا تقوی اور سیدھی سچی بات کہنا واجب ہے	۳۱۹
۷۱	اللہ تعالیٰ کی نصرت کی جائے	۳۱۹
۷۲	اللہ و رسول کی اطاعت واجب ہے	۳۲۲

۷۳ کتاب وسنت کا حکم معلوم کرنے سے پہلے اپنی رائے پیش کر دینا ۳۲۶
۷۴ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام واجب ہے ۳۳۰
۷۵ کسی معاملہ میں قولی وعملی فیصلہ سے پہلے معاملہ کی تحقیق ضروری ہے ۳۳۴
۷۶ مسلمان کے ساتھ مسخرہ پن اور مذاق کرنا حرام ہے ۳۴۱
۷۷ صرف ظن وگمان سے کچھ کہنا درست نہیں ہے ۳۴۶
۷۸ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور اسکے رسولؐ پر ایمان واجب ہے ۳۵۲
۷۹ گناہ وزیادتی کی سرگوشی کی حرمت ۳۵۷
۸۰ جب مومن کو مجلس میں کشادگی کیلئے کہا جائے تو کشادگی کرنا واجب ہے ۳۶۲
۸۱ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں گفتگو کا حکم ۳۶۷
۸۲ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے اور آخرت کیلئے زادراہ لینے کا بیان ۳۷۲
۸۳ اہل کفر کو دوست بنا کر دوستی کا معاملہ کرنا حرام ہے ۳۷۶
۸۴ جو مسلم عورتیں دارالکفر سے دارالایمان ہجرت کر کے آئیں ۳۸۱
۸۵ یہود سے دلی دوستی کی ممانعت ۳۸۵
۸۶ اس بات کی مذمت کہ انسان ایسی بات کہے جو کر نہ سکے ۳۹۰
۸۷ سب سے بیش بہا سامان تجارت جنت ہے ۳۹۶
۸۸ اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت اور دین والوں کی نصرت اہل ایمان پر واجب ہے ۴۰۲
۸۹ اذان جمعہ کے بعد نماز جمعہ کیلئے حاضری واجب ہے ۴۰۷
۹۰ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روگردانی کر کے مال واولاد میں مشغولیت حرام ہے ۴۱۳
۹۱ مال اور بیوی بچے کے فتنہ سے ڈرانے اور عفو ودرگذر کی فضیلت ۴۱۹
۹۲ طلاق سنّی اور اسکی عدت کے احکام ۴۲۵
۹۳ اپنے آپ کو اور اہل وعیال کو دوزخ سے بچانا ضروری ہے ۴۳۲
۹۴ اہل ایمان کو ندائے رحمان ۴۳۷

* * *

مقدمہ

بقلم مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

قرآن کریم کتاب ہدایت ہے، قیامت تک اس سے ہدایت کے چشمے پھوٹتے رہیں گے، اہل علم ومعرفت علوم قرآن کے ناپید اکنار سمندر میں غواصی کر کے آبدار موتی نکالتے رہیں گے، نہ قرآن حکیم کے علوم ومعارف کا سمندر پایاب ہوگا نہ قرآنی احکام وتعلیمات پر کہنگی وفرسودگی کا اثر آئے گا، زمانہ گذرنے کے ساتھ قرآن سے استفادہ کی نئی نئی راہیں کھلیں گی۔

دورِ حاضر میں بھی مختلف پہلوؤں سے قرآن کی خدمت اور اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری ہے، قرآن سے شغف رکھنے والے علماء اور اصحاب علم ودانش نئے نئے زاویوں سے قرآن کی خدمت کر رہے ہیں، قرآنی تعلیمات وہدایات کو دورِ حاضر کی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق آسان زبان میں لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم سے امتِ مسلمہ کا رشتہ جس قدر استوار اور مضبوط ہوگا اسی قدر یہ امت فلاح وکامرانی کی راہ پر گامزن ہوگی، عزت واقبال مندی اس کے قدم چومے گی، امتِ مسلمہ کے زوال کا ایک بنیادی سبب کتاب وسنت کی تعلیمات سے بیگانگی، قرآن کریم سے اس کے رشتہ کی کمزوری ہے۔

قرآن کریم کی نوے آیات میں اللہ جل شانہ نے "یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" (اے ایمان والو!) کے عنوان سے اہل ایمان کو مخاطب بنا کر کچھ خاص ہدایات اور تعلیمات بیان فرمائی ہیں، ان تعلیمات کا تعلق دین کے مختلف شعبوں (عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق وغیرہ) اور زندگی کے مختلف میدانوں سے ہے، اس بات کی ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایمان کے حوالہ سے آواز دے کر جو

خصوصی ہدایات اور تعلیمات دی ہیں انھیں یکجا کر دیا جائے اور ان آیات کی مختصر و آسان تشریح و تفسیر کر دی جائے تاکہ معمولی پڑھے لکھے مسلمانوں کے لئے بھی ان ایمانی و قرآنی تعلیمات کا سمجھنا اور ان پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔

یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے سعودیہ عربیہ کے ممتاز عالم اور مدرس شیخ ابوبکر جابر الجزائری زادہ اللہ توفیقاً کے لئے مقدر کی تھی، انھوں نے "نداءات الرحمٰن لاہل الایمان" کے نام سے ایک کتاب مرتب کی۔ قرآن پاک میں "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" (اے ایمان والو!) کے عنوان سے نوّے مقامات پر جو قیمتی ہدایات دی گئی ہیں، ان آیات کی مختصر اور عام فہم تشریح بڑے دل نشین پیرایہ میں اس کتاب میں کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انکی اس کوشش کو قبول کرے اور اہلِ ایمان کو زیادہ سے زیادہ اس کتاب سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

شیخ ابوبکر جابر جزائری سعودیہ عربیہ کے ممتاز اور بافیض علماء میں ہیں، عرصہ سے مسجد نبوی (مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً) میں ان کا حلقۂ درس قائم ہے، حجاز حاضری کے موقع پر متعدد بار ان سے مدینہ منورہ میں ملاقاتیں ہوئی ہیں وہ اچھے مدرس ہونے کے ساتھ مقبول خطیب و واعظ اور کامیاب مصنف بھی ہیں، انکی متعدد دعوتی و اصلاحی کتابیں علمی و دعوتی حلقوں میں مقبول ہو چکی ہیں۔

شیخ ابوبکر جابر جزائری کی زیرِ نظر تصنیف "نداءات الرحمٰن لاہل الایمان" کی دعوتی و اصلاحی اہمیت کی بنا پر اس بات کی ضرورت ہے کہ مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے کئے جائیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہندوستان کے ایک معروف عالم جناب مولانا عبدالقدوس رومی مفتی آگرہ نے اس کتاب کو فصیح و سلیس اردو کا جامہ پہنایا ہے، مولانا عبدالقدوس رومی مستند عالمِ دین اور اردو کے منجھے ہوئے مصنف و صاحبِ قلم ہیں، انھوں نے بڑے سلیقہ اور کامیابی سے شیخ ابوبکر جابر جزائری کی مذکورہ بالا کتاب کا ترجمہ کیا ہے، ترجمہ بہت سلیس اور رواں ہے، مترجم نے لفظی ترجمہ کے بجائے ترجمانی کی کوشش کی ہے، تاکہ اصل کتاب کی تاثیر اردو ترجمہ میں بھی قائم رہے اور اس میں وہ کامیاب رہے ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اصل عربی کتاب کیطرح اس اردو ترجمہ کو بھی مقبول اور نافع بنائے، اردو خواں قارئین قرآنی ہدایات و تعلیمات کے اس قیمتی خزانہ سے استفادہ کر کے دنیا و آخرت میں کامرانی حاصل کریں۔

ابوالحسن علی ندوی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ
۱۲؍ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ

❧

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ ترجمانی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ:۔ غالباً شعبان یا رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ کی کوئی تاریخ تھی کہ احقر کے کرم فرما برادرم جناب الحاج عبدالوکیل صاحب کاظمی الہ آبادی زید مجدہم نے اطلاع دی کہ میرے لڑکے عزیزم محمد زبیر کاظمی سلمہٗ نے جدہ (سعودی عرب) سے ایک کتاب بھیجی ہے اور ان کے شیخ محترم الشیخ مسفر سلیمان الحربی زید مجدہم نے خواہش کی ہے کہ اس کا اردو ترجمہ کرالیا جائے تاکہ کتاب کے عمدہ اصلاحی مضامین کا فائدہ اور عام ہو جائے جو لوگ عربی زبان سے واقف نہیں ہیں وہ بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ ساتھ ہی یہ فرمائش کی کہ ترجمہ کا یہ کام تم انجام دیدو، کتاب کا نام تھا "نداءات الرحمٰن لاھل الایمان"۔

ادھر احقر کی صورت حال یہ ہے کہ ۱۴۱۱ھ سے "سفر" جیسے میرے لئے مقدر ہو کر رہ گیا ہے، ہر ماہ کے دس پندرہ دن الہ آباد میں اور دس پندرہ دن اکبر آباد (آگرہ) میں گذرتے ہیں۔ عمر کا وہ وقت جو چل چلاؤ کا وقت سمجھا جاتا ہے وہ اس طرح چل چلاؤ ہی میں گذر رہا ہے۔

ان حالات میں ایک ایسے کام کی ذمہ داری قبول کر لینا جو پوری طرح یکسوئی اور دل جمعی چاہتا ہو میرے لئے مشکل تھا لیکن محترم کاظمی صاحب نے جس کتاب کے ترجمہ کی فرمائش کی تھی وہ کتاب ایسی نہ تھی کہ اس کی ترجمانی قبول نہ کی جائے۔

وہ کتاب سراسر اصلاحی اور دعوتی تھی جس میں مصنف کتاب "الشیخ الفاضل ابوبکر جابر الجزائری متع اللہ المسلمین بافاداتھم" نے قرآن مجید کی ان نوّے آیات کی ہلکی پھلکی تشریح و تفسیر فرمائی ہے جن میں "اہل ایمان" کو "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے دلکش اور خوش کن انداز میں مخاطب فرما کر انھیں کچھ احکام و ہدایات سے نوازا گیا ہے۔

یہ نوّے آیات مختلف قسم کے موضوعات و مسائل سے تعلق رکھتی ہیں اسلئے ان کی یہ پوری کتاب متنوع قسم کے دینی احکام و مسائل کا نہایت خوشنما گلدستہ

ہے۔ موضوع کتاب کے اس تنوع نے اسے بیحد دلچسپ و مفید بنا دیا ہے کہ کتاب شروع کرنے کے بعد پڑھنے والا مجبور ہو جاتا ہے کہ پوری کتاب ضرور پڑھے۔

اسی لئے احقر نے بھی اپنی سعادت مندی اور اللہ تعالیٰ کا ایک فضل سمجھ کر کتاب کو اردو زبان میں منتقل کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے جسطرح فضل فرما کر اپنا یہ دینی و دعوتی کام احقر تک پہنچا کر اسے شروع کر دینے کا موقع عنایت فرمایا ہے اسی طرح اپنے کمال فضل سے اِسے تمام کرنے کی سہولت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اپنی اس ترجمانی کا نام "اہل ایمان" کو "ندائے رحمٰن" (ایمان والوں سے اللہ کا خطاب) تجویز کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے قبول فرما کر اہل ایمان کے حق میں مفید اور احقر کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین ثم آمین۔

چند کلمے اپنی ترجمانی سے متعلق

ہر زبان دوسری زبان سے مختلف ہوتی ہے۔ یہ اختلاف علاقائی زبانوں میں تو بہت کم اور برائے نام ہی ہوتا ہے لیکن جو زبانیں مستقل اور جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں وہ ایک دوسرے سے بہت مختلف اور بالکل الگ ہوتی ہیں، ان کا ادب ان کا اسلوب تحریر اور طرز تعبیر ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں کسی ایک زبان کی کسی تحریر کو دوسری زبان میں منتقل کرنا کچھ دشوار ہوتا ہے، اس دشواری میں اس وقت مزید اضافہ ہو جاتا ہے جب مقصود صرف "لفظی ترجمہ نہ ہو بلکہ پیش نظر یہ بات ہو کہ جو کچھ بات اصل تحریر میں کہی گئی ہے اس کی پوری روح اور اس کا پورا مفہوم ترجمہ کی زبان و ادب اور اس کے مروج اسلوب میں یوں منتقل ہو جائیں کہ اصل تحریر کی ترجمانی تو پوری طرح ہو جائے لیکن خالص قسم کے لفظی ترجمہ کی "بے کیفی" کا شائبہ نہ آنے پائے۔

راقم السطور نے اپنی بساط بھر کوشش یہی کی ہے کہ "نداءات الرحمٰن لاہل الایمان" کے فاضل و درویش بزرگ نے قرآنی دعوت و ارشاد کی جو روح اپنی تحریر میں سمو دی ہے ترجمانی کے وقت وہ روح ہاتھ سے نہ نکلنے پائے اور عربی داں حضرات

جس قسم کا تأثر وانفعال ان کی سادہ و پرکیف تحریر سے حاصل کریں اس ترجمانی کے ذریعہ حاصل ہونے والا تأثر اگر اس کے برابر نہ ہو سکے تو اسکے قریب قریب تو رہے۔ اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ احقر اپنی تمام تر توجہ اصل کتاب کے الفاظ و مبانی سے زیادہ اس کے مطالب و معانی کے ساتھ مرکوز و استوار رکھے۔

احقر اپنے اس مقصد میں کامیابی کا مدعی ہرگز نہیں ہے کیونکہ دینی کاموں میں ادعاء کی گنجائش ہی کہاں ہوتی ہے تاہم متمنی ضرور ہے کہ خدا کرے احقر کو اپنے اس مقصد میں کامیابی حاصل ہو جائے اور ترجمانی کی یہ کوشش اردو داں طبقہ کی دینی بیداری اور علمی ترقی کا ذریعہ بنے اور جو سعادت مندروحیں اس کے ذریعہ آخرت میں کامیاب و فائز المرام ہوں ان کے طفیل یہ ترجمان بھی نجات پانے والوں میں شامل ہو جائے۔ آمین یارب العالمین

عبدالقدوس رومی مفتی آگرہ
غریب خانہ ۹۹۲/۲ تلسی پور
نور اللہ روڈ
الٰہ آباد

پہلی نداء

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ادب کی تعلیم

(سورۂ بقرہ کی آیت ۱۰۴)

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝	اے ایمان والو! رَاعِنَا نہ کہا کرو (اسکی جگہ) انظرنا کہا کرو اور سن رکھو کہ کافروں کے لئے تو دردناک عذاب ہوتا ہے۔

تشریح و تفسیر

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے اہل ایمان بندوں کو قرآن مجید میں مخاطب کرتے ہوئے یہ پہلی نداء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اہل ایمان ہونے کی حیثیت سے مخاطب فرمایا ہے کیوں کہ حقیقت یہی ہے کہ انسانوں میں قابلِ خطاب صرف اہلِ ایمان ہی ہو سکتے ہیں کہ یہی لوگ اپنے ایمان کی بدولت زندہ ہیں، سننے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جس کے نتیجے میں کرنے کے کام پر عمل پیرا اور نہ کرنے کے کام سے مجتنب ہو جاتے ہیں، اس کے برخلاف کافر کا حال یہ ہے کہ نہ تو کما حقہ، سنتا اور سمجھتا ہے نہ ہی حکم پر عمل پیرا ہوتا ہے اور نہ روکی ہوئی باتوں سے رکتا اور باز رہتا ہے۔

جو حضرات اللہ تعالیٰ کی ان نداءات کے مخاطب ہیں انھیں یہ بات ذہن نشین

کرلینی چاہئے کہ (اللہ تعالے جہاں کہیں بھی انھیں یٰاَیُّھَاالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں وہاں اللہ تعالےٰ کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے اہل ایمان بندوں کو کسی ایسے کام کا حکم دے رہے ہیں جس سے انکی ترقی وکمال اور انکی سعادت وکامیابی وابستہ ہے یا انھیں کسی ایسے کام سے منع کرنا اور روکنا مقصود ہے جس میں ان کا نقصان اور ان کی بدبختی چھپی ہوئی ہے۔

اسی طرح کبھی اللہ تعالےٰ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اہل ایمان کو آخرت کی کامیابی کی خوشخبری دیدیں یا عذاب دوزخ سے انھیں ڈرا کر جنت کی طرف متوجہ کردیں۔ ہماری ان باتوں کو سمجھنے کیلئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ ارشاد ذہن میں رہنا چاہئے۔

کسی شخص نے ان حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کی کہ آپ مجھے نصیحت فرمادیں تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تم اللہ تعالےٰ کے یہ خطابات سنو جو قرآن مجید میں "یٰاَیُّھَاالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا" (اے ایمان والو) کے ساتھ آئے ہیں تو انھیں اپنے کانوں میں محفوظ کرلو کیونکہ ان خطابات میں تمہیں یا تو کسی بھلائی کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا کسی برائی سے تم کو روکا گیا ہے۔)

اس ارشاد کی روشنی میں جب ہم دیکھتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس خطاب میں اپنے مومن بندوں کو کلمہ "رَاعِنَا" کے استعمال سے روکا ہے اور اس کی جگہ انھیں "اُنۡظُرۡنَا" کہنے کی ہدایت کی ہے۔

اور اس ارشاد کا شانِ نزول اور پس منظر یہ ہے کہ یہود کے منافقین حضور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو "رَاعِنَا" کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے، یہ لفظ انکی عبرانی زبان میں برے معنٰے میں استعمال ہوتا تھا جسے یہود منافقین اپنی بدنیتی کے ساتھ استعمال کرتے تھے اور درپردہ آپ کے ساتھ استہزاء و مذاق کرتے تھے۔ مسلمان صحابہ انکی اس بدنیتی سے بے خبر تھے وہ اسے عربی لفظ ومعنیٰ کے طور پر استعمال کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہود منافقین بھی اسے عربی لفظ کے معنیٰ میں بولتے ہوں گے جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ذرا ہماری بھی رعایت فرمائیے، ہماری طرف بھی توجہ فرمائیے"۔

لیکن منافقین کی نیت عبرانی لفظ ومعنیٰ کی ہوتی تھی اور وہ بطور استہزاء یہ فقرہ بولتے اور اپنی مجلسوں میں اپنی ہوشیاری وچالاکی پر ہنستے بھی تھے

چونکہ حضور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء اور مسخرہ پن کرنا زی گستاخی وبدبختی اور کفر ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس کلمہ کے استعمال سے منع فرمادیا ہے جس سے یہود کو اپنی شرارت چھپانے کا موقع ملتا تھا۔

انھیں ہدایت کی گئی کہ وہ جب حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کتاب وحکمت کا درس لینے کیلئے حاضر ہوں اس وقت "رَاعِنَا" کا فقرہ نہ بولیں بلکہ اس کی جگہ اسی کا ہم معنیٰ فقرہ "انظرنا" استعمال کریں جس کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ "ذرا ہمیں بھی سننے اور سیکھنے کا موقع دیجئے، عجلت نہ فرمائیں تاکہ ہم بھی آپ کی بات پوری طرح سمجھ سکیں اور محفوظ کرلیں"۔

اللہ تعالیٰ نے ان اہلِ ایمان کو حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی نصیحت وہدایت کیطرف کان لگانے اور غور وتوجہ کے ساتھ سننے کا حکم دیا کہ جب وہ آپکی مجلس درس کتاب میں حاضر ہوں تو پوری توجہ سے کان لگا کر سنیں۔

اسی کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالےٰ نے ان استہزاء کرنے والے منافق یہود کی سزا بھی سنادی کہ ہمارے رسول کے ساتھ ان استہزاء، مذاق کرنیوالوں کے لئے دردناک عذاب ہے اور یہ دردناک عذاب انھیں آخرت سے پہلے ہی دنیا میں بھی ملے گا۔

اس آیت شریفہ میں حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کا ادب احترام واجب وضروری قرار دیا گیا ہے اور ہر قسم کی بے ادبی وگستاخی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ یہ بے ادبی وگستاخی خواہ زبان وقول سے تعلق رکھتی ہو یا فعل وعمل سے تعلق رکھتی ہو، بشرطیکہ دانستہ طور پر نہ کی گئی ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص دانستہ گستاخی وبے ادبی کا مرتکب ہوگا تو بالکل کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔

(یہیں سے ایک دوسرا مسئلہ بھی معلوم ہوجاتا ہے وہ یہ کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ادنیٰ درجہ کی بے ادبی وگستاخی حرام ہے اور اگر دانستہ طور پر ہو تو کفر ہے، اسی طرح اپنے مربی ومرشد، استاذ ومعلم اور امام وامیر کی شان میں بے ادبی وگستاخی بھی حرام ہے، اور اگر دانستہ کی جائے تو اندیشہ کفر ہے

اور اسی طرح کسی صاحبِ ایمان میں عیب نکالنا اور اسے حقیر سمجھنا یا اس کا مذاق اڑانا اور اس سے مسخرہ پن کرنا بھی حرام ہے اور ایسا کرنے والا شخص فاسق رہے گا جب تک اس سے توبہ نہ کرے۔)

اس مسئلہ کو اس آیت کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

اے ایمان والو! نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا نہ چاہئے کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں وہ ان ہنسنے والوں سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستی ہیں) وہ ان (ہنسنے والیوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں اور نہ باہم ایک دوسرے میں عیب نکالو اور نہ ایک دوسرے کو برے نام و لقب سے پکارو، اور ایمان کے بعد گناہ کا نام لگنا بھی برا ہے اور جو (اور باتوں سے) باز نہ آئیں گے تو وہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔

لہٰذا خوب غور سے سن لیا جائے کہ ہمیں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ادنیٰ درجہ کی بے ادبی سے بھی بہت بچنا چاہئے۔ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے یا اس کی کتاب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو ہم پر یہ بات واجب ہے کہ ہم اسکی طرف پوری طرح متوجہ ہوں اور خوف و خشوع کے ساتھ اس کی سماعت کریں، اس وقت نہ تو اپنی آوازیں بلند کریں نہ ہنسیں۔ اور جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک کیا جائے یا آپ کی احادیث بیان کی جائیں تو اس وقت بھی کان لگا کر توجہ کے ساتھ سننا اور اس کے ادب و احترام کا ظاہر کرنا ہم پر واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا ندا مبارک سے یہ احکام ہمیں ملتے ہیں جن کی حفاظت فرما کر اور ہمیں اسے سمجھنے کی صلاحیت مرحمت فرما کر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے ہمیں یہ باتیں حاصل کر کے ان سے نفع اٹھانا چاہئے وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالشُّكْرُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

دوسری ندا

صبر و صلوٰۃ کے ذریعہ مدد طلبی کا حکم

◆

سورۂ بقرہ (آیت ۱۵۳)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ

اے ایمان والو! (اپنا غم ہلکا کرنے کے لئے) صبر اور نماز کے ذریعہ سہارا (اور مدد) حاصل کرو، اللہ تعالیٰ یقیناً صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں (اور نماز والوں کے ساتھ تو بدرجۂ اولیٰ ہیں)

تشریح و تفسیر

اس موقع پر ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ بات یاد دلانا چاہتے ہیں جو انھوں نے اسی موقع کے لئے ارشاد فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب تمہارے کان میں اللہ تعالیٰ کے یہ کلمات پہنچیں: "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" (اے ایمان والو!) تو کان لگا کر سنو اور اسے اپنے کان میں محفوظ کر لو کیونکہ اس خطاب کے بعد جو بات کہی جا رہی ہے یا تو وہ بھلی بات ہے جس کا حکم تمہیں دیا جا رہا ہے، یا وہ کوئی برائی ہے جس سے تمہیں روکا جا رہا ہے، یا وہ کوئی خوش خبری ہے جو تمہیں دی جا رہی ہے یا وہ کوئی خطرہ کی بات ہے جس سے تمہیں ڈرایا جا رہا ہے۔

بہرصورت "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" کے خطاب کے بعد جو بات کہی جا رہی ہے وہ

قابلِ غور لائقِ توجہ، قابلِ حفظ و لائقِ عمل ہے، اگر تم کو کسی کام کا حکم دیا جا رہا ہے تو اس پر عمل کرو، اور اگر کسی کام سے روکا جا رہا ہے تو اس سے باز رہو اور رک جاؤ اور اگر تم کو خوشخبری دی جا رہی ہو تو خوش ہو جاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو، اور اگر کسی خطرہ سے ڈرایا جا رہا ہو تو اس سے ڈرو اور بچو اور بچنے کو خدا تعالیٰ کی مہربانی سمجھو۔ ورنہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ تم کون ہو، اور تمہاری کیا حقیقت ہے؟ کہ خدائے رب العالمین کے تم مخاطب بن سکو۔ اور یہ بات اچھی طرح یاد رکھو کہ تمہارا یہ شرف و رتبہ صرف اسی وجہ سے ہے کہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، قیامت میں اللہ تعالیٰ کی لقاء پر ایمان رکھتے ہو، اس کے فرشتوں، رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور اس کی قضاء و قدر پر ایمان رکھتے ہو۔

تمہارا سارا شرف اور بزرگی تمہارے اسی ایمان کی بدولت ہے، اسی وجہ سے تم کو تمہارے ایمان کی نسبت سے تم کو مخاطب کیا گیا ہے اگر یہ ایمانی نسبت تم کو حاصل نہ ہوتی تو تمہاری کوئی حقیقت نہ ہوتی کہ اللہ رب العالمین تم کو اپنا مخاطب بناتا۔ یہ ایمان ہی انسان کی روح اور جان ہے لہٰذا جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہی درحقیقت زندہ کہلانے کا مستحق ہے اور اسی ایمان کے نہ ہونے کی وجہ سے اہلِ کفر مردہ ہیں۔ تمھیں اس نعمتِ ایمان پر اللہ تعالےٰ کا شکر گذار ہونا چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کے طلبگار بنو اور تقویٰ شعاری اختیار کرو کہ اپنے مقصدِ اصلی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ اور وہ مقصدِ اصلی ہے اللہ تعالےٰ کی ولایت جو اسی تقویٰ شعاری سے حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالےٰ جس کے دوست ہو جاتے ہیں اس کا صرف اکرام ہی فرماتے ہیں اور اسے سعادتمند ہی فرماتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے حق میں جو فرمایا ہے اسے سنئے! فرماتا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ
عَلَیْہِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ ٥ اَلَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ٥
لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا
وَفِی الْاٰخِرَۃِ لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ

یہ بات کان کھول کر سن لو کہ اللہ والوں کو نہ تو کوئی خوف ہوتا ہے نہ ہی وہ غمگین و رنجیدہ ہوتے ہیں (یہ اللہ والے لوگ ہیں) جو ایمان رکھتے اور تقویٰ اختیار کرتے رہے، ان کے لئے خوش خبری ہوتی ہے دنیاوی زندگی میں بھی اور

اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ٥

آخرت میں بھی، اللہ کی باتوں میں تبدیلی نہیں ہوتی (اسی وجہ سے) یہ (خوشخبری بھی) بہت بڑی کامیابی ہے (کہ بدلنے کا خطرہ نہیں ہے)

(یہاں آپ کی نظر اس بات پر رہنی چاہئے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے اولیاء کی تعریف کن لفظوں میں بیان کی ہے۔ فرمایا ہے کہ (اولیاء اللہ وہ ہیں) جو اللہ پر ایمان رکھیں، اور پرہیز گاری و تقویٰ اختیار کریں۔ لہٰذا ہم مسلمانوں کو بھی یہی چاہئے کہ ہم اپنی زندگی و عمل میں تقویٰ شعاری اختیار کریں۔

اس مقصد کے لئے ضروری ہوگا کہ ہمیں اور آپ کو تقویٰ کی تعریف اور اس کی حقیقت معلوم رہے تو سمجھئے کہ تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جو امور ہم پر فرض و واجب قرار دیئے ہیں ہم ان تمام امور پر اپنا عمل درآمد رکھیں اور جن محرمات و ممنوعات سے ہم کو روکا گیا ہے ان تمام باتوں سے پرہیز و اجتناب کریں۔

ظاہر ہے کہ ایسا اسی وقت ہو سکے گا جب ہمیں پہلے سے یہ علم حاصل ہو کہ اللہ تعالےٰ کے فرائض و واجبات کیا ہیں، جن پر ہمیں عمل کرنا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے محرمات و ممنوعات کیا ہیں جن سے ہمیں پرہیز و اجتناب کرنا ہے۔ لیکن یہ بات بھی آپ پر مخفی نہ رہنی چاہئے کہ تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے کے لئے دین و شریعت کا یہ مختصر علم بھی (کہ ہمیں کیا کیا کرنا ہے اور کیا کیا نہیں کرنا ہے) آپ سے کچھ محنت و مشقت چاہے گا، اس کی طلب میں آپ کو کچھ نہ کچھ جد و جہد کرنی پڑے گی تب آپ یہ جان سکیں گے کہ اللہ تعالےٰ کے فرائض و واجبات اور اوامر و مطالبات کیا ہیں، اور اس کے محرمات و ممنوعات جن سے آپ کو دور رہنا ہے وہ کیا ہیں۔ اس مرحلہ کے بعد دوسرا مرحلہ جب عمل کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا آئے گا وہ اس پہلے مرحلہ سے کچھ زیادہ ہی محنت و مشقت چاہے گا کیوں کہ اس قسم کی پابندیاں نفس انسانی کو بہر حال شاق اور گراں گذرتی ہیں۔ ہاں فرائض و واجبات کی ادائیگی کے مقابلے میں محرمات و ممنوعات سے اجتناب و پرہیز بظاہر کچھ آسان نظر آتا ہے کیونکہ اس میں کچھ کرنے دھرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے لیکن انسان کے ساتھ ساتھ جو نفس امارہ و نفس لوامہ لگے ہوئے ہیں یہ دونوں اسے کشمکش اور تنگی میں مبتلا کرکے برائی کے ارتکاب پر آمادہ کرتے رہتے ہیں جس کے

نتیجہ میں اسے برائی سے بچنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ اب اس سے بچنے کے لئے ایک ہی صورت باقی رہتی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندے کی مدد فرمادیں تو وہ گناہ کی گندگی پر برقرار رہنے سے بچ سکتا ہے اور اپنی روح کی طہارت و پاکیزگی کی بدولت جو کہ جنت کی کنجی ہے وہ گناہ کے نقصانات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

اس موقع پر آپ کو شاید یہ جاننے کی ضرورت محسوس ہو کہ انسان کو اللہ تعالےٰ کی یہ نصرت و مدد کیسے حاصل ہو سکتی ہے جس کی بدولت وہ معصیت کی کثافت و کدورت پر برقرار نہ رہے اور اپنی روح کی طہارت و پاکیزگی کی بدولت گناہ کے نقصانات سے محفوظ ہو جائے جس کے نتیجہ میں اسے وہ تقویٰ حاصل ہو جائے جو صحیح علم شریعت اور اس کی صحیح عملی کیفیت پر مبنی ہو جو اللہ تعالےٰ کو مطلوب ہے اور جس کے ذریعہ تزکیۂ نفس ہو کر روح کو طہارت و پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ تو لیجئے سنئے! اللہ تعالیٰ ہمیں اس ندائے مبارک کے ذریعہ اسی طریقہ کیطرف رہنمائی فرما رہے ہیں جس کے ذریعہ ہمیں یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کی مدد کس طرح فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی یہ مدد کس طرح حاصل کی جا سکتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ٥	اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی مدد (حاصل کرنا چاہتے ہو تو) نماز اور صبر کے ذریعہ حاصل کرو۔

لہٰذا ہر صاحبِ ایمان کے لئے صرف یہی ایک صورت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کے لئے صبر و صلوٰۃ کو ذریعہ بنائے۔ اور صبر کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو طلبِ علم میں اس حد تک لگائے رکھے کہ اسے اچھی طرح یہ علم حاصل ہو جائے کہ اس کے پروردگار کو کیا کیا باتیں محبوب اور پسند ہیں اور کون کون سی باتیں ناپسند اور مکروہ ہیں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزیں کس طرح ادا کی جائیں جن سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو جائے۔

اسی طرح ہر مومن کے لئے یہ بات بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کو طاعات کی ادائیگی میں اس طرح پابند رکھے کہ وہ طاعات اس طرح ادا ہوں جس کے نتیجہ میں تزکیۂ نفس اور طہارتِ روح حاصل ہو جائے۔

اسی طرح مومن اپنے نفس کو تقدیرِ رب کا اس طرح تابع بنائے رکھے کہ وہ خدا

تعالیٰ کے کسی فیصلۂ قضاء و قدر پر ناگواری و رنج و غم کا اظہار نہ کرے بلکہ اس پر صبر کرے اور رضامندی و خوشی ظاہر کرے، اسی صبر و قناعت ہی کے ذریعہ مومن اللہ تعالےٰ سے مدد چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا ناصر و مددگار ہوتا ہے اور مومن کی استعانت و مدد طلبی جس طرح اس صبر و قناعت سے حاصل ہوتی ہے اسی طرح مومن نماز کے ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد طلب کرتا ہے۔

اور نماز کے ذریعہ استعانت و طلب نصرت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ نماز کو اس کے مقررہ اوقات میں تمام اَرکان و شرائط کی ادائیگی اور جملہ آداب کی رعایت کے ساتھ (جس میں سب سے اہم خضوع و خشوع ہے) ادا کیا جائے جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ کو کوئی خاص بات پیش آتی تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے کیونکہ نماز کی بدولت دل میں ایک ایسا نور پیدا ہو جاتا ہے جو کسی اور عبادت سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا نور موجود ہو وہ کسی واجب کے ترک ہونے یا کسی مکروہ کے ارتکاب کرنے کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کے غیظ و غضب میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی یہی مدد مومن کو درکار ہوتی ہے۔ جو نماز اور صبر کے ذریعہ وہ طلب کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی تعلق صابرین کے ساتھ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ان کی نصرت و تائید فرماتے رہتے ہیں اور اس سے پہلے ہی وہ اپنے مومن بندوں کو ہر قسم کی برائی سے بچاتے رہتے ہیں۔

اے اللہ تبارک و تعالیٰ ہم کو بھی ایسے ہی صبر والوں میں شامل فرما دیجئے اور ہم سے بھی اسی طرح راضی ہو جائیے جس طرح آپ اپنے بندوں سے راضی ہوتے ہیں۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

◆

تیسری نداء

حلال چیزیں کھانے اور اس پر شکر کرنے کا حکم

سورۃ البقرۃ (آیت ۱۷۲)

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ
طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ
اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ

اے ایمان والو! جو پاک چیزیں ہم نے تمکو دی ہیں ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کرو اگر تم صرف اسی کی غلامی وبندگی کرتے ہو۔

تشریح وتفسیر

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" فرما کر اہلِ ایمان کو جو نداء دی جاری ہے اس کا یہ نکتہ فراموش نہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ان کے ایمان کی نسبت ہی سے کیوں دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ درحقیقت اہل ایمان ہی ایسے لوگ ہیں جو اپنے ایمان کیوجہ سے واقعۃً زندہ ہیں اور اپنی اسی زندگی کیوجہ سے وہ سنتے اور سمجھتے ہیں اور عمل کرنے یا نہ کرنے کی بات ان سے کی جا سکتی ہے۔ اور ایسی نداء سے اللہ تعالیٰ کا مقصود یہی یہ ہے کہ انھیں ایسی باتوں کا حکم دیں جو ان کے حق میں بہتر ہوں، اور ایسی باتوں سے روکیں جو ان کے حق میں بری اور نقصان دہ ہوں کیونکہ جن باتوں کا حکم دیا جائے ان پر عمل کرنے اور جن باتوں سے روکا جائے انھیں ترک کرنے ہی سے اللہ تعالیٰ کا تقویٰ دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور یہی ایمان باللہ اور یہی

تقویٰ ایسی چیز ہے جس کی بدولت بندے کو اللہ تعالیٰ کی ولایت حاصل ہوتی ہے اور ولایت کا مقام ومرتبہ سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پیش نظر رہنا چاہئے۔ فرماتے ہیں:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى
فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ
لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

سن لو! کہ جو اللہ والے ہیں انھیں تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اس سے ڈرتے ہیں (یعنی فرمانبردار ہیں) ان کے لئے دنیا میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی (خوشخبری) ہے اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں یہی تو بڑی کامیابی ہے (کہ بات بدلنے کا بھی خطرہ نہیں ہے۔

اسی لئے اہلِ ایمان کے لئے یہ بات واجب ہے کہ جب وہ اللہ تعالےٰ کی ندائیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں مخاطب فرما رہے ہیں تو پوری طرح کان لگا کر سنیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کچھ حکم دینے یا کسی بات سے روکنے ہی کیلئے تو انھیں مخاطب فرمایا ہے۔

اس کے بعد اگر وہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اسکے فرمان پر عمل کرنے کو ثواب سمجھتے ہوئے اس کا حکم سنتے اور کرنے کے کام کرتے رہے، نہ کرنے کے کام سے بچتے رہے تو انھیں اللہ تعالیٰ کی ولایت حاصل ہو گئی اور اللہ والے ہو گئے اب وہ خوف ورنج سے محفوظ رہنے میں کامیاب ہو گئے اب انھیں نہ تو دنیا میں کوئی رنج وغم ہوگا نہ آخرت میں ہوگا وہ تو جنت کے جھروکوں میں امن وآرام کے ساتھ ہوں گے۔

اس تمہید کے بعد اب یہ معلوم کرنیکی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی اس تیسری نداء میں ہمیں کیا حکم دیا ہے؟ تو جانئے کہ اللہ تعالےٰ نے اس نداء میں ہمیں اچھی پاکیزہ وحلال چیزوں کے کھانے کے لئے ارشاد فرمایا ہے کہ کھانے پینے کی جو چیزیں دنیا میں پیدا کی گئی ہیں تو اپنی زندگی کی بقاء وحفاظت کے لئے ان میں کی پاکیزہ وحلال چیزیں کھایا کرو کیوں کہ انسانی زندگی کا بقا جب ضروری ٹھہرا اور اس کے لئے آب وہوا اور جنس وغلہ سے کچھ نہ کچھ کھانا پینا بھی ضروری ہے

اس لئے بقاء حیات کیلئے یہ کھانا پینا بھی واجب و ضروری ہے۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ کے ارشاد عالی کا یہ نکتہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے کھانے کا حکم نہیں دیا ہے کیونکہ کھانے کی بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جنھیں مشرک لوگوں نے اپنے شرک کیوجہ سے حرام بنا دیا ہے ایسی چیزوں کا کھانا حرام ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے "کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ" فرمایا یعنی ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے جو چیزیں حلال و طیب اور پاکیزہ ہیں انھیں میں سے کھاؤ اور جو چیزیں حرام ہیں اس میں سے نہ کھاؤ۔ خدا تعالیٰ کے حلال کئے ہوئے جانوروں میں سے بھی مندرجہ ذیل طرح کے جانور حرام ہیں جنھیں مشرکین نے شرک کے نتیجہ میں حرام کر دیا ہے۔

(۱) سائبہ :۔ وہ اونٹنی جو بتوں کے نام پر چھوڑ دی جائے نہ اس پر سواری کی جائے نہ بوجھ لادا جائے نہ اس کا گوشت کھایا جائے (یہی صورت سانڈوں کیساتھ بھی کیجاتی ہے)

(۲) حام :۔ نر اونٹ (جس سے کچھ بچے حاصل کر لینے کے بعد) بتوں کے نام پر چھوڑ دیں نہ اس کی سواری کریں نہ بوجھ لادیں نہ گوشت کھائیں۔

(۳) وصیلہ :۔ وہ اونٹنی جس سے پہلی اور دوسری بار لگاتار اونٹنی ہی پیدا ہوئی ہو اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے ہیں کسی اپنے کام میں استعمال حرام کر لیتے ہیں۔

(۴) بحیرہ :۔ وہ اونٹنی جس کے کان کاٹ دیں یا سوراخ کر کے بتوں کے نام پر چھوڑ دیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کو اہلِ ایمان کیلئے حرام فرما دیا اور انھیں یہ حکم دیا کہ صرف حلال و طیب اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ جو اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں اور اہل ایمان کو اللہ تعالےٰ کی اس نعمت پر شکر ادا کرنے کا بھی حکم دیا ہے کہ اس نے ان کے لئے طرح طرح کی یہ نعمتیں حلال کر رکھی ہیں۔ اور شکر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو نعمت دی گئی ہے اس کا اقرار و اعتراف کیا جائے اور انعام دینے والے کی تعریف و توصیف کی جائے اور جہاں اجازت دی گئی ہو وہ نعمت وہیں صرف کی جائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چند نعمتیں یہ ہیں، نعمتِ علم ہے، نعمتِ مال ہے، بدن کی نعمت ہے۔ تو نعمتِ علم کا شکر یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے

اور دوسرے لوگوں کو علم پڑھایا جائے، اور نعمتِ مال کا شکر یہ ہے کہ اسے صرف اللہ کی فرماں برداری میں صرف کیا جائے اس کی معصیت میں صرف نہ کیا جائے، اور جسم و بدن کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ اسے اللہ کی عبادت اور نیک کاموں کی ادائیگی میں اور اچھے کاموں میں سبقت کرنے میں کھپایا اور لگایا جائے۔

اخیر میں یہ بات بھی ناظرین کرام کے علم میں آجانی چاہئے کہ آیتِ مبارکہ میں جب کھانے کو طیبات سے متعلق کر دیا گیا اور پاکیزہ ہی چیزوں کے کھانے کے لئے فرمایا گیا تو اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حرام کھانے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔ حرام کھانا حرام ہی ہے جائز نہیں ہے۔ جو چیزیں خدا تعالیٰ کیطرف سے حرام قرار دی گئی ہیں وہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دی ہیں :

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ۔	تم پر مردار حرام کیا گیا اور زندہ جانور کا خون اور سور کا گوشت اور جو جانور غیر اللہ کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے ذبح کئے جائیں۔

اور اس آیت میں فرمایا ہے :

وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ	ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ۔

اور جس طرح حرام کھانا حرام ہے اسی طرح حرام چیز کا پینا بھی حرام ہے۔ چنانچہ شراب پینا اس آیت کیوجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا، بت اور پانسہ کی ناپاکی و حرمت بیان فرما کر اہل ایمان سے دریافت فرمایا ہے: "فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ" یعنی کیا تم لوگ اب بھی نہ باز آؤ گے؟ کیا تم شراب پینا، جوا اور پانسہ کھیلنا، بت پرستی کرنا اب بھی نہ چھوڑو گے؟ اسی قبیل سے ربٰو اور سود کی رقم بھی ہے چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ ہر صورت میں حرام ہے۔

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنئے ! آپ ایک ڈرانے والے کیطرح تعلیم دینے والے کی حیثیت سے بطور تنبیہ فرماتے ہیں کہ

"اے لوگو ! اللہ تعالیٰ طیب ہے وہ صرف طیب ہی چیز کو قبول کرتا ہے"

اللہ تعالےٰ نے یہاں جو بات اہل ایمان کے لئے فرمائی وہی بات ایک دوسری جگہ اپنے رسولوں کے لئے بھی فرمائی ہے کہ اے میرے رسُل ! ہم نے تم کو جو چیزیں

دی ہیں ان میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو، تم جو کچھ کرتے ہو وہ میں جانتا ہوں۔

اسی طرح اہلِ ایمان کے لئے فرمایا ہے:

اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو دی ہیں ان میں سے کھاؤ۔"

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی موقع پر ارشاد فرمایا کہ

بعض بعض لوگ لمبے لمبے سفر طے کرکے آتے ہیں بال پریشان لباس غبار آلود ہوتے ہیں اور آسمان کیطرف ہاتھ اٹھاکر یَارَبِّ یَارَبِّ کہہ کر دعا کرتے ہیں اور ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ ان کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام، غذا بھی حرام ہی دی گئی ہوتی ہے تو ایسے حال میں اس کی دعا کیسے قبول کی جائے گی۔

اس حدیث پر نظر رکھنے والے خود سمجھ سکتے ہیں کہ حرام کھانے والا مقبولیتِ دعا سے کیسا محروم رہتا ہے۔ اور ربِّ کعبہ کی قسم کھاکر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جسکی دعائیں مقبول نہ فرمائیں تو سمجھئے کہ وہ شخص تو ہلاک و برباد ہی ہو گیا۔

لہٰذا اے ایمان والو! حرام چیز کھانے پینے اور حرام لباس پہننے سے، حرام چیزوں سے کوئی فائدہ حاصل کرنے سے پوری طرح پرہیز کرنے کی ضرورت ہے۔ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حلال فرما رکھی ہیں بس انھیں چیزوں پر اکتفاء کرنا چاہئے اور حرام چیزوں سے بہت بچنا چاہئے کیونکہ اہلِ ایمان تو صرف اللہ کا بندہ ہوتا ہے جو اسی کی عبادت کرتا ہے۔

آیتِ شریفہ میں یہ ہدایت اس شخص کے لئے ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور اسکی عبادت کرتا ہو، باقی جو شخص اللہ پر ایمان اور اس کی بندگی نہ کرے تو یہ حرام اور حلال اس کے لئے برابر ہیں کیونکہ یہ بات کہی جاتی ہے کہ سب سے بڑا گناہ تو کفر ہی ہے جب کفر ہی اختیار کر لیا تو اب کوئی گناہ کیسا؟

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

چوتھی نداء

قصاص و دیت کے احکام میں نیز معاف کرنے کا حکم

سورۃ البقرہ (آیت ۱۷۸) اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ــــ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ
عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ
وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى
فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ
فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ
بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ
ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

اے ایمان والو! تم پر فرض کیا جاتا ہے (قانون) قصاص مقتولین کے بارے میں (اسکی تفصیل یہ ہے کہ) آزاد کے بدلے آزاد (قتل کیا جائے) اور غلام کے بدلے غلام (قتل کیا جائے) عورت کے بدلے عورت (قتل کی جائے) مگر ہاں جس قاتل کو اس کے بھائی (دوسرے فریق) کیطرف سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (ایک فریق کیلئے) معقول طور پر (مال دیت کا) مطالبہ ہے اور (دوسرے فریق کے لئے) خوبی کے ساتھ اسے ادا کر دینا ہے یہ (دیت و معافی کا رعایتی حکم) تمہارے رب کیطرف سے (اصل سزا میں) تخفیف ہے پھر بھی جو اس کمی کے بعد زیادتی کا مرتکب ہو تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

تشریح و تفسیر

آپکو شاید اندازہ نہ ہو کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے صاحبِ ایمان بندوں کو یہاں کیوں خطاب فرمایا ہے اس لئے پہلے یہی بات سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالےٰ کو اپنے اس خطاب میں اہلِ ایمان کو ایک ایسے اہم اور ضروری حکم شرعی کی ہدایت دینا منظور ہے جو اہلِ اسلام کی اجتماعی زندگی میں

امن وامان برقرار رکھنے کیلئے بنیاد ہے۔ اگر دنیا کے رہنے والے انسان دنیا میں امن وامان قائم رکھنا چاہتے ہیں تو انھیں اپنی پُرامن زندگی کے لئے اس قانون ہی پر دارومدار رکھنا ہوگا۔ یہ قانون دین وشریعت کی زبان میں قانون قصاص کہلاتا ہے جو اللہ تعالےٰ نے اپنے مومن بندوں کے قتل ہونیکی صورت کیلئے مقرر فرمایا ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عرب کے دو قبیلے جو زیادہ عزت وشہرت رکھتے تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنے کو دوسرے سے بڑھکر شریف ومعزز سمجھتا تھا جس کی وجہ سے وہ لوگ قانون قصاص میں مساوات وبرابری ملحوظ نہ رکھتے جس کی وجہ سے غلام کے بدلے آزاد کو اور عورت کے بدلہ مرد کو قتل کردیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جاہلی طرز عمل کو غلط اور ناحق ٹھہراتے ہوئے انھیں یہ تعلیم دی کہ تقاضائے عدل وانصاف یہ ہے کہ آزاد کے بدلہ آزاد کو، غلام کے بدلہ غلام کو، عورت کے بدلہ عورت کو قتل کیا جائے۔

چنانچہ اس قرآنی ہدایت کے بعد وہ جاہلی طرزِ عمل متروک قرار پاگیا اور وہ لوگ اس خلاف عدل وانصاف طرزِ عمل سے باز آگئے اور اب عمل درآمد اسی پر ہونے لگا کہ آزاد کو آزاد ہی کے بدلہ میں قتل کیا جاتا، غلام کے بدلہ میں اس کا قتل نہ ہوتا، اسی طرح غلام کو غلام ہی کے بدلہ میں قتل کیا جاتا آزاد کے بدلہ میں اس کا قتل نہ ہوتا۔

اور اس آیتِ قصاص کے مطابق عمل درآمد اس وقت تک ہوتا رہا جبتک سورۂ مائدہ کی آیت ذیل نازل نہیں ہوئی۔ سورۂ مائدہ میں حکم یوں بیان کیاگیا ہے۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ (سورۂ مائدہ رکوع ۷)	اور ہم نے ان پر (یہ قانون) مقرر کیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور دوسرے زخموں کا بدلہ ان کے برابر ہوا ہوگا۔

اس آیت کے نزول کے بعد اسی مبنی بر انصاف حکم پر عمل درآمد ہونے لگا کہ جو بھی قاتل ہو وہی قتل کیا جائے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، غلام ہو یا آزاد۔

ہاں اگر مقتول کے وارثین ہی قاتل کے قتل کا مطالبہ ترک کردیں اور دیت لینے پر راضی ہوجائیں یا دیت سے بھی دستبردار ہوجائیں تو یہ دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں اور مطالبہ دیت کی صورت میں کہ وارثین نے قاتل کو قتل کئے جانیکا مطالبہ ترک کردیا ہے اور دیت (خون بہا) پر راضی ہوگئے ہیں تو دیت کا مطالبہ کرنے والوں کو مطالبہ میں نرمی کرنی چاہئے اور دیت ادا کرنے والے (قاتل) کو خوشی خوشی قاعدہ سے ادا کردینی چاہئے۔

اور دیت کا یہ حکم اللہ تعالیٰ کیطرف سے تم پر ایک رحمت ورعایت ہے کیونکہ یہود کی شریعت میں یہاں سختی تھی، دیت کی سہولت ورعایت نہ تھی بلکہ قتل عمد کی صورت میں قتل کا بدلہ صرف قتل ہی تک محدود تھا۔ اور نصاریٰ کی شریعت میں صرف دیت تھی نہ قتل تھا نہ معافی کی گنجائش تھی چونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے حالات سے پوری طرح واقف وباخبر تھے لہٰذا ان لوگوں کیلئے جو حکم مناسب سمجھا مقرر کیا اور اہلِ ایمان کے لئے یہ حکم مناسب سمجھا تو انھیں اس کا پابند کیا۔

اب آیتِ شریفہ کے آخری ٹکڑے "فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ" پر ایک نظر ڈالئے تو یہ مطلب واضح ہوتا ہے کہ جو شخص اس دی ہوئی تخفیف ورعایت کے نتیجہ میں دیت قبول کرلے مگر اس کے بعد پھر اس سے منحرف ہوجائے اور قاتل کو قتل کر ڈالے تو ایسا شخص معتدی وظالم ہے، اس کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے جہاں اس سے کوئی دیت وفدیہ قبول نہ ہوگا۔ ایسے شخص کو تو قتل ہی کیا جائے گا سوائے اس صورت کے کہ حاکمِ وقت ہی کی رائے میں اس کا قتل مناسب نہ ہو اور وہ قاتل کیطرف سے دیت ادا کردے (آیتِ شریفہ کی ضروری تشریح وتفسیر تو ختم ہوگئی)

اب اخیر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے مستنبط ہونیوالے فقہی مسائل میں علمائے اہلِ سنت ہی کے درمیان جو اجتہادی اختلاف ہے کچھ اس کا بھی ذکر کردیا جائے۔

اہلِ سنت وجماعت کے فقہاء کرام مندرجہ ذیل مسائل میں کچھ اختلاف رکھتے ہیں۔

(۱) جس صورت میں کسی آزاد شخص نے کسی غلام کو قتل کردیا ہو تو آیتِ شریفہ کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے حکم یہی نکلتا ہے کہ اس غلام کے بدلہ آزاد شخص کو قتل کیا جائے

مگر جمہور فقہاء نے اس ظاہر کو معمول بہ نہیں بنایا اور اس بنیاد پر کہ چونکہ غلام کی خرید فروخت ہوتی ہے اس کی قیمت آسانی سے لگائی جا سکتی ہے لہٰذا اس کی قیمت لگا کر اس کی دیت ادا کر دی جائے آزاد شخص کو قتل نہ کیا جائے۔ یہ حضرات اسے تقاضائے عدل سمجھ کر یہ رائے رکھتے ہیں (مگر ظاہر ہے کہ انکی یہ رائے تو اسلام کے اس نظریۂ مساوات کے خلاف ہے جو سراسر تقاضائے عدل و انصاف ہے۔ نیز انکی یہ رائے خود قرآن مجید کے ظاہر کے بھی خلاف ہے) اسی وجہ سے امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہی ہے کہ اگر کوئی آزاد آدمی کسی غلام کو قتل کر دے تو بدلہ میں وہ آزاد قتل کیا جائے گا کیونکہ سورۃ مائدہ کی آیت میں "اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ" کا حکم مطلق انداز میں آیا ہے یہاں نہ تو کوئی قید ہے نہ کسی قسم کا استثناء ہے اس لئے یہ حکم یوں ہی مطلق و عام رکھا جائے گا۔

اس اختلاف کو دور کرنے کی بظاہر یہ صورت سمجھ میں آتی ہے کہ اس کا فیصلہ امام وقت اور حاکم کی رائے پر چھوڑ دیا جائے اگر وہ آیت کے ظاہر پر عمل نہ کرنے اور قصاص نہ لینے میں کسی قسم کے فتنے اور انتشار کا خوف محسوس کرے تو فتنہ کے پیشِ نظر قصاص لے لے ورنہ بصورتِ دیگر دیت لے لے اور غلام مقتول کی قیمت اس کے مالک کو دلوا دے۔

(۲) دوسرا اختلاف اس صورت میں ہے کہ اگر کسی مرد نے کسی عورت کو قتل کر دیا ہو تو جمہور فقہاء کا فیصلہ اور عمل در آمد سورۃ مائدہ کی آیت پر عمل کرتے ہوئے یہی ہے کہ قاتل مرد کو قصاص میں قتل کیا جائے گا لیکن حضرت حسن بصری و حضرت عطاء جو کہ دونوں ہی تابعی ہیں وہ اس رائے کی طرف گئے ہیں کہ عورت کے بدلہ مرد کو قتل نہ کیا جائے بلکہ مرد صرف دیت ادا کرے اور جمہور فقہاء اس کی تردید کرتے ہیں۔ ان کا استدلال سورۃ مائدہ کی آیت سے ہے جس میں جان کے بدلہ جان کا مطلق فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی جمہور فقہاء کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "تمام مسلمانوں کا خون برابر ہے (اسلئے قصاص کی صورت میں مرد و عورت یا آزاد و غلام ہونے سے کوئی فرق و امتیاز نہ برتا جائے گا)

(۳) تیسرا اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ کسی ایک شخص کو چند آدمی مشترک طور پر باہم ملکر قتل کریں، تو جمہور فقہاء کا مسلک یہی ہے کہ قصاص میں بھی وہ سب شریک رہیں گے اور سب کو قتل کیا جائے گا۔ اس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے جو انھوں نے ایک ایسے غلام کے قتل کے موقع پر فرمایا تھا جسے سات آدمیوں نے مل کر قتل کیا تھا تو آپ نے فرمایا "لَو تمالأ علیہ اھلُ صَنعاءَ لَقتلتُھُم" (اگر صنعاء کے سب ہی لوگ اس پر حملہ آور ہوئے ہوتے تو میں سب کو قصاص میں قتل کر دیتا)

جمہور فقہاء کے علاوہ دوسروں کا قول یہ ہے کہ ایک آدمی کے قتل میں کئی آدمیوں سے قصاص نہ لیا جائیگا۔ لیکن اس صورت میں بھی بعض اوقات یہی بہتر ہوگا کہ اسے امام وقت اور حاکم کی رائے پر چھوڑ دیا جائے، وہ صورتِ حال دیکھ کر امت مسلمہ کے حق میں جو صورت بہتر سمجھے اس کے مطابق فیصلہ کرے۔

تنبیہ :۔ قانون مساوات یعنی حکم قصاص جس طرح جانی قتل کی صورت میں ہوتا ہے اسی طرح اعضائے انسانی کے قطع و ضیاع کی صورت میں بھی قانون مساوات اور حکم قصاص جاری ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ مائدہ کی آیت میں فرمایا گیا ہے "وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ" (الآیۃ) اور دیت بھی اسی صورت سے دونوں ہی صورتوں میں جاری ہوتی ہے اور عفو و درگذر بھی دونوں ہی صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ دیت کی مختصر ضروری تفصیل یہ ہے کہ آزاد مرد کی دیت سو اونٹوں کی قیمت یا ایک ہزار مثقال سونا یا بارہ ہزار چاندی کے درہم ہوں۔ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہوگی۔

خود فاضل مصنف الاستاذ الفاضل الشیخ ابو بکر الجزائری کی ایک دوسری کتاب "منہاج المسلم" میں باب الجنایات کی دسویں فصل میں اس سلسلہ کی مزید تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

پانچویں ندار

روزہ کی فرضیت
اور
روزہ دار پر اسکے اثرات

سورۃ البقرۃ (آیت ۱۸۳)

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝	اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کر دیا گیا جیسا کہ تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کیا جا چکا ہے امید ہے کہ تم لوگ تقویٰ اختیار کرلو۔

تشریح وتفسیر

اللہ تعالیٰ کی اس ندار کے مخاطبین اہل ایمان کو یہ بات بطور خاص ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ انھیں صرف اپنے ایمان ہی کی بدولت اور اسی کے طفیل میں یہ مقام شرف حاصل ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے خطاباتِ مبارکہ کے ذریعہ مخاطب فرماتے اور ہدایات سے نوازتے ہیں، اس شرفِ ایمانی کے سوا کوئی دوسری چیز ہمارے پاس ہے ہی کہاں جس کی وجہ سے ہم اس کے مستحق ٹھہرتے۔

یہ بات شاید آسانی سے آپکی سمجھ میں نہ آئے تو زرا توجہ فرمائیے اور کان لگا کر یہ حدیث شریف سنئے اور اپنے تمام احساسات کو مجتمع کر کے اس بات کو سمجھئے اور پھر اپنے آپ کو اس بات کا خوگر و عادی بنا لیجئے کہ آپ جو بات خود سیکھیں اور اس پر عمل کریں پھر کوئی دوسرا شخص آپ سے وہ بات سیکھے تو اس صورت میں آپ کا شمار

خدائے تعالیٰ کے عظیم بندوں میں ہو جائے گا۔ ★ [illegible]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنی مؤطا شریف میں یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ جو شخص دین کی کوئی بات سیکھے اور اس پر عمل بھی کرے اور دوسروں کو بھی اس بات کی تعلیم دے تو آسمان میں اسے "عظیم" کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

اس تمہید کے بعد اب اس ندار رحمان کیطرف توجہ فرمائیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب جس میں تمام اہل ایمان کو (خواہ مرد ہوں یا عورتیں ہوں) ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت سے آگاہ و باخبر کر کے اس کی ادائیگی کی ذمہ داری ان پر ڈالی گئی ہے۔

اور چونکہ روزہ کی حقیقت ہی یہ ہے کہ کھانے پینے کی خواہش اور جنسی لذت حاصل کرنے کی خواہش پر کچھ وقت کیلئے روک لگا دی جائے مگر یہ بات خلافِ عادت ہونیکی وجہ سے عام طبیعتوں پر گراں بھی ہو سکتی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی فرضیت کا حکم دینے کے ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی بتا دی کہ روزہ صرف تم پر ہی فرض نہیں کیا گیا ہے بلکہ تم سے پہلے کے لوگوں پر بھی فرض کیا جا چکا ہے اور لوگ روزہ رکھ چکے ہیں یہ کوئی ایسا کام نہیں ہے جو تم سے نہ ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو عربی کی اس ضرب المثل کی روشنی میں دیکھنا چاہئے، عربی کہاوت ہے:

اَلْمُصِيْبَةُ اِذَا عَمَّتْ خَفَّتْ (کوئی بھی مصیبت جب عام ہو جاتی ہے تو ہلکی لگنے لگتی ہے)

فارسی والوں نے اسی بات کو زرا مبالغہ کے ساتھ یوں کہدیا ہے:

"مرگِ انبوہ جشنے دارد"

پہلے لوگوں پر بھی روزہ فرض ہونیکی اطلاع کا منشا یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ بات اسی لئے ذکر کی گئی کہ روزہ داروں کو معلوم ہو جائے کہ یہ کوئی ایسا حکم نہیں ہے جس پر عمل نہ ہو سکے۔

آیتِ شریفہ میں لفظ "الصیام" آیا ہے جس کے لفظی معنیٰ تو صرف "امساک" (یعنی رکنے کے) ہیں اور شرعی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ "اکل و شرب جماع" (کھانے، پینے اور جنسی خواہش) سے ایک مقرر وقت تک روزہ کی نیت

کے ساتھ رکا جائے۔

وہ مقرر وقت طلوع فجر (طلوع صبح صادق) سے لیکر غروب آفتاب تک ہے۔ روزہ کا مہینہ رمضان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اسی جگہ ایک دوسری آیت میں یوں بیان فرمایا ہے،

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ

ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے وہ لوگوں کیلئے ہدایت ہے اور (اس میں) کھلے ہوئے (دلائل ہیں) ہدایت اور (حق و باطل میں) امتیاز کے ہو تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے لازم ہے کہ وہ (مہینہ بھر) روزہ رکھے

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے اس ارشاد میں بیان فرمایا ہے:

" اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے (پہلی بات) یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی بھی عبادت و بندگی کے لائق نہیں ہے، اور یہ گواہی دینا کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں (دوسری بات) نماز کو صحیح طریقہ پر ادا کرنا۔ اقام الصلوٰۃ کا مطلب یہی ہے (تیسری بات) حکم کے مطابق زکوٰۃ دینا (چوتھی بات) بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔ (پانچویں بات) رمضان شریف کے روزے رکھنا۔

اللہ تعالےٰ نے اپنی مزید رحمت سے یہ سہولت بھی رکھدی ہے کہ جو شخص مریض ہو یا جو شخص شرعی طور پر مسافر ہو وہ اس وقت روزہ قضا کر سکتے ہیں، عذر دور ہو جانے پر یہ قضا شدہ روزے ادا کر دیں۔ حائضہ عورت اور زچہ عورت بھی اسوقت روزے نہ رکھے گی، پاکی کے بعد اس کی قضا ادا کریگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ

جو شخص تم میں سے مریض ہو جائے یا مسافر ہو تو اتنی ہی گنتی کے دوسرے دن (روزے رکھے)

اور جو مریض ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے شفایاب ہونیکی امید نہ ہو اسی طرح جو بہت ہی بوڑھا ہو گیا ہو تو ایسے لوگ بھی روزہ چھوڑ سکتے ہیں انھیں ہر روزہ کے بدلے میں فدیۂ طعام ادا کرنا ہوگا جس کی مقدار تقریباً پونے دو کلو گیہوں یا اسکی قیمت ہے۔

روزہ افضل ترین عبادات میں سے بدنی عبادت ہے۔ اس کا اجر و ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی ہے کہ روزہ دار کے خلوف یعنی منہ سے نکلنے والی مہک اللہ تعالےٰ کے یہاں مشک کی خوشبو سے بہتر مانی گئی ہے۔

خلوف عربی زبان میں منہ کی مہک کو کہتے ہیں جو روزہ کی وجہ سے کچھ بدل جاتی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص روزہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کے اجر و ثواب سے پُر امید ہو کر روزہ رکھتا ہے اس کے اگلے پچھلے (قابلِ معافی) گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے شوال میں چھ روزے رکھنے کی ترغیب دی ہے (یہ چھ روزے عید کے مہینے میں رکھے جاتے ہیں انھیں شش عید کے روزے کہتے ہیں) اسی طرح محرم کی نویں، دسویں (یا دسویں، گیارہویں) کے دو روزے رکھنے کی اور ذی الحجہ کی نویں تاریخ (یوم عرفہ) کے روزے کی بھی آپ نے ترغیب دی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ

(عاشوراء (دسویں محرم) کا روزہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور یوم عرفہ کا روزہ اگلے پچھلے دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے"

اسی طرح آپ نے ہر مہینہ کے تین روزوں کی بھی ترغیب دی ہے یعنی ہر ماہ کی تیرہویں، چودہویں، پندرہویں تاریخ کے روزے (یہ ایام بیض کے روزے کہلاتے ہیں) آپ نے فرمایا ہے کہ ان کا ثواب ایسا ہے جیسے کوئی ہمیشہ ہی روزے رکھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ اور پنجشنبہ (پیر، جمعرات) کو بھی روزے رکھا کرتے تھے۔

یہاں روزے سے متعلق ایک ضروری مسئلہ کا بھی ذکر ہو جانا چاہیئے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص رمضان کے روزہ کی حالت میں کچھ کھا پی لے یا مباشرت کرلے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا (بشرطیکہ اس نے دانستہ یہ کام کیئے ہوں اب اس کے ذمہ اس روزے کی قضا بھی واجب ہوگی اور کفارہ بھی واجب ہوگا یعنی ساٹھ روزے لگاتار رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے)

اور روزہ کی حالت میں اگر کوئی غیبت کرتا ہے، چغلخوری کرتا ہے، یا کسی مسلمان کو گالی دیتا ہے تو روزے کا ثواب نہ ملے گا۔ لہٰذا جن باتوں سے روزہ فاسد ہو جائے یا ثواب سے محرومی ہو ایسی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

روزے میں کچھ روحانی و اجتماعی فوائد کے ساتھ ساتھ صحت و تندرستی کے بھی

فائدے ہیں۔ روحانی فائدہ تو یہ ہے کہ اس کے ذریعہ روزہ دار صبر کا خوگر و عادی ہو جاتا ہے جس سے صبر کرنا آسان ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے نفس کو قابو میں رکھنے کا علم ہو جاتا ہے اور نفس میں تقویٰ و خدا ترسی کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔

(روزہ کا اجتماعی زندگی میں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ پوری ملتِ اسلامیہ ایک مقررہ نظام زندگی کی عادی ہو جاتی ہے۔ پورے رمضان کے مہینے میں ساری دنیا کے مسلمان ایک مقررہ خصوصی نظام زندگی پر عمل پیرا دیکھے جا سکتے ہیں اس کے ذریعہ ہمارے ملی اتحاد کا بھی مظاہرہ ہو جاتا ہے، عدل و انصاف اور مساوات باہمی کا جذبہ مزید محبوب ہو جاتا ہے، روزہ دار میں حسن اخلاق و جذبۂ ترحّم بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ ان وجوہ سے پوری ملت اسلامیہ اس زمانے میں بہت سے شر و فساد سے محفوظ رہتی ہے۔

(روزہ میں صحتِ جسمانی کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ آنتیں صاف ہو جاتی ہیں، معدہ درست ہو جاتا ہے، فضلات کی گندگی و آلودگی سے بدن صاف ستھرا ہو جاتا ہے، بدن کا نقصان دہ موٹاپا چھٹ کر کم ہو جاتا ہے، چربی اور چکنائی کی کمی سے بدن کا بھاری پن بھی کم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ "صُوْمُوْا تَصِحُّوْا" روزے رکھو، صحت مند رہو۔"

آخر میں یہ بات نہ بھولیں کہ روزہ صحیح ہونے کیلئے روزہ میں نیت کی بھی شرط ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو صبح صادق سے پہلے رات ہی کو روزے کی نیت نہ کرے اس کا روزہ نہ ہوگا (فقہائے احناف نفل روزے میں ضحوۂ کبریٰ سے پہلے پہلے کی نیت بھی مان لیتے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی ہے "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیٍٔ مَا نَوٰی" (اعمال کا دار و مدار نیت ہے انسان کو اسی کا ثواب و بدلہ ملے گا جو اس نے نیت کی ہوگی)

رمضان شریف کے روزے چونکہ فرض ہیں اسلئے رمضان شروع ہونیوالی پہلی رات ہی کی نیت بھی کافی ہو جاتی ہے، ہاں اگر بیماری یا سفر کی وجہ سے درمیان کے روزے چھوڑ دیئے ہیں تو جب روزے رکھنا شروع ہو تو پھر دوبارہ نیت کر لینی چاہئے۔

اوپر مختصر طور پر یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ رمضان میں اگر بھول کر کھا پی لے یا مباشرت کر لے تو روزہ نہ ٹوٹے گا اور قضا یا کفارہ واجب نہ ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص

جان بوجھ کر کھاتے پیئے یا مباشرت کرے تو اس روزہ کی قضا بھی واجب ہوگی اور کفارہ بھی واجب ہوگا یعنی لگاتار ساٹھ روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت دے یا انھیں پیٹ بھر کر کھانا کھلائے۔ جہاں یا جب حکومتِ اسلامی کا نظام قائم ہو اور شرعی غلام میسر ہو تو کفارہ میں ایک غلام بھی آزاد کیا جا سکتا ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

چھٹی ندار

اسلام کے تمام احکام کی تعمیل واجب ہے شیطان کی پیروی بالکل حرام ہے

⁂

سورۃ البقرہ (آیات ۲۰۸-۲۰۹) اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْکُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝

اے ایمان والو ! اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو کیونکہ وہ تو تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ پھر اگر تم کھلی ہوئی دلیلوں کے بعد ڈگمگاتے ہو تو جان رکھو کہ اللہ تعالٰے غلبہ والا حکیم ہے۔

تفسیر و تشریح

یہ بات آپ لوگ اچھی طرح سمجھ لیں کہ مذہب اسلام ایک بالکل کامل و مکمل دین ہے نہ اس میں کسی قسم کے اضافہ و احداث کی گنجائش ہے اور نہ اس میں کسی طور پر کوئی کمی نظر انداز کی جاسکتی ہے کیونکہ اگر اس میں زیادتی کی جائیگی تو ناحق اور باطل ہوگی اور اگر کمی کی جائیگی تو اس میں بگاڑ پیدا کردیگی۔

اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے قریب کی مثال مغرب کی نماز ہے اس کے ذریعہ آپ پر یہ بات بہت اچھی طرح واضح ہو جائے گی۔ مغرب کی نماز میں تین رکعتیں فرض ہیں۔ اب اگر اس میں ایک رکعت بلکہ ایک سجدہ ہی بڑھا دیا جائے تو نماز باطل ہو جائیگی۔ جس طرح کہ اگر اس میں سے ایک رکعت بلکہ ایک سجدہ ہی کم کر دیا جائے تو نماز اکارت و باطل ہو جائے گی۔ تمام علماءِ اسلام اس مسئلہ پر متفق ہیں۔

اب اصل مقصد کیطرف توجہ فرمائیے ! کہ اگر ہم میں سے کوئی بھی انسان یہ کہتا ہے کہ میں مذہب اسلام میں داخل ہونا اور اسے قبول کرنا چاہتا ہوں لیکن کھانے پینے کی جن چیزوں کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے میں اسے حرام نہ مانوں گا۔

اسی طرح ایک دوسرا شخص کہتا ہے کہ میں اسلام میں داخل ہوتا ہوں لیکن میں روزہ کو نہیں مانتا کیونکہ روزہ کی وجہ سے میری جسمانی قوت کم ہو جاتی ہے اور ایک تیسرا شخص کہتا ہے کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں مگر میں اسلام کی یہ بات نہیں مانتا کہ عورت کا حصہ مرد سے آدھا ہونا چاہئے۔ ایک اور شخص کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اسلام کو حق سمجھتا ہوں مگر اسلام کی یہ سزا کہ چور کے ہاتھ کاٹے جائیں یا شادی شدہ کوئی شخص اگر زنا کا مرتکب ہو تو اسے سنگسار کیا جائے، یہ سزا میں نہیں مانتا۔

تو بتائیے کیا اسلام ایسے لوگوں کا مذہب میں داخلہ قبول کریگا؟ جواب یہ ہے کہ ہرگز کبھی بھی ایسا اسلام قبول نہ کیا جائے گا اور ایسے لوگ کافر ہی رہیں گے اور ہمیشہ کیلئے جہنمی رہیں گے اگر وہ اسی کفر کی حالت میں مرجاتے ہیں۔

(ایک دوسری مثال لے لیجئے، ایک نسلی و خاندانی قسم کا مسلمان ہے جس کے باپ دادا بھی مسلمان تھے، وہ یوں کہتا ہے کہ میں یہ بات نہیں مانتا کہ اگر کوئی مسلمان اولیاء اللہ کو ندا دے یا مدد کیلئے انھیں پکارے ان سے مدد چاہے یا غیر اللہ سے دعا کرے یا غیر اللہ کا تقرب حاصل کرے تو وہ ان باتوں کیوجہ سے مشرک ہو جائے۔ اور یہ شخص اپنی اس بات پر اصرار کرے تو صرف اس عقیدہ کیوجہ سے تو وہ کافر ہو جائیگا۔ اور اگر اس سے آگے بڑھ کر غیر اللہ سے مدد بھی مانگنے لگے یا غیر اللہ سے دعائیں کرنے اور ان سے تقرب حاصل کرنے لگے یا غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنے لگے یا غیر اللہ کی نذر ماننے تو اب وہ مشرک ہو جائے گا، ایسے شخص کا نہ تو ایمان قبول ہوگا نہ اسلام قبول ہوگا اگرچہ وہ نمازیں پڑھتا ہو، روزے رکھتا ہو، حج و عمرہ کرتا ہو اور جہادی سرگرمیوں میں حصہ بھی لیتا ہو۔)

اس ضروری تمہید کے بعد سمجھئے کہ اس آیتِ شریفہ میں جو نداءِ الٰہی مذکور ہوئی ہے وہ یہ ہے جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ اس نداء کے ذریعہ یہ تاکید کر دی گئی ہے کہ دین اسلام میں کسی قسم کی کمی بھی حرام ہے اور زیادتی بھی حرام ہے۔

آیتِ شریفہ کے شانِ نزول سے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو یہود کے مذہبی علماء میں شمار ہوتے تھے اور پورے علم و اطمینان کے بعد یہ مذہب اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ انھوں نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں جنت کی خوش خبری بھی دی تھی۔ ان عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مذہب اسلام میں داخل ہونیکے بعد ابتدائی حالت میں یہ خیال کیا کہ مذہب یہود میں سبت یعنی ہفتہ کے دن کی جو تعظیم ہوتی ہے اسلام لانیکے بعد بھی وہ اس تعظیم سبت کا خیال باقی رکھیں تو شاید کوئی حرج نہ ہو۔ یا اسی طرح یہ خیال کیا کہ نماز میں قرآن مجید کیطرح اگر توراۃ میں سے بھی کچھ پڑھ لیا کریں تو شاید کوئی حرج نہ ہوگا کیونکہ توراۃ میں اللہ تعالیٰ نے سبت کی تعظیم فرض کی تھی تو یہ بھی تو آخر خدا ہی کا حکم ہے اور اسی طرح توراۃ کی آیات بھی تو اللہ تعالےٰ ہی کے احکام ہیں اسلئے شاید ایسا کرنے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ چنانچہ انھوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کئے بغیر صرف اپنی رائے سے اس پر عمل بھی کرنا شروع کر دیا اس موقع پر یہ آیت شریفہ نازل ہوئی اور اہلِ ایمان کو تاکیدی ہدایت کی گئی کہ اسلام میں داخل ہوئے ہو تو پوری طرح داخل ہو، اس کی ہر تعلیم پر عمل کرو، اسلام کی موجودہ تعلیمات کے ساتھ جو کتاب و شریعت منسوخ ہو چکی ہو اس کی تعلیم پر عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔ چاہے وہ تعلیم یوم سبت کی تعظیم ہو جو اسلام کی موجودہ شریعت سے پہلے عبادت تھی اور شرعًا درست تھی یا وہ تعلیم اونٹ کا گوشت اور دودھ کھانے پینے سے متعلق ہو کیونکہ یہ یہود کی شریعت میں حرام تھا۔ تو بعض لوگوں نے اسلام لانے کے بعد بھی اس کے کھانے پینے سے پرہیز کر کے اسے حرام ہی رکھنا چاہا۔ تو آیت مبارکہ نے ان باتوں پر روک لگا دی اور مومن کے لئے یہ گنجائش باقی ہی نہ رکھی کہ وہ اسلام لانے کے بعد اس کی کسی بات کو مانے اور کسی کو نہ مانے اب تو صرف یہی ہو سکتا ہے کہ اسلام لاؤ تو پوری طرح اس کی تمام تعلیمات کو قبول کرو اور مکمل فرمانبرداری اختیار کرو یہ بات اب ممکن نہ رہے گی کہ بعض باتوں کو قبول کرو اور بعض کو چھوڑ دو۔

اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں اہلِ ایمان سے جہاں یہ مطالبہ کیا کہ وہ اسلام میں پوری طرح داخل ہوں وہاں انھیں شیطان کی پیروی اور اس کے نقشِ قدم پر چلنے سے بھی روک دیا کہ شیطان بعض اوقات برائیوں کو اچھی شکل دیدیتا ہے ان میں کچھ اچھائیاں دکھلا کر ان میں مبتلا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے مومن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے منقطع ہو جاتا ہے جو مومن کو ہلاک کر دیتا ہے جس طرح خود شیطان بھی اپنے گھمنڈ اور خود پسندی کا شکار ہو کر ہلاک ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے کی ممانعت فرماتے ہوئے اسکی یہ وجہ بتائی ہے کہ وہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے جس کی دشمنی ہر وہ شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے جو عقلِ سلیم اور فہمِ مستقیم سے بہرہ ور ہو اور شیطانی کاموں میں برائی کا ہونا کوئی ایسی بات نہیں ہے جو نہ سمجھی جا سکے آخر یہ شیطان ہی کی تو تحسین و تزئین ہوتی ہے جو لواطت (اغلام) اور زناکاری اور سود اور قتل و خوں ریزی، حسد و کبر، عُجب (اترا پن اور خود پسندی) والدین کی نافرمانی، عام مسلمانوں کی ایذا رسانی وغیرہ جیسی برائیوں اور فواحش و منکرات کا ارتکاب کرا دیتی ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں ان سے محفوظ رکھے۔

آیتِ شریفہ پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ آیت بیک وقت جہاں اہلِ ایمان کی صورت نجات بتاتی ہے وہیں اس بات سے بھی آگاہ کر دیتی ہے کہ ان کے ہلاک ہونیکی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ آیتِ شریفہ نے بتایا کہ نجات کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اسلام کامل و مکمل اختیار کیا جائے اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کے ایمان و اعتقاد کا حکم دیا ہے ان پر اعتقاد رکھا جائے، جس بات کو زبان سے کہنے کا حکم دیا ہے اسے زبان سے کہا جائے، جن باتوں پر عمل کا حکم دیا ہے ان پر عمل کیا جائے، اسی طرح جن باتوں کے اعتقاد نہ رکھنے، زبان سے نہ کہنے اور ہاتھ پاؤں سے نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کا نہ اعتقاد رکھا جائے نہ زبان سے کہا جائے نہ ان پر عمل کیا جائے۔ اسی ایک صورت میں اہلِ ایمان کو نجات مل سکتی ہے۔ اور ہلاکت کا راستہ یہ ہے کہ شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی میں اور اس کی غلط اور خلافِ حقیقت تحسین و تزئین کے زیر اثر اچھے کام کو برا اور

بُرے کام کو اچھا سمجھنے لگے۔ اور انسان ان باتوں کو پسند کرنے لگے جنھیں شیطان پسند کرتا ہے اور ان باتوں کو ناپسند کرنے لگے جنھیں شیطان ناپسند کرتا ہے تو پھر تو یہ انسان شیطان کا دوست اور ساتھی بن گیا اور خود بھی ہلاک ہوا اور اسکے گھر والے بھی ہلاک ہو گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو یوں فرمایا ہے:

قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ۝	(اے رسول) آپ فرما دیجئے کہ نقصان والے تو وہ ہیں جنھوں نے قیامت کے دن اپنی ذات کو اور اپنے گھر والوں کو نقصان پہنچایا اچھی طرح سمجھ لو یہی تو بڑا گھاٹا ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کی اس وعید شدید کو بھی تو دیکھئے جو آیت کے اس ٹکڑے میں بیان فرمائی ہے:

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝	پھر اگر تم کھلی دلیلوں کے آجانیکے بعد بھی ڈگمگاتے رہے تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ عزت والا حکمت والا ہے۔

یہ زبردست دھمکی ہر اس شخص کے لئے ہے جس کے قدم ڈگمگا جائیں اور وہ اسلام میں کسی قسم کی کمی، زیادتی اور تبدیلی کردے۔

آج اہلِ اسلام کی جو تباہی و بربادی، ذلت و رسوائی ہو رہی ہے وہ صرف اسی وجہ سے ہو رہی ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض و واجبات کو چھوڑ رکھا ہے اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے بے دھڑک ان کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

آیتِ شریفہ کی یہ وعید شدید صورت حال کا پتہ دینے کیلئے بہت کافی ہے۔

وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ساتویں نداء

موت کی وجہ سے کہیں موقع نہ نکل جائے اللہ کی راہ میں موت سے پہلے ہی خرچ کرلو

◆

سورۃ البقرۃ (آیت ۲۵۴)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝	اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اسوقت کے آنے سے پہلے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرو جس دن نہ تو خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی ہوگی نہ سفارش اور کافر لوگ ہی ظالم ہیں۔

تفسیر و تشریح

اس نداءِ مبارک کی حقیقت و تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان اہلِ ایمان بندوں کو مخاطب فرما رہے ہیں جو لوگ خود اس کی ذات والا صفات پر ایمان رکھتے ہیں، قیامت میں اس کی ملاقات اور اس کے دیدار پر ایمان رکھتے ہیں، اسکی آسمانی کتابوں، اس کے رسولوں پر اور اس کی قضا و قدر پر ایمان و یقین رکھتے ہیں اور یہ خطاب بھی ایمان کے عنوان و نسبت سے فرمایا جا رہا ہے کیونکہ اہلِ ایمان ہی در حقیقت زندہ ہے جو نداء کو سن سکتا ہے اور نداء دینے والا جس لئے نداء دے رہا ہے اس کا اسے جواب دے سکتا ہے۔ تو اب دیکھئے یہاں اللہ تعالیٰ انھیں اس لئے نداء دے

رہے ہیں کہ اہلِ ایمان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیں جہاں پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بالکل ہی متعین وضروری ہو مثلاً اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے اور فقیروں کی حاجت برآری کیلئے، سامانِ جہاد کی تیاری وفراہمی کے لئے یا مریضوں بیماروں کی داوؤں میں یا اسی قسم کے اور دوسرے مواقع خیر میں صرف کرنے کے لئے شیطانی کاموں میں خرچ کرنے کے لئے نہیں کہا جارہا ہے۔

اور اس انفاق کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالےٰ انھیں یہ بات بھی یاد دلا رہے ہیں کہ یہ تمہارا مال ہمارا ہی دیا ہوا تو ہے اور پھر ہم پورا مال دیدینے کا بھی حکم نہیں دے رہے ہیں بلکہ اس کا ایک جز اور ایک حصہ دینے کا حکم دیا جارہا ہے کیونکہ آیت شریفہ میں "اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ" کے الفاظ ارشاد فرمائے گئے ہیں یعنی جو کچھ مال ہم نے محض اپنے فضل وکرم اور لطف واحسان سے تم کو دیا ہے اس کا کچھ حصہ ہماری راہ میں دو۔

مندرجہ بالا سطور میں چند سطروں پہلے انفاق فی سبیل اللہ کی تفصیل وتشریح کے ذیل میں ہم نے بات کو زیادہ واضح کرنے کیلئے یہ بھی لکھدیا کہ شیطانی کاموں میں خرچ کرنے کیلئے تم سے نہیں کہا جارہا ہے، ہمارے اس فقرہ پر شاید آپ سوچیں اور کہیں کہ کیا کچھ کام شیطانی بھی ہو سکتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا مال خرچ کیا جاتا ہو؟ تو اس کا جواب کچھ مشکل نہیں ہے آپ کو اس بات کا ہم یقین دلا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا جتنا مال بھی معصیتوں اور فضول خرچیوں میں خرچ کیا جارہا ہے وہ سب شیطان کی راہ میں خرچ ہو رہا ہے۔ مثال کے طور پر جواسٹے میں اسی طرح لاٹری میں یا لہو ولعب اور گانے بجانے میں یا حرام غذا کے کھانے، حرام لباس کے پہننے میں یا فضول وبے فائدہ کھانے پینے میں جو کچھ خرچ ہو رہا ہے وہ سب شیطان کی رضامندی وخوشنودی کے لئے ہوتا ہے اسی لئے شیطان ان باتوں کے لئے کہتا اور انھیں کرنے والے کی نظر میں اچھا کر کے پیش کرتا ہے۔

اس نداء کے ان الفاظ پر بھی خصوصی غور وتوجہ کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ یہ الفاظ کیوں ارشاد فرمائے "مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ" (الآیۃ) یعنی اس دن کے آنے سے پہلے پہلے اللہ کی راہ

میں دیدو جس دن کسی قسم کی نہ تو خرید وفروخت ہو سکے گی نہ کسی کی دوستی وسفارش کام آئے گی اور کافر لوگ ہی خود ظالم ہیں:

آیتِ شریفہ کے اس ٹکڑے پر اگر آپ غور کریں گے تو اس سے آپکو یہ اندازہ ہو جائیگا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے اہل ایمان بندوں کے ساتھ کتنی رحمت وشفقت ہے اسی وجہ سے وہ یہ نہیں چاہتا کہ غفلت میں کہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنیکا موقع نکل نہ جائے تو وہ چاہتا ہے کہ اہلِ ایمان اس انفاق میں جلدی کریں اور اپنی زندگی ہی میں جو کچھ کرنا ہو کر لیں۔ کیونکہ انسان کے مرتے ہی سلسلۂ عمل منقطع ہو جاتا ہے اب تو اسے صرف ان کاموں کا بدلہ ملتا ہے جو اس نے موت سے پہلے اپنی زندگی میں کئے ہیں اگر اچھے کام کئے ہیں تو اچھا بدلہ ملے گا اور اگر برے کام کئے ہیں تو برا بدلہ ملے گا۔

مرنے کے بعد تو انسان اس دنیا سے رخصت ہو کر دارِ آخرت میں داخل ہو جاتا ہے جہاں انسان کو کسی قسم کی خرید وفروخت نفع نہ دے گی کیونکہ اس وقت تو وہ کسی چیز کا مالک ہی نہ ہوگا جسے بیچے پھر وہاں کوئی خریدار بھی نہ ہوگا جو خریدے اسی طرح وہاں کوئی دوستی اور سفارش بھی نہ ہو سکے گی اس دن تو جو شفاعت بھی ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی واجازت کے بغیر نہ ہو سکے گی۔

اللہ تعالےٰ نے اپنی نداء اس صراحت پر ختم فرمائی ہے "وَالْکٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ" یہ ارشاد فرما کر اللہ تعالےٰ اپنے مومن بندوں کو کفر سے بچانا چاہتے ہیں تاکہ اللہ کے بندے کفر کے مرتکب نہ ہوں۔

کفر کی دو صورتیں ہوتی ہیں، اہلِ ایمان کو دونوں ہی سے بچانا مقصود ہے ایک کفر تو دین وملت کا کفر ہوتا ہے۔ جو ایمان کا مقابل اور ضد ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ پوری شریعت کا یا اس کے بعض اجزاء واحکام کا انکار کرے اور دینِ اسلام پر ایمان نہ لائے جیسے یہود ونصاریٰ، مجوس ومشرکین وغیرہ یہ سب ہی کافر ہیں کیونکہ یہ لوگ اسلام پر ایمان نہیں رکھتے اس کا انکار کرتے ہیں۔ کفر کی دوسری صورت اللہ تعالیٰ کی نعمت وانعام کا اعتراف نہ کرنا جسے اردو زبان میں عام طور پر "کفرانِ نعمت" کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کفرانِ نعمت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار واعتراف نہ کرے اس کی ناشکری

کرے اور ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف استعمال کرے۔

ظلم ان دونوں ہی قسم کے کفر کو کہا گیا ہے کیونکہ ظلم کی حقیقت ہے "وَضْعُ الشَّیْءِ فِی غَیْرِ مَحَلِّہٖ" جو چیز جس مقصد کیلئے بنائی گئی ہے اس کے خلاف اس کا استعمال ظلم ہے۔ اور یہ بات کفر کی دونوں ہی صورتوں میں پائی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے دونوں ہی قسم کے ظلم والوں کیلئے ارشاد فرمایا ہے "وَالظّٰلِمِیْنَ اَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا۝ ہم نے ظالموں کیلئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

ظلم کی حقیقت اوپر معلوم ہو چکی تو اب یہ بات آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو مال و دولت دیں اور وہ اللہ کے حکم کے مطابق اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے اور بخل ختیار کرے تو یہ بھی ظلم ہے کہ یہ مال کا حبس بیجا ہے اسو جہ سے یہ شخص بھی عذابِ الیم کا قدار ٹھہرے گا جس کی دھمکی اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔

لہٰذا یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے اور اس سے بہت بچنا چاہئے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روزی، دولت میں بخل کرے اور کنجوسی کرے زکوٰۃ اور دوسرے واجبات میں وہ دولت صرف نہ کرے جیسے جہادِ اسلامی کے اخراجات، والدین کی خبر گیری اور ان کے کھانے پینے میں یا ازواج و اولاد کے کھانے پینے کے اخراجات، مسافر و مسکین کی مداد وغیرہ میں اللہ کی دولت خرچ نہ کرے یہ سب ہی کفر و ظلم ہے جس کا انجام عذابِ الیم ہے۔

آخر میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ اگر اس آیتِ مبارکہ کو (جسکی تفسیر و تشریح آپ اوپر پڑھ آئے ہیں) ہر وقت اپنے پیشِ نظر رکھیں اور خدا تعالیٰ کی اس تنبیہ کو بار بار دیکھتے رہیں گے تو آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اللہ کی دی ہوئی دولت کا خرچ آسان ہو جائے گا کیونکہ آیتِ شریفہ میں اللہ کی راہ میں خرچ کا حکم بھی موجود ہے، دارِ آخرت کی یاد دہانی بھی ہے اور ظالموں کے عذاب سے آگاہی بھی ہے تعالیٰ ہماری آپکی حفاظت فرمائے۔ آمین

وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

* * *

آٹھویں نداء

ان باتوں کا بیان جن سے صدقہ کا ثواب باطل ہو جاتا ہے جیسے احسان جتانا، تکلیف دہ بات کرنا، دکھاوا وغیرہ

سورۃ البقرۃ (آیت نمبر ۲۶۴) اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ
بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ
رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ
الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ
صَفْوَانٍ عَلَیْہِ تُرَابٌ فَاَصَابَہٗ
وَابِلٌ فَتَرَکَہٗ صَلْدًا
لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا کَسَبُوْا
وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ۝

اے ایمان والو! اپنی خیرات احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر اس شخص کیطرح ضائع نہ کرو جو کہ اپنا مال لوگوں کے دکھانے کیلئے خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور روزِ قیامت پر پورا یقین نہیں رکھتا اس کی مثال صاف پتھر جیسی ہے جس پر کچھ گرد پڑی ہوئی ہو برس گیا اس پر زور کا مینہ تو اسے بالکل صاف کر کے رکھ دیا ایسے لوگوں کو ان کے کاموں کا کوئی ثواب نہیں ملتا اور اللہ کافروں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہونچاتا۔

تفسیر و تشریح

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے ذریعہ دی ہوئی ان نداءات کی تشریح میں اس نکتہ کا ذکر پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیاتِ خطاب میں اپنے مومن بندوں کو ایمان کے عنوان سے کیوں نداء دی ہے؛ ہم اس نکتہ کی وضاحت پہلے کر چکے ہیں کہ ایمان کے عنوان سے خطاب کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ دراصل مومن ہی اپنے ایمان کی بدولت زندہ ہے

جو دیکھنے، سننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے کیونکہ ایمان اگر صحیح و کامل ہو گا تو وہاں اللہ پر سچا یقین ہو گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہر بات کی (خواہ وہ بات عالم غیب کی ہو یا عالم شہادت کی ہو) تصدیق بھی ہو گی گویا یہ ایمان جسم انسانی کیلئے بمنزلہ روح ہے۔ یہ جسم اسی وقت تک حرکت کرتا اور اس بات کو قبول کرتا ہے جو اس سے چاہی گئی ہو، جب تک جسم انسانی میں روح موجود ہو۔ اور جہاں روح بدن سے جدا ہوئی وہ بے حس اور مردہ ہو جاتا ہے۔

ہر آیتِ نداء کی تفسیر و تشریح پڑھتے وقت یہ نکتہ ذہن میں رکھئے تاکہ اللہ تعالٰے اپنے خطاب میں جو کچھ فرما رہے ہیں آپ اسے اچھی طرح محفوظ رکھ سکیں۔

اب سمجھئے کہ اللہ تعالٰے آپکو یہاں اس بات سے روک رہے ہیں کہ آپ لوگ اپنے صدقات کو باطل و رائیگاں نہ ہونے دیں۔

صدقات کو باطل و رائیگاں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صدقات سے جو غرض ہوتی ہے کہ نفس کا تزکیہ و تطہیر ہو جائے وہ غرض اگر صدقات سے حاصل نہ ہو تو صدقے باطل و رائیگاں ہو گیا کیونکہ شریعت میں صدقہ ایک ایسی عبادت ہے کہ اگر وہ ایسی باتوں سے خالی ہو جو تزکیۂ نفس میں رکاوٹ ہوتی ہیں تو صدقہ سے نفس کا تزکیہ حاصل ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالٰے نے یہ چند باتیں بیان فرمادی ہیں جو تزکیۂ نفس میں مانع اور رکاوٹ ہوتی ہیں:

(۱) پہلی چیز جو مانع تزکیہ ہے وہ مَنّ ہے جو بہت بڑا گناہ ہے۔ مَن کا مطلب ہے احسان جتانا۔ احسان جتانے والے کو مَنّان کہتے ہیں۔ اور یہ منان ان تین لوگوں میں سے ایک ہے جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت میں نظرِ رحمت نہ فرمائیں گے اور نہ ان کا تزکیہ فرمائیں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں آیا ہے:

"تین قسم کے لوگ ہوں گے جن سے اللہ تعالٰے روزِ قیامت نہ تو کلام فرمائینگے اور نہ انکی طرف نظرِ رحمت فرمائیں گے اور نہ ان کا تزکیہ فرمائیں گے اور ان کیلئے

دردناک عذاب ہو گا۔ وہ تین قسم کے لوگ یہ ہیں: ٹخنے سے نیچے تک لٹکا کر پاجامہ یا تہمد پہننے والا، احسان جتانے والا کہ جو چیز بھی کسی کو دے احسان جتائے بغیر نہ دے، جھوٹی قسم کھا کر مال بیچنے والا۔

صدقات میں احسان جتانے کی صورت یہ ہے کہ جس کو صدقہ دے رہا ہے اس کو جتا بھی دے کہ میں تم کو یہ صدقہ دے رہا ہوں اور یہ اتنی رقم ہے وغیرہ اور یہ جتانے میں اس پر اپنی بڑائی ظاہر کرنا مقصود ہو۔ لوگوں میں منّان وہی شخص کہا جائیگا جو بغیر احسان جتائے ہوئے کسی کو کوئی چیز نہ دیتا ہو۔

اہلِ ایمان کو اس احسان جتانے سے بہت پرہیز کرنا چاہئے کہ اسکی وجہ سے صدقہ کا اجر و ثواب برباد ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جو ناراضی ہوتی ہے وہ مزید برآں۔

(۲) دوسری چیز جو مانع تزکیہ ہے وہ "اذیٰ" (ایذاء رسانی) ہے۔ عربی زبان میں اَذیٰ تکلیف کو کہتے ہیں۔ انسان کو اپنے دین، اپنی عزت و آبرو، اپنے بدن و مال وغیرہ سے متعلق جو بھی تکلیف پہونچے وہ "اذیٰ" میں داخل ہو گی اور اس کی وجہ سے صدقہ کا اجر و ثواب باطل ہو جائے گا۔

اس آیتِ شریفہ میں "اَذیٰ" سے مراد یہ ہے کہ جسے صدقہ دیا ہے اس سے بدزبانی اور زبان درازی میں ایسی بات کہہ دے جو اسے ناگوار گذرے یا اس کی بے عزتی اور ذلت کرے حالانکہ وہ بیچارہ غریب صدقہ لینے والا بھی مومن ہونیکی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔

بخاری شریف کی روایت ہے (ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے)

"مَنْ عَادیٰ لِی وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ" (جو شخص میرے کسی دوست سے دشمنی کریگا تو میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں) اور تجربہ و مشاہدہ سے یہ بات معلوم ہے کہ دراصل یہ دشمنی ہی ہے جس سے یہ اَذیٰ جنم پاتی ہے، یعنی سب سے زیادہ بری اور خراب قسم کی اَذیٰ وہ ہے جو عداوت اور دشمنی کہلاتی ہے۔

(۳) تیسری چیز جو تزکیہ و صفائی سے مانع اور رکاوٹ بنتی ہے وہ ریا اور دکھاوا ہے۔ ریا کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنا نیک عمل لوگوں کو اس لئے دکھلاتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور اسے بزرگ سمجھیں۔ یا ایسی صورت ہو کہ اسے اندیشہ ہو

کہ کہیں لوگ میری برائی نہ کریں اسلئے انکی برائی سے بچنے کیلئے کوئی عمل کرے تو یہ بھی ریا اور دکھاوے میں داخل ہے۔

یہ ریا بھی عمل خیر کو باطل وفاسد کردیتا ہے جس کی وجہ سے نفس انسانی کا تزکیہ نہیں ہونے پاتا۔ جو حال مَنّ و اذیٰ کا ہے بالکل وہی حال اس ریا اور دکھاوے کا بھی ہے، صدقہ کا اجر وثواب ان تینوں ہی سے برباد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک ساتھ اور ایک ہی انداز میں ان تینوں چیزوں کو صدقات کا باطل کرنیوالا بتایا ہے۔

ہاں فرق صرف اتنا ضرور ہے کہ مَنّ واذیٰ کا تعلق صرف صدقات ہی سے ہے دوسری عبادات میں مَنّ واذیٰ کی صورت نہیں نکلتی، اور ریا ایسی خرابی ہے جو تمام عبادات میں پائی جاسکتی ہے۔ مثلاً نماز ہے، ذکر اللہ ہے، قرآن مجید کی تلاوت ہے، حج وعمرہ ہے، جہاد ہے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔ ان سب میں ریا پایا جاسکتا ہے اس لئے ریا اذیٰ اور مَنّ دونوں ہی سے زیادہ خطرہ کی چیز ہے۔

ریا کا سبب زیادہ تر ضعفِ ایمان ہوتا ہے، اسی وجہ سے یہ ریا اکثر ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے جن کا ایمان اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت (جزاء وسزا) پر کمزور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں ریا کرنیوالے کے لئے "وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" بھی فرمایا ہے اس سے یہی اشارہ مقصود ہے کیونکہ جس شخص کا ایمان اللہ پر اور یوم آخرت پر صحیح ہوگا وہ کبھی ریا کر کے اپنے عمل کو ریا کیوجہ سے یا کسی اور بھی وجہ سے برباد نہ کرے گا۔

اللہ تعالےٰ نے ایسے لوگوں کی محرومی کو ایک مثال سے سمجھایا ہے کہ ان کے معاملہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنا پتھر (سنگِ مرمر) ہو جس پر کچھ گرد پڑ گئی ہے پھر اچانک سخت بارش ہو گئی جس سے وہ گرد دھل کر صاف ہو گئی اور پتھر جس طرح پہلے بالکل خالی تھا ویسا ہی پھر ہو گیا۔ وہی صورت ان لوگوں کی ہے کہ ان لوگوں نے اپنے عمل پر کچھ ثواب حاصل کیا تھا جو چکنے پتھر پر گرد کی طرح تھا پھر مَنّ و اذیٰ اور ریا کی بارش نے وہ گرد دھو کر صاف کر دی اور پتھر جیسے پہلے تھا ویسا ہی ہو گیا اب یہ اپنے ان اعمال کے اجر وثواب سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتے کیونکہ خود انھیں نے تو اپنے صدقات کا اجر وثواب احسان جتا کر یا اسے ذلیل کر کے یا ریا کیوجہ سے برباد کر دیا ہے۔

آیت شریفہ کا آخری فقرہ ہے "وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ" (اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو

منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا) یعنی ایسے لوگوں کے ایمان کی تکمیل بھی نہیں ہوتی اور وہ دونوں جہان میں ناکام ونامراد ہی رہتے ہیں۔

اس ارشاد میں یہ اشارہ ہے کہ یہ احسان جتانے والے، ایذاء رسانی کرنے والے اور یہ ریاکار لوگ گویا کفر کے قریب تک پہنچے ہوئے ہیں اسی لئے انھیں کافر لوگوں میں شامل کر دیا گیا ہے اگرچہ واقعۃً وہ کافر نہیں ہوئے ہیں اور ایسا اسلئے ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکرگزاری چھوڑ دی ہے اور ان نعمتوں کو ایسی جگہوں میں خرچ کرتے ہیں جو منعمِ حقیقی کو ناپسند ہیں۔

اہلِ ایمان اس اشارہ پر اچھی طرح غور کریں اور سمجھیں کہ ہمیں ہر ایسی بات سے پرہیز کرنا چاہئے جس سے ہمارے صدقات اور ہماری نیکیاں برباد ہو جاتی ہوں اور ہمارے نفوس کا تزکیہ نہ ہونے پاتا ہو۔

ہم سب کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اللہ تعالےٰ کا حکم عام انسانوں کے لئے (چاہے گورے ہوں یا کالے، عربی ہوں کہ عجمی ہوں سب کے لئے) یہی ہے کہ جن کے نفوس پاک صاف ہوں گے وہی لوگ کامیاب وبامراد ہوں گے، اور جن کے نفوس گندے اور خراب ہوں گے وہ نقصان اور گھاٹے میں رہیں گے اور یہ وہی لوگ ہوں گے جنھوں نے ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ذریعہ نفوس کا تزکیہ کیا ہوگا۔ اسی بات کو اللہ تعالےٰ نے سورۂ شمس میں یوں فرمایا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا۔	جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے نفس کو گندہ اور خراب کیا وہ نقصان میں رہا۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

* * *

نویں ۹ نداء

اچھے پاکیزہ مال سے زکوٰۃ وصدقہ ادا کرنا ضروری ہے
رَدّی اور خراب مال سے زکوٰۃ وصدقہ نکالنا حرام ہے

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

سورۃ البقرہ (آیت ۲۶۷) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ
طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا
لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ
مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ
اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

اے ایمان والو! جو کچھ تم نے کمایا ہے اس میں کی اچھی چیزوں سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو اور جو کچھ ہم نے تمہارے لئے زمین میں سے پیدا کیا ہے (اس میں سے بھی) اور اس کی بری چیز کا ارادہ بھی نہ کرو کہ اس میں سے خرچ کرو جب کہ تم خود اسے نہ لو مگر ایسی صورت میں کہ تم چشم پوشی کر لو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں قابلِ تعریف ہیں۔

تفسیر و تشریح

آیتِ شریفہ کی ضروری تشریح وتفسیر سے پہلے مختصر طور پر یہ خلاصہ آپ ذہن نشین کر لیں جس سے آپ وہ تعلیمات پیشِ نظر رکھ سکیں جو اس آیت میں اہلِ ایمان کو دی گئی ہیں اور جن کی بدولت انسان سعادتمند اور اہلِ ایمان پاک دل ہو سکتے ہیں تو سنئے آیتِ شریفہ میں ان باتوں کی تعلیم دی گئی ہے:

۱ — اپنی بہترین کمائی سے ادائیگی زکوٰۃ واجب ہے۔

۲ — خبیث اور حرام کمائی سے زکوٰۃ ادا کرنا حرام ہے۔

۳ — مومن نے جو مال بھی حاصل کیا ہو اگر وہ مال جانوروں (اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ بکری وغیرہ) میں سے ہو اور نصاب کو پہونچ جائے، پورا سال بھی گذر جائے تو اسکی زکوٰۃ دینا بھی واجب ہے اسی طرح اگر اس کی کمائی ہوئی دولت درہم و دینار یا جو سکے انکی جگہ چل رہے ہوں اگر نصاب کو پہنچ جائیں اور پورا سال گذر جائے تو اس کی بھی واجب ہے۔

۴ — زمین کی پیداوار پر بھی زکوٰۃ (عُشر) واجب ہے یعنی غلہ پر جیسے گیہوں، جو، مکئی وغیرہ، زیتون، کشمش، کھجور وغیرہ۔ اگر بقدر نصاب ہو کھائی جاتی اور ذخیرہ بنائی جاتی ہو تو یہ زکوٰۃ (عُشر) واجب ہے۔ اور اگر غذا کے طور پر کھائی نہ جاتی ہو جیسے مرچ پیاز، لہسن وغیرہ تو اس میں عُشر نہیں ہے، اسی طرح جو چیز ذخیرہ نہ کی جاتی ہو اگرچہ کھائی جاتی ہو اس میں بھی عُشر نہیں ہے جیسے خربوزہ، تربوز، کھیرا، ککڑی، انار، انجیر، سیب، سنترہ وغیرہ ان میں بھی عشر واجب نہیں ہے تاہم مستحب یہی ہے کہ جن چیزوں میں عشر واجب نہ ہو ان میں بھی عشر نکال دیا جائے۔

اب جن چیزوں میں زکوٰۃ وعُشر واجب ہے اس کا نصاب بھی معلوم ہونا چاہئے تو نصاب کی تفصیل اس طرح ہے:

جانوروں کا نصاب:- اونٹ میں پانچ اونٹ ہونے پر نصاب ہو جاتا ہے۔ گائے بھینس میں نصاب تیس ہونے پر ہو جاتا ہے اور بھیڑ بکری میں چالیس ہونے پر نصاب پورا ہو جاتا ہے۔

غلہ اور پیداوار کا نصاب:- گیہوں اور کھجور کا نصاب پانچ وسق کی مقدار ہے اور ایک وسق کی مقدار ساٹھ صاع ہوتی ہے۔ اور ایک صاع کی مقدار تقریبًا چار کلو ہوتی ہے (یہ مقدار احتیاطی ہے)

سونے چاندی کا نصاب:- ساڑھے سات تولہ (   ) سونا اور ساڑھے باون تولہ (   ) چاندی یا اس کی قیمت ہے۔

M. Imp

(اوپر دی ہوئی اجمالی تفصیل میں مختلف چیزوں کا نصاب تو بیان ہو گیا لیکن یہ بات باقی رہ گئی کہ ان چیزوں میں سے زکوٰۃ کس مقدار میں نکالی جائے گی؟ یہ تفصیل مختصر طور پر یوں ہے کہ پانچ اونٹ کی زکوٰۃ میں ایک بکری نکالی جائے گی، اور اگر دس

اونٹ ہوں تو دو بکریاں زکوٰۃ میں نکالی جائیں گی اور پندرہ اونٹوں پر تین بکریاں۔ پھر اسی طرح بیس اونٹ ہونے پر چار بکریاں نکالی جائیں گی۔

اور پچیس اونٹ ہونے پر اونٹنی کا بچہ زکوٰۃ میں نکالا جائے گا یہ بچہ ایک سال پورے کرچکا ہو اور دوسرے سال میں لگ گیا ہو ایسے بچہ کو شرعی اصطلاح میں "بنتِ مخاض" کہتے ہیں۔

اسی طرح گائے بھینس کا نصاب پورا ہو جائے تو تیس جانور ہونے پر ایک بچھڑا جو ایک سال کا ہو چکا ہو۔ شرعی اصطلاح میں اسے "عِجل" کہتے ہیں۔ اور چالیس گایوں پر ایک "مُسِنّہ" واجب ہوگا۔

اور بکریوں کی زکوٰۃ اس طرح ہوگی کہ چالیس بکریوں پر ایک بکری واجب ہوگی ایک سو بیس بکریوں تک ایک ہی بکری رہے گی، ایک سو اکیس ہونے پر دو بکریاں واجب ہوں گی (اس سے زائد تفصیل کیلئے کتب فقہ ملاحظہ ہوں)

مختصر نقشہ یہ ہے :-

اونٹ	گائے	بکری
۲۵ میں بنت مخاض	۳۰ میں عِجل	۴۰ میں ایک بکری
۳۶ میں بنت لبون	۴۰ میں مُسِنّہ	۱۲۰ تک
۴۶ میں حِقّہ	ہر ۳۰ پر عِجل اور	۱۲۱ میں دو بکریاں
۶۱ میں جذعہ	ہر ۴۰ پر مُسِنّہ	۲۰۰ تک
۷۶ میں دو بنت لبون	دیا جائے گا	۲۰۱ میں تین بکریاں
۹۱ میں دو حقّے		پھر ہر سو پر ایک بکری
۱۲۰ تک		
پھر ہر ۴۰ پر بنت لبون		
اور ہر ۵۰ پر حقہ دیا جائیگا		

(نصاب کے دو مرحلوں کے درمیان جو تعداد ہوگی وہ "وقص" کہلاتی ہے۔ وقص کی تعداد میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی مثلاً اونٹ کی زکوٰۃ پانچ اونٹوں پر ایک بکری ہے، اور دس اونٹوں پر دو بکریاں واجب ہوتی ہیں۔ چھ سے نو تک کی تعداد وقص ہے۔ اس پر زکوٰۃ نہ آئے گی۔ اسی طرح بکری کی زکوٰۃ چالیس ہونے پر ایک بکری ہے اور ایک سو اکیس ہونے پر دو بکریاں ہیں، اکتالیس سے لے کر ایک سو بیس تک کی تعداد وقص ہے اس کی زکوٰۃ نہ ہوگی۔)

اس ندائے مبارک میں اللہ تعالےٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ ۝	تم لوگ خراب چیزوں سے اللہ کی راہ میں دینے کا ارادہ بھی نہ کیا کرو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ردی و خراب اور ناجائز و حرام آمدنی سے زکوٰۃ و صدقہ نکالنا حرام ہے ایسا خراب مال اگر کوئی تمہیں دے تو تم اسے قبول نہ کرو بلکہ دینے والے ہی کو لوٹا دو ہاں اگر چشم پوشی سے کام لو تو شاید لے بھی لو۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد بھی قابلِ غور ہے فرماتے ہیں:

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝	جان لو کہ اللہ بڑا بے نیاز بڑی خوبیوں والا ہے

اس لئے تمہارا نفس تمہیں کہیں اس غلط فہمی میں نہ مبتلا کردے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی صدقہ دینے والے کے صدقہ خیرات کی کچھ ضرورت پڑی ہے تو تم اپنے صدقہ خیرات کا احسان اللہ تعالیٰ پر جتانا شروع کردو یا تمہارا نفس تمہیں یہ سوجھائے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ، زکوٰۃ کا حکم اسلئے دیا ہے کہ صدقہ خیرات لینے والے صدقہ پاکر اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں اللہ تعالیٰ انکی حمد و ثنا سننے کا خواہشمند ہے اس قسم کی غلط فہمیوں کی جڑ کاٹنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ جان لو! "اللہ بڑا بے نیاز بڑی خوبیوں والا ہے، اسے کسی قسم کی کوئی بھی حاجت و ضرورت نہیں ہے اور وہ بذات خود قابلِ حمد و ثنا ہے، وہ کسی مخلوق کی حمد و ثنا کا منتظر اور خواہشمند ہرگز نہیں ہے کیونکہ تمام آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی حمد ہے اور آخرت میں بھی اسی کی حمد رہے گی وہ عزت و غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ

دسویں نداء

تقویٰ اختیار کرنے اور سود کی بقیہ رقم چھوڑنے کے حکم میں

سورۃ البقرۃ (آیات ۲۷۸ تا ۲۸۰) —— اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ○ وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیْسَرَۃٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ پھر اگر ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کیلئے باخبر ہو جاؤ اور اگر تم (سود سے) توبہ کر لیتے ہو تو تمہارے لئے تمہارا اصل مال بہرحال ہے نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائیگا اور اگر کوئی تنگدست ہو تو فراخ دستی تک کیلئے اس کو مہلت دیدو اور اگر تم معاف کر کے اسے دے ہی دو تو اور بھی اچھا ہے اگر تم کو سمجھ ہو۔

تشریح و تفسیر

ان آیاتِ شریفہ کے ہر پڑھنے اور سننے والے اہلِ ایمان مخاطبین کو یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ وہ آیت میں آئی ہوئی نداءِ مبارک پر غور کریں اور یہ دیکھیں کہ انھیں اس نداء کے ذریعہ کیا بات بتائی جا رہی ہے؟

آیت پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس آیت میں دو اہم باتوں کی تعلیم وہدایت مقصود ہے۔

پہلی بات :۔ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا جس کا ذریعہ وطریقہ یہ ہے کہ اللہ ورسول کی فرمانبرداری کی جائے کیونکہ اللہ تعالےٰ کے غضب وعتاب سے اسی صورت میں بچا جاسکتا ہے کہ اس کی اطاعت وتعمیلِ حکم کی جائے جن باتوں کو یہ پسند کریں انھیں پسند کرے اور جن باتوں کو اللہ ورسول ناپسند کریں انھیں اہلِ ایمان بھی ناپسند کریں، جس کام کا حکم دیں اس پر عمل کریں، جس کام سے روکیں ان سے رک جائیں۔

دوسری بات :۔ جس کا حکم دیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ (اوپر کی آیت میں یہ صراحت آجانیکے بعد کہ اللہ تعالےٰ نے بیع کو تو حلال کیا ہے اور سود کو حرام فرما دیا ہے) اب آئندہ سود سے بالکل پرہیز کیا جائے۔ کسی کے ذمہ جو کچھ بھی سود کی رقم باقی رہ گئی ہو اسے چھوڑ دیا جائے۔ سود کی بقایا رقم کو چھوڑ دینے کا یہ حکم طبیعت پر گراں ہو سکتا تھا اسلئے یہ حکم دیتے ہوئے اہلِ ایمان کو ان کے ایمان کی نسبت سے مخاطب کیا گیا کیونکہ ایمان ہی کی طاقت ایسی ہے جس کیوجہ سے ناگوار بات بھی گوارا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے یوں فرمایا کہ" اگر تم اللہ پر اور اسکی باتوں پر ایمان رکھتے ہو تو سود کی بقایا رقم باقی ہی رہنے دو، اسے چھوڑ دو"۔

تمہارے ایمان ہی میں وہ قوت وطاقت موجود ہے جو تمہیں تقویٰ اختیار کرنے پر ابھارے گی اور سود کی بقیہ رقم قرض داروں کے ذمہ باقی چھوڑنے پر آمادہ کرے گی۔

اور اس پہلی آیت کے بعد آنیوالی اور آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کو بڑی شدید دھمکی دی ہے جو سود کے حرام ہو جانے کے بعد بھی اس معصیت پر بدستور برقرار رہیں، فرمایا:

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔

(پھر اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔)

اب سمجھ لیجئے کہ کون ایسا ہے جو اللہ ورسول سے جنگ کے لئے تیار ہو سکے اور یہ بات بھی سوچ لیجئے کہ جو شخص بھی اللہ ورسول سے جنگ کرے گا کیا وہ کامیاب و

فتحیاب ہوسکتا ہے؟ بہ قسمِ خدا وہ ہرگز ہرگز غلبہ و فتح نہ پاسکے گا بلکہ مقابلہ میں پاش پاش اور ریزہ ریزہ ہوکر سراسر نقصان و خسارہ میں رہے گا۔

آیت کے اگلے ٹکڑے میں اللہ تعالےٰ نے اہلِ ایمان کو پیش آنیوالی اس مشکل کا حل بھی بتادیا کہ سود کی حرمت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمہاری اصلی رقم بھی سوخت کردی جائے یہ تو زیادتی ہوگی اسلئے اصلِ رقم کی وصولی تو کر سکتے ہو باقی زائد رقم جو سود کے طور پر ملنے والی تھی صرف اسی رقم کو چھوڑنیکا حکم دیا جارہا ہے۔

اور ایک ہدایت یہ دی ہے کہ اگر تمہارا قرضدار تنگدست ہو تو رقم وصول کرنے میں جلدی نہ کرو بلکہ اسے کچھ مہلت دیدو کہ وہ تنگدستی جاتی رہے اور وہ تمہاری رقم آسانی سے ادا کردے۔ بلکہ اگر تم بہ نیت صدقہ وہ رقم اسے معاف ہی کردو تو یہ بات تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے، اگر تم برائی کے بعد احسان اور گناہ کے بعد توبہ کی جزا اور ثمرہ سے باخبر ہو تو یہ بھی جانتے ہوگے کہ یہ صورت واقعی بہتر ہی ہے۔

اوپر سود کی حرمت کا حکم تو آپ کو معلوم ہوگیا ہے اب سود کے گناہ کی برائی بھی سمجھ لیجئے!

اس آیت زیرِ نظر سے کچھ پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ۔	جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن اپنی قبروں سے) اس طرح اٹھیں گے جیسے کوئی آسیب زدہ اٹھتا ہو (جو مخبوط الحواس ہو)

یعنی جس طرح آسیب زدہ زمین پر گر پڑتا ہے تو سود خوار بھی اسی طرح مجنون کی طرح قیامت کے روز اپنی قبر سے اٹھے گا۔

ایک حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے بارے میں یوں لعنت فرمائی ہے: "لعنت ہے اللہ تعالیٰ کی سود کھانے والے (سود لینے والے) پر سود کھلانے والے (سود دینے والے) پر اور جو سودی دستاویز لکھے اس پر اور جو اس پر گواہ ہوں ان پر لعنت ہو"

اسی طرح ایک دوسری حدیث شریف میں آپ نے سات ہلاک کرنیوالی چیزوں سے دور رہنے اور بچنے کا حکم دیا۔ ان سات چیزوں میں سے ایک چیز آپنے سود بھی بتائی ہے۔

اوپر کی آیت اور ان دو حدیثوں کی روشنی میں سود کی برائی اور اس کے گناہ کی شدت معلوم ہوگئی تو اب ربٰو اور سود کی حقیقت بھی آپکو معلوم ہوجانی چاہئے تاکہ آپ خود بھی اس سے بچ سکیں اور دوسرے اہلِ ایمان تک اس سے بچنے کا حکم پہنچا کر اس کی تبلیغ بھی کرسکیں، تو سمجھئے!

[illegible] ۸۱

ربٰو یعنی سود کی دو قسمیں ہیں۔ ایک "ربٰو الفضل" کہلاتا ہے، دوسرا "ربٰو النسیئہ" ہے۔ ربٰو الفضل زیادتی کے سود کو کہتے ہیں، اور ربٰو النسیئہ ادھار کے سود کو کہتے ہیں یہ دونوں ہی حرام ہیں۔

• ربٰو الفضل کی صورت یہ ہوگی کہ جن چیزوں کے لین دین میں سود ہوتا ہے انکی خرید و فروخت اور ان کا لین دین اس طرح کیا جائے کہ ایک طرف کچھ زیادتی رہے اور دوسری طرف کمی رہے، یہ صورت حرام ہے۔

جن چیزوں میں سود پایا جاتا ہے وہ یہ ہیں: سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور اور نمک۔ گیہوں پر قیاس کر کے مکئی اور دوسرے غلے بھی اسی حکم میں ہیں۔

اب اگر کوئی شخص سونے کو سونے کے بدلہ میں یا چاندی کو چاندی کے بدلہ میں بیچتا ہے تو یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ دونوں طرف مقدار برابر ہو اور ایک ہی مجلس میں ہاتھ در ہاتھ ہو، اسی طرح اگر گیہوں کا لین دین ہو تو وہ بھی برابر سرابر اور ہاتھوں ہاتھ ہونا چاہئے۔

اور دونوں طرف الگ الگ جنس ہو مثلاً سونے اور چاندی کا لین دین ہو یا گیہوں اور جو کا لین دین ہو تو ان میں تفاضل یعنی کمی بیشی جائز ہے لیکن ہاتھوں ہاتھ ہونا پھر بھی ضروری رہے گا۔

"ربٰو النسیئہ" (ادھار کا سود) اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص دوسرے کو مال قرض دے کہ ایک سال بعد ادا کرنا مگر واپسی کے وقت کچھ رقم زیادہ ادا کرنا۔ مثلاً اسے ایک ہزار روپیہ دیا کہ ایک سال بعد گیارہ سو ادا کرنا ہوگا اور اگر دو سال بعد ادا کرو تو بارہ سو روپئے دینے ہوں گے۔ یہ ربٰو النسیئہ ہے یہ بھی سود ہے اور حرام ہے۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوۤا اَضْعَافًا	اے ایمان والو! سود نہ کھاؤ بڑھا بڑھا کر

وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا
تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا
اِلٰٓى اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ
وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا
اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً
تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا وَاَشْهِدُوْٓا
اِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ
وَّلَا شَهِيْدٌ ۝ وَاِنْ تَفْعَلُوْا
فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ
اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ایک دوسری کو یاد دلادے اور گواہ لوگ انکار نہ کیا کریں جب گواہ بننے کیلئے بلائے جائیں اور تم لکھنے سے اکتایا نہ کرو خواہ وہ چھوٹا معاملہ ہو) یا بڑا ہو یہ لکھنا انصاف کو زیادہ قائم رکھنے والا ہے اللہ کے یہاں، اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والا ہے اور تم کو شک سے بچانے کی زیادہ قریبی صورت ہے مگر ہاں کہ کوئی سودا دست بدست ہو جسے تم باہم لیتے دیتے ہو تو اس کے نہ لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اس خرید و فروخت کے وقت گواہ بنا ہی لیا کرو اور کسی کاتب کو (زبردستی) تکلیف نہ دی جائے اور نہ گواہ کو اور اگر تم ایسا کروگے تو تم کو گناہ ہوگا اور اللہ تعالےٰ سے ڈرو اللہ تعالیٰ تمکو (احکام کی) تعلیم دیتا ہے اور اللہ سب باتوں کو جانتا ہے۔

تشریح وتفسیر

اہلِ دانش وبینش پر یہ حقیقت مخفی نہ رہنی چاہئے کہ مال و دولت اور روپیہ پیسہ جسے ہاتھ کا میل بھی کہا گیا ہے اور غلط فہمی میں اسی کو دنیا کا مصداق بھی سمجھ لیا گیا ہے جو تصویر کا صرف ایک رخ ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ "یہی مال تو ام اعمال" بھی ہے۔ انسانی زندگی میں اس مال کی بہت اہمیت بھی ہے کیونکہ انسانی زندگی کا قیام بھی بڑی حد تک اس سے وابستہ ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ایک دوسری آیت میں یہ ارشاد فرماکر کہ

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ
جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا۔

اور تم کم عقلوں کو اپنے وہ مال مت دو جنکو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے مایۂ زندگی بنایا ہے۔

اس مال کو زندگی کا قوام (وجہ قیام) بھی بتایا ہے، اسی وجہ سے غیر راشد اور کم عقل والوں کو مال دینے کی اجازت نہیں دی ہے مثلاً بچے اور عورتیں کہ یہ مال کو صحیح مصرف میں خرچ کرنے کی سوجھ بوجھ زیادہ نہیں رکھتے۔

مال کی انسانی زندگی میں ضرورت و اہمیت سمجھ لینے کے بعد اب آیتِ مندرجہ بالا (آیتِ دین اور آیت مداینہ) کی شرح سمجھئے!

یہ آیتِ شریفہ کسی بھی قسم کے قرض سے متعلق چند احکام پر مشتمل ہے جنھیں اگر اہلِ اسلام سیکھ لیں اور ان پر عمل درآمد رکھیں تو ان کے مال و عزت دونوں ہی کی حفاظت رہیگی۔

پہلا حکم(۱) :- قرض کے سلسلہ میں پہلا حکم جو اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اس معاملہ قرض کی کتابت کا ہے کہ قرض کا جو لین دین بھی تین دن سے زائد مدت کیلئے کیا جا رہا ہو اس کی لکھا پڑھی ہو جانی چاہئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیتِ شریفہ میں پہلی ہدایت یہی فرمائی ہے کہ

" اے ایمان والو! تم لوگ جب کسی قسم کے قرض کے لین دین کا معاملہ کرو جسکی ادائیگی کی کوئی مدت باہم مقرر ہو کر طے پاگئی ہو تو اس معاملہ کو باقاعدہ لکھ لو۔"

دوسرا حکم(۲) :- آیتِ شریفہ میں دوسری جس بات کا حکم ہے اسی سے بیع سلم کے جواز کا حکم نکلتا ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ "کوئی شخص کسی دوسرے کے ہاتھ کھجور، گیہوں یا اور کوئی غلہ اس طور پر فروخت کرے کہ تم فصل پر مجھ سے اتنا غلہ لے لینا، جس کی قیمت میں اس وقت تم سے اتنی لوں گا"۔ یعنی قیمت تو معاملہ کے وقت لی جاتی ہے اور مبیع اور سودے کی ادائیگی اس مدت کے بعد ہوتی ہے جو مدت وقتِ معاملہ طے پاگئی ہے۔ شریعت نے اس قسم کی بیع کو جسے "بیعِ سلم" کہتے ہیں جائز کیا ہے۔ مگر جائز ہونیکے لئے یہ شرط لگادی ہے کہ جس چیز کا سودا ہو رہا ہے اسکی مقدار (کہ وہ چیز تول، ناپ اور عدد کے حساب سے کتنی ہوگی) اور ادائیگی کا وقت مقرر اور فریقین کو معلوم ہو۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جو شخص کھجور (وغیرہ) کا سودا آنیوالے زمانے میں کر رہا ہو تو اس کا پیمانہ اور وزن اور ادائیگی کی مدت (یہ تینوں باتیں) معلوم ہونی چاہئیں۔

آیتِ شریفہ میں تیسرا حکم(۳) یہ دیا گیا ہے کہ جو چیز قرض کی جا رہی ہو وہ لکھ کر متعین و مقرر کرلی جائے، اور یہاں پر یہ حکم بھی ہے کہ اس معاملہ کا لکھنے والا لکھنے میں عدل و انصاف ملحوظ رکھے اس میں کسی ایک فریق کی رعایت و جانب داری نہ کرے جو بات طے ہوئی ہے وہی لکھے، کوئی کمی بیشی اور تبدیلی نہ کرے۔

چوتھا حکم(۴) :- یہ ہے کہ جو شخص ایسی دستاویزات کو اچھی طرح لکھنا جانتا ہو اور اسی وجہ سے لوگ اس سے لکھوایا کرتے ہوں تو اس سے جب کوئی معاملہ لکھے تو

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوْا وَلَا
تَسْئَمُوْٓا أَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا أَوْ كَبِيْرًا
إِلٰٓى أَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ
وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنٰٓى أَلَّا تَرْتَابُوْٓا
إِلَّآ أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً
تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوْهَا وَأَشْهِدُوْٓا
إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ
وَّلَا شَهِيْدٌ ۵ وَإِنْ تَفْعَلُوْا
فَإِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ
اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۵

ایک دوسری کو یاد دلادے اور گواہ لوگ انکار نہ کیا کریں جب گواہ بننے کیلئے بلائے جائیں اور تم لکھنے سے اکتایا نہ کرو خواہ وہ چھوٹا (معاملہ ہو) یا بڑا ہو یہ لکھنا انصاف کو زیادہ قائم رکھنے والا ہے اللہ کے یہاں: اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والا ہے اور تم کو شک سے بچانیکی زیادہ قریب صورت ہے مگر ہاں کہ کوئی سودا دست بدست ہو جسے تم باہم لیتے دیتے ہو تو اس کے نہ لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اس خرید و فرخت کے وقت گواہ بنا ہی لیا کرو اور کسی کاتب کو (زبردستی) تکلیف نہ دی جائے اور نہ گواہ کو اور اگر تم ایسا کروگے تو تم کو گناہ ہوگا اور اللہ تعالے سے ڈرو اللہ تعالیٰ تمکو (احکام کی) تعلیم دیتا ہے اور اللہ سب باتوں کو جانتا ہے۔

تشریح وتفسیر

اہلِ دانش وبینش پر یہ حقیقت مخفی نہ رہنی چاہئے کہ مال و دولت اور روپیہ پیسہ جسے ہاتھ کا میل بھی کہا گیا ہے اور غلط فہمی میں اسی کو دنیا کا مصداق بھی سمجھ لیا گیا ہے جو تصویر کا صرف ایک رخ ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ ”یہی مال تو ام اعمال“ بھی ہے۔ انسانی زندگی میں اس مال کی بہت اہمیت بھی ہے کیونکہ انسانی زندگی کا قیام بھی بڑی حد تک اس سے وابستہ ہے چنانچہ اللہ تعالے نے ایک دوسری آیت میں یہ ارشاد فرماکر کہ

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ
جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا۔

اور تم کم عقلوں کو اپنے وہ مال مت دو جنکو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے مایۂ زندگی بنایا ہے۔

اس مال کو زندگی کا قوام (وجہ قیام) بھی بتایا ہے، اسی وجہ سے غیر راشد اور کم عقل والوں کو مال دینے کی اجازت نہیں دی ہے مثلاً بچے اور عورتیں کہ یہ مال کو صحیح مصرف میں خرچ کرنے کی سوجھ بوجھ زیادہ نہیں رکھتے۔

مال کی انسانی زندگی میں ضرورت واہمیت سمجھ لینے کے بعد اب آیتِ مندرجہ بالا (آیتِ دین اور آیت مداینہ) کی شرح سمجھئے!

یہ آیتِ شریفہ کسی بھی قسم کے قرض سے متعلق چند احکام پر مشتمل ہے جنھیں اگر اہلِ اسلام سیکھ لیں اور ان پر عمل درآمد رکھیں تو ان کے مال وعزت دونوں ہی کی حفاظت رہیگی۔

پہلا حکم⁽¹⁾ :- قرض کے سلسلہ میں پہلا حکم جو اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اس معاملہ قرض کی کتابت کا ہے کہ قرض کا جو لین دین بھی تین دن سے زائد مدت کیلئے کیا جارہا ہو اس کی لکھا پڑھی ہو جانی چاہئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیتِ شریفہ میں پہلی ہدایت یہی فرمائی ہے کہ

”اے ایمان والو! تم لوگ جب کسی قسم کے قرض کے لین دین کا معاملہ کرو جسکی ادائیگی کی کوئی مدت باہم مقرر ہوکر طے پاگئی ہو تو اس معاملہ کو باقاعدہ لکھ لو“

دوسرا حکم⁽²⁾ :- آیتِ شریفہ میں دوسری جس بات کا حکم ہے اسی سے بیع سلم کے جواز کا حکم نکلتا ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ ”کوئی شخص کسی دوسرے کے ہاتھ کھجور، گیہوں یا اور کوئی غلہ اس طور پر فروخت کرے کہ تم فصل پر مجھ سے اتنا غلہ لے لینا، جس کی قیمت میں اس وقت تم سے اتنی لوں گا“ یعنی قیمت تو معاملہ کے وقت لی جاتی ہے اور مبیع اور سودے کی ادائیگی اس مدت کے بعد ہوتی ہے جو مدت وقتِ معاملہ طے پاگئی ہے۔ شریعت نے اس قسم کی بیع کو جسے ”بیع سلم“ کہتے ہیں جائز کیا ہے۔ مگر جائز ہونیکے لئے یہ شرط لگادی ہے کہ جس چیز کا سودا ہو رہا ہے اسکی مقدار (کہ وہ چیز تول، ناپ اور عدد کے حساب سے کتنی ہوگی) اور ادائیگی کا وقت مقرر اور فریقین کو معلوم ہو۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جو شخص کھجور (وغیرہ) کا سودا آنیوالے زمانے میں کررہا ہو تو اس کا پیمانہ اور وزن اور ادائیگی کی مدت (یہ تینوں باتیں) معلوم ہونی چاہئیں۔

آیتِ شریفہ میں تیسرا⁽³⁾ حکم یہ دیا گیا ہے کہ جو چیز قرض کی جارہی ہو وہ لکھ کر متعین ومقرر کرلی جائے، اور یہاں پر یہ حکم بھی ہے کہ اس معاملہ کا لکھنے والا لکھنے میں عدل و انصاف ملحوظ رکھے اس میں کسی ایک فریق کی رعایت وجانب داری نہ کرے جو بات طے ہوئی ہے وہی لکھے، کوئی کمی بیشی اور تبدیلی نہ کرے۔

چوتھا حکم⁽⁴⁾ :- یہ ہے کہ جو شخص ایسی دستاویزات کو اچھی طرح لکھنا جانتا ہو اور اسی وجہ سے لوگ اس سے لکھوایا کرتے ہوں تو اس سے جب کوئی معاملہ لکھنے کو

کہا جائے تو اسے لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہئے اس کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ دستاویز لکھے اور اللہ تعالےٰ نے اسے جو کچھ سکھایا ہے اس طرح اس کا شکر ادا کرے۔

پانچواں(۵) حکم :- یہ ہے کہ جسے ادائیگی کرنی ہے جس پر دوسرے کا مطالبہ ہے، یہ تحریر وہ شخص لکھوائے تاکہ تحریر میں اسی کا اپنا اعتراف و اقرار قلمبند ہو اور بعد میں انکار و اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہے، اسی وجہ سے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ فرمایا کہ دستاویز کا املاء وہ شخص کرائے جس کے ذمہ مطالبہ کی ادائیگی ہو۔ وہیں اللہ تعالےٰ نے یہ بھی فرمادیا ہے کہ اس میں کسی قسم کی کمی نہ کرائے پورا پورا مطالبہ لکھوائے۔

چھٹا(۶) حکم :- یہ ہے کہ اگر یہ شخص جس کے ذمہ مطالبہ کی ادائیگی اور دستاویز کا لکھوانا ہے کم عقل و بیوقوف ہو یا خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے دستاویز نہ لکھوا سکتا ہو تو پھر اس کا کوئی ولی اور سرپرست یہ دستاویز لکھوائے اور انصاف کے ساتھ لکھوائے، پوری اور صحیح بات لکھوائے۔

ساتواں(۷) حکم :- یہ ہے کہ جو دستاویز لکھی جائے اس پر دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی بھی ثبت ہونی چاہئے۔

آٹھواں(۸) حکم :- یہ ہے کہ جس وقت ان گواہوں سے گواہی طلب کی جائے اور معاملہ کا ثبوت صرف انھیں کی گواہی پر موقوف ہو اور دوسری شہادت موجود نہ ہو اس وقت ان گواہوں پر گواہی دینا واجب ہے۔ اور گواہی سے گریز کرنا حرام ہے۔

نواں(۹) حکم :- یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں قرض کے لین دین کی تاکید ہر صورت میں فرمائی ہے، قرض کی رقم کم ہو یا زیادہ اس کی لکھا پڑھی ہو جانی چاہئے۔

دسواں(۱۰) حکم :- یہ ہے کہ تجارت کا جو معاملہ فی الحال ہو رہا ہو اور رقم کی ادائگی دو ہی ایک دن بعد ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں لکھا پڑھی کا حکم نہیں ہے۔

گیارہواں(۱۱) حکم :- یہ ہے کہ خرید و فروخت کا کوئی بڑا معاملہ ہو تو اس معاملہ پر بھی گواہی ثبت ہونی چاہئے مثلاً کوئی شخص اپنا مکان، یا باغ یا اپنی کار فروخت کرے تو اس کی بھی لکھا پڑھی اور اس پر بھی گواہی ہو جانی چاہئے۔

بارہواں(۱۲) حکم :- یہ ہے کہ دستاویز لکھوانے اور گواہی دینے میں محرر اور گواہ کو نقصان نہ ہونا چاہئے اس کام میں ان کا کچھ وقت صرف ہوتا ہو یا عدالت تک جانے کیلئے سواری کی بھی ضرورت پڑتی ہو تو انھیں اس کا معاوضہ دیا جانا چاہئے کہ ان کا نقصان و حرج نہ ہو۔ اور ان کے نقصان کی صورت یہ بھی ہے کہ انھیں دستاویز میں غلط بات لکھنے پر اور گواہی میں جھوٹی اور غلط گواہی دینے پر مجبور کیا جائے۔

تیرہواں(۱۳) حکم :- اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کا ہے فرماتے ہیں:
"وَاتَّقُوا اللّٰہَ" اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کہ وہی تو تم کو ایسی باتوں کی تعلیم دیتا ہے جو دنیا و آخرت میں تمہیں نفع دیں اور اس علم الٰہی میں وہ نور ہوتا ہے جس کی بدولت تم حق و باطل میں فرق کر لیتے ہو اور نفع و نقصان کی چیزوں کو جان لیتے ہو۔

اللہ تعالےٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! اگر اللہ تعالےٰ کا تقویٰ اختیار کروگے تو وہ تمہارے اندر حق و باطل کی تمیز پیدا فرمادے گا۔

آیتِ شریفہ میں تو یہی مندرجہ بالا احکام بیان ہوئے ہیں ان کے علاوہ بھی یہ چند احکام ہیں۔

(۱) مالی معاملات میں گواہ دو سے کم نہ ہونے چاہئیں، زنا کے گواہ چار ہونا ضروری ہیں۔

(۲) چھوٹے لڑکے اور غلام کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

(۳) اگر کسی مالی معاملہ میں ایک ہی گواہ ہو تو قسم لیکر فیصلہ کیا جائے گا۔

(۴) بہترین گواہ وہ ہو جو از خود ہی اپنی گواہی پیش کردے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

(۵) دنیا میں ایسے معاملات آنے تھے جس کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ ہو گئی انھوں نے انکار کیا تو ان کی نسل و اولاد میں بھی انکار کا سلسلہ چل پڑا اسلئے اللہ تعالےٰ نے خرید و فروخت اور قرض کے لین دین میں دستاویز لکھنے کا قاعدہ مقرر فرمادیا جیسا کہ ابو داؤد کی حدیث شریف میں مذکور ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بارہویں (۱۲) ندا

اہلِ کتاب کے کہے میں آنے سے ڈرانا اور بچانا کہ وہ اہلِ ایمان کا دین و مذہب خراب کرنے پائیں

سورۃ آل عمران (آیات ۱۰۰-۱۰۱) اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا
مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ
بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ ۝ وَکَیْفَ
تَکْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ اٰیٰتُ
اللّٰہِ وَفِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ ؕ وَمَنْ یَّعْتَصِمْ
بِاللّٰہِ فَقَدْ ھُدِیَ اِلٰی
صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝

اے ایمان والو! اگر تم نے اہلِ کتاب فرقے کے لوگوں کی پیروی کی تو یہ لوگ تمہارے ایمان لے آنیکے بعد تم کو پھر کافر بنادیں گے اور تم کیسے کفر اختیار کروگے حالانکہ تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت ہوتی رہتی ہے اور تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں اور جس شخص نے بھی اللہ تعالیٰ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا تو اسے سیدھی راہ لگا دیا گیا۔

تشریح و تفسیر

ہماری تشریحات و تفسیرات پڑھنے والوں کو یہ بات یاد ہوگی کہ اللہ تعالےٰ اہلِ ایمان کو جب مخاطب فرماتے ہیں تو مقصد انکی ہدایت و رہنمائی ہوتی ہے، ان خطابات میں اہلِ ایمان کو یا تو ایسی باتوں کا حکم دیا جاتا ہے جن میں انکی سعادت مضمر ہوتی ہے اور جن پر عمل کرکے وہ دارین میں نیک بخت و خوش قسمت ہوتے ہیں۔ یا انھیں ان باتوں سے روکا

جاتا ہے جو ان کے خُسران و حرمان کا سبب بنیں اور دونوں جہان میں بدبخت و شقی ٹھہریں۔ کہیں کہیں ان خطابات میں اہلِ ایمان کو خطرات سے ڈرانا اور چوکنا کرنا یا جنت کی نعمتوں اور آخرت کی کامیابیوں کی خوشخبری دینا منظور ہوتا ہے کیونکہ اہلِ ایمان اللہ تعالےٰ کے دوست اور اس کے خاص بندے ہیں، انکی زندگی ایسی ہی ہونی چاہئے کہ انھیں اللہ تعالےٰ کے سوا کسی اور چیز کا کوئی خوف و خطرہ اور رنج و غم نہ ہو۔

اس تمہید کے پسِ منظر میں اب آیتِ شریفہ کے خطاب پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہلِ ایمان کو مخاطب فرما کر انھیں بعض اہلِ کتاب کی پیروی سے، اور ان کا کہنا ماننے سے ڈرایا اور روکا ہے کہ اگر اہلِ ایمان ان یہود و نصاریٰ کا کہنا مانیں گے تو اس بات کا سخت خطرہ ہے کہ یہ اہلِ کتاب انھیں کفر کیطرف پھر واپس لے جائیں گے، اس خطرہ سے اہلِ ایمان کو آگاہ کرنے کیلئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

اے اہلِ ایمان! تم لوگ تو اللہ تعالےٰ کو اپنا رب، اور دینِ اسلام کو اپنا دین اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی و رسول مانتے ہو اگر تم اہلِ کتاب کے ان بعض لوگوں کا کہنا ماننے لگے جو اسلام سے دشمنی رکھتے ہیں اور اہلِ اسلام سے بغض و عداوت رکھتے ہیں جنھیں اسلام کے غلبہ و عزت سے اشتعال و غیظ ہوتا ہے، اگر ایسے لوگوں کا کہنا ماننے لگے تو یہ لوگ اپنی چکنی چپڑی باتوں کے ذریعہ تمہارے اسلامی احکام کی برائیاں اور اپنے کفریہ خیالات کی اچھائیاں ظاہر کریں گے اور تم کو یہ باور کرائیں گے کہ ان اسلامی احکام میں انسان کو آزادیٔ رائے حاصل نہیں رہتی اور یہ احکام ہماری جمہوریت اور تمدنی ترقی کے لئے رکاوٹ بنتے ہیں یا یوں سمجھائیں گے کہ یہ اسلامی احکام پہلے زمانے کیلئے تو ٹھیک تھے لیکن اب اس زمانہ میں کہ یہ ایٹم بم، ہائیڈروجن بم کا زمانہ ہے، اس زمانے میں انسان فضا اور خلاء کی لڑائی لڑ رہا ہے اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اسلامی احکام کیوجہ سے ہم اس دوڑ میں پیچھے رہ جائیں گے کیونکہ یہ احکام شہری و تمدنی ترقی میں رکاوٹ بنتے ہیں

اسلام کے خلاف یہ سب باتیں کرنیوالے لوگ کچھ تو یہودی ہیں اور کچھ عیسائی ہیں جو اپنے تئیں علم کے مدعی بنتے ہیں، اسلام اور اہلِ اسلام سے دشمنی کا جھنڈا

اٹھائے ہوئے ہیں۔ اگر اے اہل ایمان ! تم نے انکی ان باتوں کو درست اور صحیح سمجھ لیا جو بظاہر تمہیں خوشنما اور اچھی لگتی ہیں مگر فی الحقیقۃ ان باتوں میں تمہاری رسوائی و ناکامی ہے، اگر تم انکی باتوں میں آ گئے تو یہ لوگ تمہارے ایمان کو غارت کر کے تمہیں پھر کافر بنا دیں گے (یہ عقل کے اندھے، جمہوریت پرست اور ترقی پسند آزادی رائے کے علمبردار اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ دنیا میں جمہوریت و آزادی رائے کی دعویدار کوئی بھی ایسی حکومت نہیں ہے جس کے قانون میں بغاوت کا جرم بالکل معاف اور ناقابلِ سزا جرم تصور کیا جاتا ہو، کسی بھی باغی کے لئے آزادئ رائے کی اجازت کیوں نہیں ہے اور ایسے موقع پر وہ جمہوریت کہاں مر جاتی ہے، ان مدعیان علم و عقل نے خالق و مخلوق، مالک و مملوک کو ایک ہی ترازو پر تولنا چاہا ہے سب بڑی بے عقلی و بیوقوفی یہی ہے پھر یہ بھی نہیں سوچا کہ اسلامی قانون کے مطابق یہ کفر و شرک یہ لوگ جس کی آزادی چاہتے ہیں یہ جرم بغاوت کی آخری اور انتہائی شکل ہے جس کی معافی کسی بھی حکومت میں نہیں ہوتی، کفر و شرک درحقیقت خدا تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ اور اس کی عظمت و کبریائی کا انکار ہے جو صریح بغاوت ہے) لہٰذا اہلِ اسلام کو ایسے دشمنانِ اسلام و اہلِ اسلام سے بہت دور اور چوکنا رہنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت و نصیحت کو دل نشین رکھنا چاہئے اسی طریقہ سے ان دشمنانِ دین کے کید و مکر سے بچا جا سکتا ہے۔

غور کرنے پر آپکو اندازہ ہو جائیگا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو جو ہدایت دی ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے انکی اور ان کے دینِ اسلام کی حفاظت کیلئے ایک بہت بڑا قلعہ اور حصار انھیں بتا دیا ہے کیونکہ یہ یہود و نصاریٰ دل ہی دل میں یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ انسان کو اصلی اور سچی کامیابی صرف دینِ اسلام ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے اور جس یہودیت و نصرانیت کو وہ اپنے گلے لگائے ہوئے ہیں اس کا انجام دنیا و آخرت میں خُسران و حرمان کے سوا کچھ نہیں ہے۔ مگر وہ ریاست اور چودھراہٹ کی خواہش میں اور کچھ مالی فائدوں کے لالچ میں اسلام قبول کرنے سے رک رہے ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ لوگ یہاں بے دھڑک جس طرح مال بٹورنے اور مال کے ذریعہ عیش و مستی میں زندگی گذارنے میں لگے ہوئے

ہیں اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ان لذتوں، دلچسپیوں اور ہوسناکیوں سے یکسر محروم ہو جائینگے یہی لذت انھیں قبولِ حق سے باز رکھ رہی ہے اور اسی وجہ سے وہ اپنے کفر پر اڑے ہوئے ہیں اور جہاں تک ان سے بن پڑتا ہے مسلمانوں کو دوبارہ کافر بنانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

اور ان یہود و نصاریٰ ہی جیسا حال بعض روافض کا بھی ہے کہ وہ بھی اہلِ حق مسلمان اہلِ سنت و جماعت کے ساتھ بغض و عداوت رکھتے ہیں اور اہل سنت و جماعت کو اس راہِ نجات سے منحرف و گمراہ کرنے کیلئے معمولی اور قیمتی ہر قسم کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ یہ اہلِ سنت و جماعت نجات کا یہ راستہ چھوڑ کر شیعیت و رفض کا طریقہ اختیار کر لیں تاکہ جیسے وہ روافض ہلاک ہو رہے ہیں یہ اہلِ سنت بھی ہلاکت میں پڑ جائیں اور ان کی اس شیعیت کی حقیقت کو مختصر طور پر یوں سمجھ لیا جائے کہ یہ شیعیت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے افضل ترین و برگزیدہ اصحاب حضرات ابوبکر و عمر و عثمان وغیرہم رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو کافر کہنے اور انھیں کافر سمجھنے پر مبنی ہے جس کا اہم ترین و مشہور عقیدہ تحریفِ قرآن کا ہے اس مقصد کے لئے یہ لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بھی تحریف کرتے ہیں تاکہ اس طرح وہ اپنے غلط اور باطل مذہب کو صحیح بنا کر پیش کر سکیں اور اس کے ذریعہ عوام کو اسے اپنانے پر آمادہ کر سکیں کہ وہ بھی ان روافض کے ساتھ ہلاک ہوں اور جنت سے وہ بھی محروم ہو جائیں جس طرح ان روافض کو محروم ہونا ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ جو شخص حضرات صحابہ جیسے اہلِ ایمان کو کافر بتائے وہ خود ہی کافر ہے کیونکہ یہ حضرات وہ ہیں جن سے اللہ تعالےٰ راضی ہوا اور اپنی یہ رضامندی اس نے اپنی کتاب میں یوں ظاہر بھی فرما دی:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔

بیشک اللہ تعالےٰ ان مومنین سے راضی ہو گیا جب یہ لوگ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔

درخت کے نیچے بیعتِ رضوان کرنیوالے صحابہ کرام چودہ سو کی تعداد میں تھے جن میں سرِ فہرست حضرات عشرہ مبشرہ بھی تھے جنھیں آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے نام بنام جنت کی بشارت دی تھی۔

سوچنے کی بات ہے کہ اگر نعوذ باللہ منہ یہ حضرات حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پھر مرتد و کافر ہو گئے (جیسا کہ یہ روافض سمجھتے اور کہتے ہیں) تو اللہ تعالے نے بیعتِ رضوان کے وقت ان سے اپنی رضا و خوشنودی کا اعلان کیسے فرمایا استغفر اللہ توبہ توبہ۔

یہ تو اللہ تعالے پر بہت بڑا اتہام ہے کہ وہ اس حقیقت سے لا علم و بے خبر تھا کہ یہ لوگ بعد میں کافر ہو جائیں گے۔ خدانخواستہ نعوذ باللہ منہ کیا خدا تعالیٰ بھی ایک عام انسان کی طرح ہے جو آج خوش ہوتا ہے اور کل ناخوش ہوتا ہے۔ اس سے بڑھکر کے کفر اور کیا ہو گا۔

اللہ تعالے نے اس آیتِ شریفہ میں اپنے جس محفوظ قلعہ اور مستحکم حصار کا ذکر فرمایا ہے جس کے ذریعہ اس کفر و ارتداد سے بچا جا سکتا ہے جس کی امید پر یہ دشمنانِ دین اہلِ ایمان کو اپنی یہودیت و نصرانیت کیطرف دعوت دے رہے ہیں وہ قلعہ اللہ تعالے کا یہ ارشاد ہے:

وَ کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ اٰیَاتُ اللّٰہِ وَ فِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ ۔

اور تم کافر کیسے ہو سکتے ہو جبکہ اللہ تعالے کی آیات تم پر تلاوت کی جاتی رہتی ہیں اور خود رسول بہ نفس نفیس تم میں موجود ہیں۔

دوسرے لفظوں میں اس آیت کا مطلب یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ اے اہلِ ایمان! یہ بات کتنی عجیب ہو گی کہ وہ صاحب ایمان کافر ہو جائے جس پر اللہ تعالے کی آیات تلاوت کی جاتی ہوں اور پھر یہ بات خود رسول اللہ کی موجودگی میں ہو جبکہ وہ اس کی رہنمائی کیلئے اور اسے گمراہی سے بچانے کے لئے بہ نفس نفیس تشریف فرما بھی ہوں۔

اہلِ اسلام اس قلعہ کے ذریعہ اپنی حفاظت اس طرح کریں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا رہیں۔

اب یہ اہلِ اسلام و اہلِ ایمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ کتاب و سنت پر عمل کے ذریعہ آج بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک کی یاد تازہ کر دیں وہ اس طرح کہ اپنے شہروں اور بستیوں میں ایک اجتماع کی پابندی کر لیں

کہ ہر مسجد میں مغرب سے عشاء تک کتاب و سنت کا درس ہو اور اس علم کے ساتھ اس پر عمل کا بھی اہتمام کریں، ہر مرد و ہر عورت پوری زندگی اسی کے مطابق زندگی گذارے، جو مریض و معذور ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہے، مسافر بھی جہاں موجود ہو وہاں شرکت کرے اس سے انشاء اللہ تعالے بڑی کامیابی ہو گی آخر میں اللہ تعالے نے اس شخص کیلئے ہدایت کی ذمہ داری لے لی جو کتاب اللہ اور سنت رسول کو مضبوطی سے پکڑلے وہ گمراہ نہ ہو گا۔

وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تیرہویں (۱۳) ندا

اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کا حکم

اور

اسلام پر موت کا مطالبہ

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ آلِ عمران (آیت ۱۰۲)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ
اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم کو موت نہ آئے مگر اسی وقت جبکہ تم مسلمان ہو۔

تشریح وتفسیر

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ شریفہ میں اہلِ ایمان پر ایسے دو عظیم اور مہتم بالشان کاموں کی ذمہ داری ڈالی ہے جو اس وقت تک ادا نہیں ہو سکتے جب تک کہ اللہ تعالےٰ کا فضل خاص شاملِ حال نہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ بندۂ حق جب اپنے رب کے ساتھ خلوص نیت اور صدقِ دل کا معاملہ رکھتا ہے اور سچے دل سے اس کی طرف متوجہ ہوتا اور اس کی پناہ لیتا ہے تو اللہ تعالےٰ بھی ایسے شخص کو ناکام و نامراد نہیں ہونے دیتے بلکہ اس کی مدد فرما کر اس کے احوال درست فرما دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ وہ بندہ ان دونوں ہی کاموں کو بحسن وخوبی انجام دے لیتا ہے۔ وہ دونوں کام کیا ہیں جن کی ادائیگی کا اس آیتِ شریفہ میں مطالبہ کیا گیا ہے؟ ایک کام تو ہے اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا، اور دوسرا کام ہے اسلام کی حالت میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کرنا۔

آپ کو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اللہ تعالےٰ نے کلام مجید میں ان مقامات پر اہلِ ایمان کو "تقویٰ" کا حکم دیا ہے مگر اس آیت میں تقوے کا حکم دیتے ہوئے "حَقَّ تُقٰتِهٖ" کا ایک لفظ اور بڑھا دیا کہ خدا سے ڈرنے کا جو حق ہے اس کے مطابق ڈرا کرو۔

یہ قید واضافہ اہلِ علم کی حیرانی کا سبب بن گیا کیونکہ یہ بات تو کسی بھی انسان کے اختیار و قدرت میں نہیں ہے کہ وہ خدا کا ایسا تقویٰ اختیار کرے جس سے اسکے تقویٰ کا حق ادا ہو جائے۔ اور دوسری طرف اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد بھی ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا
وُسْعَهَا

اللہ تعالےٰ کسی نفس کو ایسی بات کا مکلف نہیں بناتے جو اس سے نہ ہو سکے۔

اب اگر ہم آیتِ شریفہ میں آئی ہوئی قید "حَقَّ تُقٰتِهٖ" کو اس کے ظاہر پر رکھتے ہیں تو یہ ایک ایسی تکلیف و پابندی ہوگی جو انسانی قدرت طاقت سے باہر ہے کیونکہ بندہ اگر خدا کے خوف سے پگھل کر تحلیل بھی ہو جائے تب بھی اس جبار وقہار کے تقویٰ کا حق پورا ادا نہ ہو سکے گا۔ اس کی ذات تو وہ ہے کہ "کُنْ" کہتے ہیں چیز موجود ہو جائے اور ہماری یہ ساری وسیع وکشادہ زمین قیامت کے روز اس کی ایک مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان لپٹے ہوئے اس کے داہنے ہاتھ میں ہونگے، ایسی زبردست ہستی کے تقویٰ کا حق کوئی بندہ کیسے ادا کر سکتا ہے؟

آیتِ بالا سے متعلق یہ اشکال ملحوظ رکھتے ہوئے علماء سلف نے یہاں تقوے کی تشریح یوں کی ہے کہ اس آیت میں تقوے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد رکھا جائے اسے بھولا نہ جائے، ہر معاملہ میں اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے، اس کی نعمتوں اور احسانوں کا شکریہ ادا کیا جائے ناشکری نہ کی جائے۔ اس تشریح کے بعد اہل ایمان کیلئے "حَقَّ تُقٰتِهٖ" کی قید ضرور فکرمندی کا سبب ہو گی لیکن خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ تغابن میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے،

فَاتَّقُوا اللهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ

تم اللہ سے ڈرو جتنا تم سے ہو سکے۔

اس آیت کے بعد بات صاف ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہاں بھی یہی ہے کہ تم اپنی استطاعت وقدرت کے مطابق خدا تعالےٰ کے تقویٰ کا حق ادا کرو۔

ویسے بھی یہ بات ادنیٰ فکر سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ بندہ جب خدا تعالے کے حق تقویٰ ادا کرنے کی فکر میں ہر دم رہے گا تو پھر ہر دم خدا تعالیٰ کو یاد ہی رکھے گا بھولے گا نہیں اور اس کی شکرگزاری ہی کرے گا ناشکری میں مبتلا نہ ہوگا، اسکی اطاعت ہی کرے گا نافرمانی نہ کرے گا اور یہ صورت حال اکثر اوقات تو بہر حال رہے گی اس طرح وہ اپنی استطاعت و امکان بھر خدا تعالے کے تقویٰ کا حق ادا کرنیوالا قرار پا جائے گا۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ تقویٰ اللہ کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالے یا اسکے رسول نے ہمیں جن باتوں کا حکم دیا ہے اور جن باتوں سے روکا ہے ان تمام باتوں میں ہم اپنی طاقت بھر اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس مقصد کیلئے ہمیں پہلے یہ علم حاصل کرنا ضروری ٹھہرتا ہے کہ اللہ و رسول نے ہمیں کن باتوں کا حکم دیا ہے اور کن باتوں سے روکا ہے اور اس سے بھی آگے بڑھکر ہمیں خود اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی حاصل کرنی ہوگی کہ اللہ تعالے کے اسماء اور صفات کیا کیا ہیں؟ پھر اس معرفت کے نتیجہ میں ہمیں اللہ تعالے سے ایک قلبی تعلق و محبت حاصل ہو جائے گی اور اپنے نفس میں اللہ تعالے کے خوف و خشیت کا احساس اور اس کے اوامر سے دلچسپی و رغبت، اور اس کے نواہی سے نفرت و کراہت کا جذبہ پیدا ہو جائے گا یہی تقویٰ کی حقیقت ہے جس کی بدولت مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی ولایت و دوستی کی دولت ہاتھ آجاتی ہے اور یہ ایسی دولت بے بہا ہے جس کے مل جانے کے بعد صاحبِ ایمان سعادتِ دارین سے کامیاب و کامران ہو جاتا ہے جو اللہ کی راہ میں کام کرنے والوں کی آخری آرزو ہوتی ہے۔

اب تک یہ ساری تشریح و تفسیر تقویٰ اللہ کی تھی اب آئندہ آیتِ شریفہ میں بیان کئے ہوئے دوسرے مقصد عظیم کے متعلق ضروری تشریح ملاحظہ ہو۔

وہ دوسرا مقصدِ عظیم جس کی طرف آیت میں ہدایت فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہر صاحبِ ایمان اپنی زندگی کو ایمان کے سانچے میں اس طرح ڈھال لے کہ اس کی زندگی کا ہر لمحہ احساس ایمان سے وابستہ رہے یہانتک کہ اسے جب موت بھی آئے تو ایسی حالت میں آئے کہ اس کے دل میں ایمان کا احساس اور زبان پر

ایمان اقرار پایا جائے۔ اسی لئے اللہ تعالے نے اہلِ ایمان کو پہلے تقویٰ کا حکم دیکر اپنے خوف و خشیت اور احساس ایمان کا عادی بنایا ہے اور اسی وجہ سے اس نے ہمیں اس بات سے روکا ہے کہ ہماری موت اس کیفیت کے علاوہ کسی دوسری کیفیت کے ساتھ نہ آئے اسلام کے علاوہ کسی دوسرے باطل مذاہب سے ہمارا تعلق نہ ہو۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا یہ بات ہمارے اختیار میں ہے کہ صرف اسلام ہی کی حالت میں ہمیں موت آئے؟ جواب یہی ہے کہ بظاہر لگتا تو یہی ہے کہ یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں ہے، مگر زرا غور کرنے پر یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ہمارے اختیار میں یہ بات تو ضرور ہے کہ ہم اپنے دل و زبان کو اللہ تعالے کیطرف متوجہ کر دیں اور برابر متوجہ رکھیں یہاں تک کہ ہمارا دل اللہ تعالیٰ کی مرضی و حکم کے بالکل مطابق ہو جائے اور اس کی ساری مرضی و خوشی وہی بن جائے جو اللہ کی مرضی و خوشی ہو، اگر ہم نے پوری توجہ کے ساتھ اپنے دل کو ایسا بنا لیا تو پھر سمجھ لیجئے کہ گویا حالتِ اسلام پر موت بھی ہمارے اختیار میں ہو جائے گی۔ کیونکہ کوئی بھی سچا اور مخلص مسلمان کبھی بھی یہ بات پسند نہ کرے گا کہ جس کفر کی تاریکی و گمراہی سے اللہ تعالے نے اسے نجات دے دی ہے وہ پلٹ کر پھر وہی کفر اختیار کر لے کیونکہ ایمان صحیح و صادق کا لطف و مزہ پا لینے کے بعد وہ قتل ہو جانا، سولی پر چڑھایا جانا، جلا دیا جانا یہ ہو تو گوارا کر سکتا ہے مگر ایمان کے بعد کفر کسی قیمت پر اختیار نہیں کر سکتا ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

چودہویں(۱۴) نداء

مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رازدار بنانیکی حرمت
اور
اسکے برے اور نقصان دہ اثرات کا بیان

سورۂ آل عمران (آیت ۱۱۸)

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا
بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ
خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ
الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ
صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ
بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ
كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ○

اے ایمان والو! اپنے لوگوں کو چھوڑ کر (غیر مسلموں کو) اپنا رازدار نہ بناؤ یہ لوگ تم کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھیں گے وہ ایسی باتیں چاہتے ہیں جن سے تم مشقت و مصیبت میں پڑ جاؤ دشمنی انکے منہ سے انکی باتوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور جو انکے دلوں میں چھپی ہوئی ہے وہ تو اور بھی زیادہ ہے ہم نے تمہارے فائدے کیلئے نشانیاں بتادی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو تو سمجھ لو

تشریح وتفسیر

اللہ تعالیٰ کی ان نداؤں کا یہ راز بتایا جا چکا ہے کہ وہ اپنی کتاب میں صرف انھیں اہلِ ایمان کو کیوں خطاب فرماتا ہے جو اس کی ذات و وحدانیت پر قیامت میں اس کا سامنا ہونے پر ایمان و یقین رکھتے ہیں اور یہ بات بھی بیان ہو چکی ہے کہ ان نداؤں کے متعدد اغراض و مقاصد میں سے ایک غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ اہلِ ایمان کو کسی خاص بات سے ڈرایا اور

متنبہ کیا جاتا ہے جو ان اہلِ ایمان کی شقاوت و ہلاکت کا سبب بن سکتی ہو۔ چنانچہ یہاں اس آیت میں بھی اللہ تعالےٰ اہلِ ایمان کو نداء دیکر انھیں اس بات سے روک رہے ہیں کہ وہ اپنے اہلِ اسلام کو چھوڑ کر (یہود و نصاریٰ اور مشرکین) کو اپنا رازدار اور دلی دوست نہ بنائیں انھیں اپنے ذاتی یا ملتِ اسلامیہ و حکومتِ اسلامیہ کے رازوں پر مطلع ہوتے اور اس کے نتیجہ میں کوئی نقصان پہنچانے کا موقع فراہم نہ کریں کیونکہ انھیں رازدار بنانے کا نتیجہ کبھی کبھی اتنا زیادہ اور دور رس ہوتا ہے کہ پوری حکومت کی حکومت تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ اسلام اور اہلِ اسلام کو ایسے ضرر و نقصان سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔

اسی مقصد کے پیش نظر یہاں بھی اللہ تعالےٰ نے اہلِ ایمان کو مخاطب فرماکر ارشاد فرمایا ہے،

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا
بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ۔

اے ایمان والو اپنوں کے سوا کسی کو صاحب خصوصیت مت بناؤ۔

• "بطانۃ" ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی شخص کے اندرونی معاملات اور پوشیدہ رازوں سے باخبر ہو، آیتِ شریفہ میں کافر و مشرک کو بطانہ رازدار دلی دوست بنانیکی ممانعت کی گئی ہے۔

• "مِنْ دُوْنِكُمْ" کا مطلب یہ ہے کہ جو تم میں سے نہ ہو ظاہر ہے کہ جو ہم میں سے نہیں ہیں وہ یہی کافر لوگ ہیں چاہے وہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں سے ہوں یا مشرکین میں سے ہوں۔

کافر و مشرک کو دلی دوست اور رازدار بنانے کی ممانعت کیوں کی جارہی ہے یہ وجہ آیت کے اگلے فقروں میں بیان کی جارہی ہے کہ یہ لوگ تمہارے معاملات کو بگاڑنے اور خراب کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑیں گے اور یہ فساد اور بگاڑ علم و تحقیق کے پردے میں ہوگا یا تمہاری نصیحت و خیر خواہی و ہمدردی کے پردے میں ہوگا جسے تم بآسانی سمجھ بھی نہ سکو گے (جیسا کہ دیکھا جارہا ہے کہ کافروں کیطرف سے مسلمان بچوں بچیوں کو تعلیماتِ اسلام سے دور کرنے کیلئے اور اپنی منصوبہ بند تعلیم پھیلانے کیلئے

حکومت ان کے لئے اسکول اور کالج کھول رہی ہے اور اہلِ ایمان انکی ہوشیاری سے غافل ہو کر اسے نصیحت و خیر خواہی سمجھ رہے ہیں)

اس بات کو اللہ تعالیٰ نے آیت کے اگلے فقرے میں یوں بیان فرمادیا ہے "وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ" یہ لوگ تو وہی باتیں چاہتے ہیں جنکی وجہ سے تم مصیبت و مشقت میں پڑ جاؤ اور دنیا میں راحت و مسرت، اطمینان و عافیت تمہیں نصیب نہ ہو اور انھیں اہلِ کفر کے محتاج و دستِ نگر ہو کے رہ جاؤ اور تمہاری یہ محتاجی تمہیں خود اپنی نظروں میں بھی ذلیل کردے اور ان کافروں کے سامنے بھی حقیر بنادے۔

آیتِ شریفہ کے اگلے فقرہ کی بلاغت و جامعیت ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ
وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ

انکی دشمنی انکی زبانوں کے ذریعہ ان کے منہ سے نکل چکی ہے اور جو دشمنی انکے سینوں میں دبی ہوئی آگ کیطرح چھپی ہوئی ہے وہ تو اور بھی زیادہ ہے۔

تمہارے ان کے درمیان کفر و اسلام کا جو فرق ہے یہی فرق دشمنی کی جڑ ہے اس کی وجہ سے وہ ہر وقت اور ہر طرح سے عداوت و دشمنی کے درپے رہتے ہیں۔

ایک خاص اور اہم نکتہ۔ اللہ تعالیٰ نے آیتِ شریفہ میں ان کافروں کی دشمنی کے بیان میں دشمنی کا ظاہر ہونا "ان کی زبان کے بجائے" ان کے منہ سے بیان کیا ہے، اس میں یہ نکتہ ہے کہ وہ یہ دشمنی اپنی زبان سے تو ظاہر نہیں کرتے ہیں بلکہ زبان سے تو وہ بڑی ہمدردی و خیر خواہی اور نصیحت کے انداز میں گفتگو کرتے ہیں، بڑی چرب زبانی کے ساتھ لچھے دار باتیں کرتے ہیں جس کی وجہ سے دورانِ گفتگو ان کے منہ باتوں سے بھر بھر جاتے ہیں لیکن ایک غور و فکر اور عقل و فہم والے صاحب بصیرت انسان کو ان کی اسی لچھے دار باتوں میں ان کی دشمنی بھی جھلکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور وہ تاڑ لیتا ہے کہ اس ہمدردی و خیر خواہی کے پردہ میں "اسلام دشمنی" کا چھپا ہوا جذبہ کام کر رہا ہے اور اسی سے وہ یہ اندازہ بھی لگالیتا ہے کہ اس منہ سے ملے ہوئے کے سینہ و دل میں کیسی کچھ عداوت و دشمنی کے جذبات پرورش پا رہے ہیں۔

اب آیتِ شریفہ کا آخری ٹکڑا ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

ہم نے تمہارے لئے (انکی دشمنی و عداوت کی) نشانیاں بتادی ہیں اگر تم کو عقل ہو تو سمجھ لو

اس فقرہ پر غور کیجئے تو ہمیں اللہ تعالےٰ کے اس انعام کا کچھ اندازہ ہو جائے کہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں اہلِ ایمان کو، کافروں کو اپنا رازدار بنانے سے منع فرما کر ان کے ساتھ کیسا زبردست احسان فرمایا ہے کہ صرف اس غرض کیلئے کہ ہم ان "اغیار" مشرکین و کفار کے ضرر و شر سے محفوظ رہ سکیں ہمیں یہ ضروری ہدایت بھی فرمادی کہ ان کے شر سے بچنے کیلئے یہ اہتمام رکھو کہ ان میں سے کسی بھی کافر و مشرک کو اپنا دلی دوست اور رازدار ہرگز نہ بنانا۔

اس طرح جہاں ہم ان کے شر و فساد سے محفوظ رہ سکیں گے وہیں ہم کو اپنے دین پر ثابت قدم رہنے اور ہدایت و کرامت سے بہرہ یاب ہونیکے مواقع بھی حاصل رہیں گے۔

اسی بات کو صاف کرنے کیلئے اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا "قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ" کہ ہم نے انکی دشمنی کی ساری نشانیاں بیان کردی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو تو سمجھ لو۔"

یہ ہدایت ایسی ہے جسے اہلِ اسلام کے ہر ذمہ دار کو ہر جگہ سمجھ لینا اور اسے ملحوظ رکھنا چاہئے کہ یہ اپنی حفاظت کیلئے نہایت درجہ کارآمد مفید ہدایت ہے، اگر مسلمان حکومتیں اسے ملحوظ رکھیں تو انکی قوت و طاقت اور انکی حکومت کا حلقہ اضافہ پذیر ہو سکتا ہے۔

آیتِ شریفہ میں جو ہدایت کی گئی اس کی مزید وضاحت اور اس کا ثبوت اس روایت سے بھی ہوتا ہے جو امام بخاریؒ نے حقیقتاً اپنی صحیح میں بیان کی ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالےٰ جب کسی کو نبوت عطا فرماتے ہیں یا اس نبی کا کسی کو خلیفہ بنایا جاتا ہے تو اس کے لئے دو رازدار ہوتے ہیں۔ ایک بھلائی کا حکم کرتا اور اس کے لئے آمادہ کرتا ہے، دوسرا برائی کا حکم دیتا اور اس کے لئے آمادہ کرتا ہے، محفوظ وہی رہتا ہے جس کی اللہ تعالےٰ حفاظت فرماتے ہیں۔

اس بناء پر اہلِ اسلام کے ہر ذمہ دار اور حاکم وقت کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس بات سے باخبر رہے اور برے رازدار (بطانہ) سے ہوشیار اور چوکنا رہا کرے اس کے مشورے اور تجویز میں قبول کرنے سے بچتا رہے اور صالح بطانہ نیک رازدار مشیر کار جو مشورے دیں انھیں قبول کر کے ان پر عمل پیرا ہو اور ان کے نیک مشورں

پر ان کا شکر گزار ہو، ایسے لوگوں کو اپنے قریب رکھے۔

چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے متعلق روایت میں آتا ہے کہ ان کے خاص لوگوں میں سے کسی نے ان سے کہا "حیرہ" کے عیسائیوں میں وہ فلاں شخص بڑا منشی ہے جو صاحب قلم بھی ہے اور نہایت خوش خط بھی ہے تو کیوں نہ آپ اسے اپنا میر منشی بنالیں وہ آپکی طرف سے خطوط لکھدیا کرے گا۔ تو آپنے بے تامل صاف صاف فرمادیا کہ میں اہل ایمان کو چھوڑ کر کسی کافر کو اپنا بطانہ و رازدار نہ بناؤں گا۔

اسی طرح ایک دوسرا واقعہ بھی مروی ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک عیسائی ماہر حساب (اکاؤنٹنٹ) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے انھیں جھڑک دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے جنھیں ہم سے دور کردیا ہے انھیں ادنیٰ قریب نہ کرو، جنھیں اللہ تعالےٰ نے ذلیل کردیا ہے تم ان کی عزت افزائی نہ کرو جو خدا اور خدا کے دین سے خوف زدہ ہو چکے ہیں انھیں بے خوف اور بے باک نہ کرو۔

اب اہلِ ایمان خود ہی بتائیں کہ ان ہدایات و روایات کے بعد بھی کیا کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ اہلِ اسلام غیروں کو اپنا بطانہ و رازدار بنائیں جو ان کے پوشیدہ رازوں سے پوری طرح باخبر ہوں۔ مگر اس کے یہ معنیٰ بھی نہیں ہیں کہ ہم اپنی عام ضرورتوں کیلئے بھی غیر مسلموں کو ملازم نہ رکھیں، اگر کہیں ایسی ضرورت ہو تو انھیں ملازم تو رکھا جاسکتا ہے مگر رازدار بنانے کی اجازت نہ ہوگی، کلیدی جگہوں پر انھیں ملازم نہ رکھا جائے گا۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

* * *

پندرہویں (۱۵) نداء

سُود کھانے کی ممانعت اور اللہ تعالیٰ
کا
تقویٰ اختیار کرنے کا حکم

سورۂ آل عمران (آیت نمبر ۱۳۰) اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ	اے ایمان والو! سود کو دو گنا چوگنا کر کے نہ کھایا کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو شاید تم کامیاب ہو جاؤ

تشریح و تفسیر

اللہ تعالےٰ مصنف و مترجم اور جملہ ناظرین کے علم میں ترقی دے اور ہم سب کو علم صحیح پر عملِ دائمی کی توفیق مرحمت فرمائے کیونکہ جس علم کے ساتھ عمل نہ ہو اس کی مثال اس درخت جیسی ہے جس میں پھل نہ ہو، اللہ تعالےٰ حضرت علیؓ سے راضی ہو انھوں نے بڑی عمدہ بات ارشاد فرمائی کہ "علم جہاں ہوتا ہے وہ آتے ہی عمل کو پکارتا ہے، اگر عمل جواب میں آجاتا ہے تو وہ علم وہاں ٹھہر جاتا ہے، اور اگر علم کی پکار کے جواب میں عمل نہ آیا تو پھر وہ علم بھی وہاں سے رخصت ہو جاتا ہے"

اب اس آیت کے تحت جس بات کا علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ سود کی شناعت و قباحت اور اس کی مضرت و حرمت کا پورا پورا اور صحیح علم حاصل کیا جائے اور اس سے مکمل پرہیز کیا جائے کیونکہ یہ ایسی بری لعنت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو عذابِ نار سے سود کے معاملہ میں ڈرایا ہے، کسی اور گناہ پر اتنا نہیں ڈرایا ہے۔ سود کے سلسلہ میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو
فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ
فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗٓ
اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ○

اللہ تعالےٰ نے خرید و فروخت کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام تو جس کے پاس اسکے پروردگار کیطرف سے نصیحت آگئی جس کے نتیجہ میں وہ رک گیا تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ اسی کا رہا اور معاملہ اس کا خدا کے حوالہ رہا اور جو شخص پھر عود کرے تو یہ لوگ جہنم میں جاوینگے وہ اس میں ہمیشہ رہینگے۔

اسی طرح اب اس پندرہویں ندا میں اللہ تعالےٰ کا یہ خطاب ملاحظہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے اہلِ ایمان بندوں کو سود خوری سے منع فرما رہے ہیں اور انھیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دے رہے ہیں ساتھ ہی انھیں یہ امید بھی دلا رہے ہیں کہ اگر تم ہمارے حکم پر عمل پیرا ہو جاؤ گے تو دوزخ سے نجات پا کر داخلِ جنت بھی ہو جاؤ گے جو تمہاری سب سے بڑی کامیابی ہو گی۔

آیتِ شریفہ میں اہلِ ایمان کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ "اے اہلِ ایمان سود کو دونا چوگنا کرکے نہ کھایا کرو" اس وقت کا دستور یہ تھا کہ ایک شخص کسی دوسرے آدمی سے کچھ مدت کیلئے مال قرض لیا کرتا اور جب ادائے قرض کا وقت آتا اور وہ ادائے قرض کیلئے کچھ مال نہ رکھتا ہوتا تو اپنے قرض خواہ سے کہتا کہ مدت ادا کچھ اور بڑھا دو ساتھ ہی اپنا سود بھی بڑھا لو تو قرض خواہ مدت میں مزید تاخیر منظور کرکے سود اور بڑھا دیتا۔ پھر جب ادائے قرض کی مقررہ مدت ختم ہو جاتی اور ادائیگی کے لئے روپئے اس کے پاس نہ ہوتے تو پھر اسی طرح ادائیگی کا وقت اور سود کی مقدار پھر بڑھا دی جاتی، یہ صورت اسی طرح چلتی رہتی یہاں تک کہ سَو درہم کا قرض سیکڑوں درہم ہو جاتا۔ یہ صورت تو اس ربٰو کی ہوتی جسے ربٰو النسیۃ (ادھار کا سود) کہا جاتا ہے جو اسی طرح دوگنا اور چوگنا ہوتا جاتا ہے۔

دوسری صورت ربٰو الفضل کی ہے وہ یہ کہ دو ہم جنس چیزوں کی خرید و فروخت ہو اور ایک طرف سے وہ چیز کم ہو اور دوسری طرف سے زیادہ ہو۔ مثلاً ایک ہزار درہم

کو ایک ہزار دس درہم کے عوض فروخت کرے یا ایک کنٹل گیہوں کے بدلے ڈیڑھ کنٹل گیہوں خریدے۔ جن چیزوں میں سود کی صورت پیدا ہوتی ہو ان میں سے کسی چیز میں کمی زیادتی کے ساتھ خرید و فروخت کرنا ناجائز و حرام ہے۔

سود والی چیزیں یہ ہیں:۔ سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور اور نمک۔ یا وہ چیزیں جنھیں ان کے حکم میں مانا گیا ہو جو کھائی جاتی ہوں اور جن کا ذخیرہ کیا جاتا ہو۔

اس قسم کی تمام ربوی (سودی) چیزیں ناپ تول ہی کے ساتھ بیچی جاتی ہیں انھیں ہم وزن اور ہم پیمانہ برابر سرابر ہی بیچنا اور خریدنا چاہئے۔

ہاں اگر انکی جنس علیحدہ علیحدہ ہوں تو پھر کمی بیشی کے ساتھ بھی خرید و فروخت ہو سکتی ہے مثلاً چاندی کو سونے کے بدلہ خریدا جائے یا گیہوں کو جو کے بدلہ خریدا جائے تو ایسی صورتوں میں کمی بیشی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر اتنی شرط ضرور ہے کہ یہ معاملہ ہاتھ در ہاتھ ہو ادھار نہ ہو ایک ہی مجلس میں لین دین دونوں ہو جائیں کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

اِذَا اخْتَلَفَ الْاَجْنَاسُ فَبِيْعُوْا
كَيْفَ شِئْتُمْ اِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ هَاوَهَا۔

جب جنسیں مختلف ہوں تو جس طرح چاہو بیچو اور خرید و جبکہ دست بدست ہو اس طرح کہ یہ لو یہ دو۔

اے اہلِ ایمان! آپکو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ آج کل کے بینکوں کا سود اس جاہلیت کے سود کے مقابلہ میں زیادہ ظلم اور زیادہ گناہ کا موجب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس آیت میں اور دوسری آیات میں حرام کیا ہے، کیونکہ بینک کا سود یہود کا ایجاد کردہ ہے جن کے دلوں میں مال کی محبت کے سوا کسی اور کیلئے محبت و شفقت کا مادہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے یہ لوگ صرف اپنی قوم ہی کے ساتھ کچھ رعایت کر سکتے ہیں۔ ان کے بینک اگر کسی شخص کو ایک مدت تک کیلئے ایک ہزار روپیہ قرض دیتے ہیں تو اسے اسی وقت ایک ہزار ایک سو (گیارہ سو) لکھ لیتے ہیں پھر ادائیگی اگر مؤخر ہو جاتی ہے تو اس کا سود بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ دوگنا چوگنا بلکہ اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔

ربا جاہلیت (جو سود عرب میں نزولِ قرآن کے وقت رائج تھا جس کی حرمت نازل ہوئی) وہ سود مدتِ مقررہ کے اندر نہیں بڑھتا تھا ہاں مقررہ وقت پر اگر قرض

ادا نہ ہو تو بڑھتا تھا۔ اس فرق سے یہ حقیقت ظاہر ہو گئی کہ موجودہ مہذب و متمدن لوگ سود کے معاملہ میں ان جاہلیت کے لوگوں سے زیادہ ظالم و بے رحم ہیں۔ اس لئے یہ سود ظلم و معصیت ہونے میں اس سے بڑھا ہوا ہے۔

اس موقع پر کسی صاحب کو یہ خیال نہ آنا چاہئے کہ قرآن مجید کی اس آیت میں تو سود در سود دوگنا چوگنا سود کھانے کو حرام بتایا گیا ہے جس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر دوگنا چوگنا نہ ہو تو سود میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے تو سمجھ لیجئے کہ یہ خیال بالکل بے بنیاد اور غلط ہے اسے دل سے نکال دینا چاہئے ایسا ہرگز نہیں ہے، آیت نے یہاں جو کچھ بھی ممانعت کی ہے وہ تو اس وقت کی رائج صورت کے پیشِ نظر کی ہے، سود کی حرمت کا حکم آجانے کے بعد مطلق سود حرام قرار پاگیا چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ ہو۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہمارے مذکورہ بالا بیان کا مزید ثبوت فراہم کرتا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں "سود کا ایک درہم بھی اگر کوئی شخص جانتے بوجھتے ہوئے کھالیتا ہے تو اس کا گناہ چھتیس بار کے زنا سے بڑھ کر ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں فرماتے ہیں کہ "سود کے تہتر دروازے ہیں معمولی دروازہ یہ ہے کہ اس کا گناہ یا اس کی برائی اتنی ہے جیسے کوئی شخص "ماں" کے ساتھ حرام کاری کرے، سب سے بڑا سود مسلمان کو بے آبرو کرنے کے برابر ہے۔"

لہٰذا ہر صاحب ایمان کو چاہئے کہ وہ سود سے پرہیز کرے اور اس سے دور رہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد رکھے تو اسے سود سے بچنے میں مدد ملے گی۔

آپؐ نے فرمایا: "سات ہلاک کردینے والی چیزوں سے بچو! دریافت کیا گیا کہ وہ سات چیزیں کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا" خدا تعالےٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی کو قتل کرنا، سود کھانا، مالِ یتیم کھانا، کافروں سے اسلامی جنگ کے وقت میدانِ جنگ سے بھاگ جانا، پاکیزہ عورتوں پر تہمت لگانا۔

اب سود کے حرام ہونے کی وجہ بھی سمجھ لیں، ان وجوہ سے سود حرام کیا گیا ہے۔

(۱) مسلمان کے مال کی حفاظت مقصود ہے کہ ناجائز طور پر کوئی نہ کھلئے۔

(۲) مسلمان کو متوجہ کرنا مقصود ہے کہ وہ باعزت ذریعۂ معاش اختیار کرکے اپنا مال بڑھائے۔

جس میں دھوکہ، فریب نہ ہو مثلاً زراعت، صنعت و حرفت اور تجارت کے ذریعہ۔

(۳) ان راستوں کو بند کرنا مقصود ہے جس سے مسلمانوں میں باہم عداوت و دشمنی پیدا ہوتی ہو۔

(۴) مسلمانوں کیلئے فلاحی کاموں اور امورِ خیر کی صورتیں نکالنا مقصود ہے کہ مسلمان اپنی آخرت کیلئے کچھ کام کریں، کسی مالی منفعت کے بغیر مسلمان بھائی کو قرض دیدیا کریں اس قرض لینے والے کا کام بنے اور قرض دینے والے کی آخرت بنے اور پھر مزید مہلت دیکر اور ثواب حاصل کریں اور یہ سب صرف اللہ تعالےٰ کی خوشنودی و رضامندی کی نیت سے ہو۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ مسلمانوں میں باہم میل جول بڑھے گا اور اخوت و محبت کی روح کو قوت و طاقت ملے گی۔

ہماری ان گذارشات کو یاد رکھنے اور انھیں دوسروں تک پہنچانے کی ضرورت ہے آخر میں یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ اللہ تعالےٰ نے سود کی ممانعت فرمانے کے بعد تقویٰ اختیار کرنے کا حکم کیوں دیا ہے اور کس مقصد سے یہ ارشاد فرمایا ہے "وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ"

اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ سود کھانے پر اصرار کرنا آخرت میں برے انجام کا سبب ہے، سود سے عاقبت خراب ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے نفوس کو سود کے اس برے انجام سے ڈرا رہے ہیں، اللہ تعالےٰ اپنے ایمان والے بندوں پر بیحد مہربان و شفیق ہیں اسلئے اس نے کسی اہلِ ایمان کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دی ہے کہ وہ ناحق طور پر دوسرے مسلمان بھائی کا مال کھلئے اور تقویٰ کی تو حقیقت ہی یہ ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کے جملہ احکام کا پابند ہو جن باتوں کا حکم دیا گیا ہو ان پر عمل پیرا ہو اور جن باتوں سے روکا گیا ہو ان سے باز رہے۔ ایسا شخص سود کا مال کبھی نہ کھلئے گا کیونکہ وہ اپنے تقویٰ شعاری کیوجہ سے آخرت کی نجات و کامیابی کا امیدوار ہے، اس نجات کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوزخ سے نجات پاکر جنت کے داخلہ کا اور اس کی نعمتوں کا مستحق ٹھہرے گا۔

اللہ تعالےٰ ہمیں بھی توفیق دیں کہ ہم اس کی اطاعت گذاری کریں، ہم تقویٰ کی زندگی اپناکر آخرت میں فائز و کامیاب ہوں۔ آمین

سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(۱۶)
سولھویں ندا

کافروں کا کہنا ماننا حرام ہے
جس کا انجام صرف ہلاکت ہے،

سورۂ آل عمران (آیت ۱۴۹-۱۵۰) اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَرُدُّوْکُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ بَلِ اللّٰہُ مَوْلٰکُمْ وَھُوَ خَیْرُ النّٰصِرِیْنَ	اے ایمان والو اگر تم کہنا مانوگے کافروں کا تو وہ تم کو اُلٹا پھینکدیں گے پھر تم ناکام ہو جاؤ گے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا دوست ہے اور وہ سب سے بہتر مدد کرنیوالا ہے۔

تشریح و تفسیر

اللہ تعالیٰ کی یہ ندا اس کے مومن بندوں کیلئے ایک طرح کی تحذیر (خطرہ سے آگاہی) ہے، اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو متنبہ و آگاہ فرما رہے ہیں کہ کہیں یہ لوگ ایمان کے بعد کفر اور ہدایت کے بعد گمراہی اور حیاتِ حقیقی کے بعد موت سے دوچار نہ ہو جائیں۔

آیتِ شریفہ کا پسِ منظر یہ ہے کہ جنگ احد کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ جنگ میں جب مسلمانوں کی صف بندی فرمائی تو پہاڑ کی ایک گھاٹی پر جدھر سے یہ اندیشہ تھا کہ کفار کہیں پلٹ کر اس طرف سے حملہ نہ کر دیں آپ نے چالیسؓ صحابہ کو تعین فرمایا کہ تم لوگ کسی بھی صورت میں یہاں سے نہ ہٹنا۔

جنگ شروع ہونے پر اولاً مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور کفار کے قدم اکھڑ گئے وہ لوگ بھاگنے لگے، ادھر مسلمان مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں لگ گئے، جو لوگ پہاڑ پر مقرر تھے انھوں نے سمجھا کہ لڑائی پوری طرح ختم ہو گئی ہے اور اب مزید

رکنے کی ضرورت نہیں رہی تو ان لوگوں نے بھی وہ مورچہ چھوڑ دیا اور مالِ غنیمت جمع کرنے میں وہ بھی لگ گئے حالانکہ ان کے سردار نے انھیں روکا بھی مگر وہ نہ رکے، حضرت خالدؓ جو اس وقت تک کافر ہی تھے، انھوں نے جب دیکھا کہ پہاڑی مورچہ خالی ہے تو اپنی فوج لیکر اسی طرف سے پھر پلٹ آئے، ادھر مسلمان اس صورت حال سے بالکل غافل تھے اچانک حملہ کو برداشت نہ کر سکے اور جیتی ہوئی جنگ ہار گئے۔

پہاڑ پر جو لوگ متعین تھے انھوں نے جان بوجھ کر نافرمانی نہیں کی تھی، نہ ہی انھوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو معمولی و سرسری جان کر نظرانداز کیا تھا بات صرف غلط فہمی ہی کی تھی انھوں نے جب کفار کو بھاگتے اور اہلِ اسلام کو غنیمت جمع کرتے دیکھا تو سمجھ بیٹھے کہ لڑائی جیت لی گئی، وہ یہ بات نہ سمجھ سکے کہ مورچہ پر سے ہم لوگ ہٹ جائینگے تو دشمن ادھر سے پھر پلٹ سکتا ہے۔

آخر وہی ہوا اور کفار دوبارہ پلٹ آئے اور سخت معرکہ ہوا جسے مسلمان برداشت نہ کر سکے اور میدانِ جنگ سے نکل کھڑے ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور جاں نثار صحابہ ہی میدانِ جنگ میں باقی رہ گئے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے، خون جاری ہو گیا، آپ لوگوں کو آواز دے رہے تھے اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ، اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے:

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ اُخْرٰکُمْ فَاَثَابَکُمْ غَمًّا بِغَمٍّ	وہ وقت یاد کرو جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے اور رسول تمہارے پیچھے کی جانب سے تم کو پکار رہے تھے، سو خدا تعالیٰ نے تم کو پاداش میں غم دیا بسبب غم دینے کے۔

یہ دو غم جو اس آیت میں بیان فرمائے گئے ہیں یہ کون سے غم تھے؟ یہ غم تھے کہ جیتی ہوئی جنگ ہار گئے نہ فتح نصیب ہوئی نہ غنیمت حاصل ہوئی، کتنے ہی صحابہ شہید ہوئے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے چار دانت شہید ہو گئے آپکو بھی زخم آئے۔

ان حالات میں منافقین کا نفاق سامنے آگیا وہ طرح طرح کی باتیں کرنے لگے، کوئی کہنے لگا کہ اب پرانے دین کفر و بت پرستی اور اپنے کافر بھائیوں کیطرف لوٹ جانا چاہئے

کیونکہ یہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر نبی ہوتے تو خود انھیں کے چچا (حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شہید نہ ہوتے اور بہت سے صحابہ بھی یوں شہید نہ ہوتے اور یہ خود بھی زخمی ہو گئے، سامنے کے دانت ٹوٹ گئے۔

کسی نے کہا کہ ابوسفیان کے ہو رہو ان سے اور ان کے ساتھیوں سے امان طلب کر لو، اسی قسم کی باتیں جن سے کفر کیطرف لوٹنے میں دلچسپی ظاہر ہو رہی تھی وہ منافقین کرنے لگے تھے اور نعوذ باللہ کفر کیطرف واپسی کا مشورہ سب کو دے رہے تھے۔

ایسے وقت میں اللہ تعالےٰ نے یہ آیتِ مذکورہ بالا نازل فرمائی اور اہلِ ایمان کو ہدایت فرمائی کہ دیکھو! ان کافروں سے ہوشیار اور چوکنا رہنا، انکی باتوں میں نہ آنا اگر کہیں تم انکی باتوں میں آ گئے اور ان کا کہنا مان لیا تو یہ لوگ تمہیں پھر کافر بنا دیں گے اور تم بڑے نقصان میں پڑ جاؤ گے تمکو تو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ تمہارا والی و مولیٰ تو اللہ ہے اور وہی سب سے بہتر مددگار ہے۔

اس آیتِ شریفہ اور ہدایتِ ربانی سے اتنی باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) پہلی بات تو یہ کہ جنگِ احد کے خاتمہ پر جن لوگوں نے کفرِ سابق کیطرف اور اپنے پرانے ساتھی کافروں کیطرف واپس لوٹنے کا ارادہ کیا تھا وہ سب کے سب منافق تھے جو دل سے مسلمان کبھی بھی نہ ہوئے تھے، دل میں کفر پہلے بھی رکھتے تھے ظاہر میں مسلمان بنے ہوئے تھے اب جو ذرا سا موقع ملا تو دل کا وہ چور زبان پر آ گیا اور اب انھوں نے یہ خیال کیا کہ اس وقت موقع ہے کہ ان سچے مسلمانوں کو بھی اپنے پرانے دین کفر و بُت پرستی کیطرف واپس بلا لیا جائے اسلئے انھوں نے ان کے سامنے بھی ایسی باتیں شروع کر دیں۔

(۲) دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی کافر کے کہے میں آ جانا اور اس کی رائے و مشورہ پر عمل کرنا درست نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ایسا شخص جو انکی بات مانے گا وہ پھر لازمی طور پر بالکل ہی کفر میں مبتلا ہو جائے گا اور بڑے ہی نقصان اور خسارہ میں پڑ جائے گا۔

اور یہ بات صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں تھی بلکہ ہر زمانے میں کافروں کی بات ماننے کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ اس طرح دھیرے دھیرے

مسلمان کفر کے قریب ہوتا چلا جائیگا اور آخر کار بالکل ہی کافر ہو جائے گا کیونکہ کافر ایسی ہی باتوں کا مشورہ دے گا جس پر وہ خود چل رہا ہے۔ جو کفر و شر اور جو گمراہی و فساد وہ اختیار کئے ہوئے ہے اسی کا مشورہ دوسروں کو بھی دے گا۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ طاعت و فرمانبرداری جو اہل ایمان پر واجب کی گئی ہے جس پر اہلِ ایمان کی نجات و فلاح موقوف ہے وہ طاعت تو وہی ہے جو اللہ و رسول کے احکام سے متعلق ہو، اللہ و رسول نے تو صرف اپنی اطاعت اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے، کافروں اور منافقوں کی اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے بلکہ انکی اطاعت کی ممانعت فرمائی ہے۔ لہٰذا اہلِ ایمان کو مدد تو صرف اللہ تعالےٰ سے حاصل کرنی چاہئے جو قوی و قادر بھی ہے اور عزیز و علیم اور خبیر و حکیم ہے۔ کسی اپنے اور رسولِ خدا کے دشمن سے مدد چاہنا اسکی پناہ مانگنا اہلِ ایمان کا شیوہ نہیں ہے۔ مناسب ہو گا کہ ایک بار پھر آیتِ مذکورہ کے الفاظ پر نظر ڈال لی جائے۔

آج بھی ضرورت یہی ہے کہ اللہ کے بندے اللہ پر ایمان و یقین رکھیں اور اس کا تقویٰ اختیار کریں اس کے سچے اور حقیقی بندے اور غلام ہو جائیں کیوں کہ ان کا واقعی مولا وہی ہے۔

آج اہل ایمان کو اگر کوئی خوف و سراسیمگی ہے یا انھیں پریشانی و مصیبت، ذلت و شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے تو اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی اور رسول اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ چھوڑ دیا ہے اِنھیں کافروں کے افکار و خیالات اور انھیں کے طور طریقوں کو اپنا لیا ہے۔

ہمیں اپنی اس روش کو بدلنے کی ضرورت ہے اس کے بعد اللہ تعالےٰ سے مدد و نصرت چاہی جائے وہ ضرور مدد کرے گا اہلِ ایمان کو ذلیل نہ ہونے دے گا کیونکہ وہی در حقیقت ان کا والی و مولا ہے۔

لہٰذا ہر مسلمان مرد و عورت کو یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے اور زندگی کے ہر معاملہ میں خدا اور رسول ہی کی اطاعت کرنی چاہئے اور اہلِ کفر و شرک اور اہل نفاق کی باتوں میں آنے سے مکمل پرہیز ہونا چاہئے یہ اہلِ کفر چاہے عربی ہوں یا عجمی ہوں قابلِ اطاعت نہیں ہیں۔

اپنی پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد و نصرت کے طالب ہوں اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرینگے اور اہلِ ایمان کی مدد کرینگے اس کا وعدہ ہے۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۔

اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا (پھر تم بہک نہ سکوگے)

اصل ضرورت اسی بات کی ہے کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کیطرف صدقِ دل سے متوجہ ہوں اور اس کے وعدہ پر اطمینان اور بھروسہ رکھیں، اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوکر رہتا ہے۔

سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سترہویں (۱۷) نداء

کُفّار و مُنافقین کے عقائد و مُعاشرت میں ان سے مشابہت اختیار کرنا حرام ہے

سورۃ آل عمران (آیت ۱۵۶) اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا
كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ
اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا
غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا
وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً
فِىْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کیطرح نہ ہو جو کافر ہوئے اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جبکہ وہ سفر میں نکلے یا جہاد کیلئے نکلے، اگر وہ لوگ ہمارے پاس رہے ہوتے تو نہ مرتے نہ قتل ہوتے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو انکے دل کی حسرت بنادیں حالانکہ اللہ ہی زندہ رکھتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے دیکھنے والا ہے۔

تشریح و تفسیر

یہ بات آپکو برابر یاد دلائی جارہی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ ایمان ہی کیوجہ سے اہلِ ایمان کا دوست ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات اور روزِ قیامت اس کی لِقاء پر ایمان رکھتے ہیں، اس کا تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اس کے احکام پر عمل اور اس کی ممنوعات سے پرہیز کرتے ہیں تو یہ محض اللہ کی رحمت ہے کہ وہ اپنے اہلِ ایمان بندوں کیلئے اس بات کو پسند نہیں کرتا ہے کہ وہ اس کے دشمنوں اور خود اپنے دشمنوں (کافرین و مشرکین اور منافقین) کی مشابہت اختیار کریں۔ اسی مقصد سے اس نے یہاں اہلِ ایمان کو ایمان ہی کے عنوان سے

مخاطب کیا ہے اور انھیں اس بات سے روکا ہے کہ وہ کافروں، مشرکوں کی مشابہت اختیار کریں۔ وہ فرماتا ہے: "اے ایمان والو! ان لوگوں کیطرح نہ بنو جنھوں نے کفر اختیار کیا، کیونکہ کفر سب سے زیادہ قبیح اور سب سے زیادہ بڑا گناہ ہے اسلئے تم کفر و نفاق میں ان لوگوں کی مشابہت نہ اختیار کرنا، اسی کفر ہی سے ظلم و فساد اور دوسری بہت سی برائیاں پیدا ہوتی ہیں، انھیں برائیوں میں سے ان کافروں کا اپنے بھائیوں سے یہ کہنا بھی ہے جبکہ وہ کسی دنیاوی سفر میں نکلے ہوں اور پھر انھیں سفر میں کوئی حادثہ خوف و مرض وغیرہ کا پیش آگیا ہو اور وہ اسی میں مر گئے ہوں یا وہ جہاد و غزوہ کیلئے نکلے ہوں اور قتل ہو گئے ہوں (یہاں پر یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کافر جن بھائیوں کے متعلق یہ بات کہہ رہے ہیں یہ لوگ دینی و مذہبی لحاظ سے یقیناً انھیں کے بھائی تھے کہ دل سے یہ لوگ بھی کافر ہی تھے، صرف ظاہری طور پر از راہِ نفاق مسلمان بنے ہوئے تھے) ایسے ہی منافقوں کے بارے میں وہ کافر لوگ اپنی مجلسوں میں حسرت و افسوس کے ساتھ یہ کہتے تھے کہ اگر یہ لوگ سفر و جہاد میں نہ گئے ہوتے ہمارے ہی پاس رہے ہوتے تو یہ لوگ اس طرح نہ مرے ہوتے نہ مارے گئے ہوتے۔

ان کی اس قسم کی باتوں کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق یہی ہوگا کہ ان کے دلوں میں حسرت و افسوس، رنج و غم جاگزیں ہو جائیگا اسکے سوا اور کچھ ان کے ہاتھ نہ آئیگا بس وہ اپنے ان بھائیوں کے وطن سے باہر جانے پر حسرت و افسوس ہی کرتے رہیں گے۔ اسی بات کو اللہ تعالےٰ نے "لِیَجْعَلَ اللّٰہُ ذٰلِکَ حَسْرَۃً فِیْ قُلُوْبِھِمْ" کے جملہ میں ظاہر فرمایا ہے۔ اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ نے اسی بات سے منع فرمایا ہے کہ اگر ایسی کوئی صورت پیش آجایا کرے تو تم لوگ ان کافروں جیسی باتیں نہ کیا کرو اور کبھی یہ بات دل میں تم لوگ نہ لانا کہ اگر ہم لوگ جہاد میں نہ گئے ہوتے تو شہید نہ ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کافرین و منافقین کے ساتھ کسی بھی معاملہ میں مشابہت اختیار کرنے سے روکا ہے یہانتک کہ دلوں میں اس قسم کے جو خیالات پیدا ہوتے ہیں انھیں بھی زبان پر لانے سے روکا ہے کیونکہ ایسی باتوں سے صرف حسرت ہی حسرت ہاتھ آتی ہے، حیات و موت تو اللہ تعالےٰ کے قبضہ میں ہے جب موت کا وقت آجاتے موت آکر رہے گی چاہے تم اپنے گھر میں بیوی بچوں کے پاس رہو چاہے میدانِ جنگ میں

اللہ کی راہ میں جان دو۔

چونکہ اللہ تعالےٰ کو اہل ایمان سے محبت و تعلق ہے اس لئے وہ نہیں چاہتے کہ انکے خاص بندے اس قسم کی حسرت میں مبتلا ہوں جس سے گھٹن کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔ اور اسی وجہ سے ان کافرین کا طریقہ اختیار کرنے اور ان لوگوں جیسی بات زبان پر لانے سے منع فرمادیا ہے۔ اور اگلے فقرے میں یہ ارشاد فرماکر "وَاللّٰہُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ" (اللہ ہی زندہ رکھتا ہے اور وہی مارتا ہے) اہلِ ایمان کو تسلی آمیز تعلیم بھی دیدی کہ حیات و موت اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ ہے، آخر ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ گھر سے باہر نکلا ہوا مسافر حادثات سے محفوظ رہکر زندہ رہ جاتا ہے اور جو شخص گھر پر اپنے بال بچوں کے بیچ تھا وہ موت کا شکار ہو جاتا ہے (جیسا کہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ مروی ہے انھوں نے اپنے گھر میں بسترِ موت پر لیٹے ہوئے حسرت کے ساتھ فرمایا کہ میرے جسم میں ایک بالشت بھر بھی جگہ باقی نہ ہوگی جہاں تلوار یا نیزہ کی ضرب میرے جسم پر نہ لگی ہو لیکن افسوس کہ میں بستر موت پر اسطرح مر رہا ہوں جسطرح اونٹ (یا کوئی جانور) مرتا ہو خدا کرے بزدل آنکھ کو کبھی نیند نہ آئے)

زندگی و موت تو اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار میں ہے اس کے لئے ان کافروں جیسی باتیں تو صرف حسرت کا سبب بنیں گی لہٰذا اہلِ ایمان کو ایسی باتوں سے بھی پرہیز کرنا چاہئے اور کافروں کی ہر بات میں مشابہت اختیار کرنے سے بچنا چاہئے یہانتک کہ ہمارا اندازِ فکر بھی ان کے اندازِ فکر سے علیحدہ ہونا چاہئے تاکہ ہر معاملہ میں مسلم و کافر کا فرق نمایاں رہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس ہدایت آموز ندا۔ کو اس فقرہ پر ختم فرمایا ہے "وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ" یعنی تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالےٰ اسے دیکھ رہا ہے۔" یہ اسی بات کی تاکید کیلئے ہے کہ ہم تم کو ان کافرین و مشرکین کا طور طریقہ اختیار کرنے اور ان جیسے بننے کی ممانعت کر رہے ہیں تم اس بات کو بھی ذہن نشین رکھو کہ ہم تمہارے تمام کاموں کو دیکھتے بھی رہتے ہیں تمہارا کوئی کام ہم سے پوشیدہ نہ رہ سکے گا۔

لہٰذا اہلِ ایمان کو یہ ہدایت اچھی طرح جان لینی چاہئے اور ان دشمنانِ دین اور دشمنانِ خدا و رسول کی مشابہت سے بچنا چاہئے ورنہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر بھی آجائیگا جس طرح دوسروں پر آیا ہے۔

اس موقع پر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث شریف بھی یاد رکھنی چاہئے کہ "جو شخص (جو مسلمان) کسی دوسرے مذہب والوں کی نقل و مشابہت اختیار کرے گا وہ انھیں میں شمار ہوگا"۔ لہٰذا جو شخص دیندار اور نیک لوگوں کی مشابہت اختیار کرے گا وہ نیک شمار ہوگا اور جو برے لوگوں کی مشابہت اختیار کرے گا وہ برا ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کا طریقہ اس معاملہ میں یہی ہے کہ جو شخص کسی چیز کیلئے رغبت و خواہش رکھے اور اسی کیلئے کوشش اور طلب کا اظہار کرے تو اسے وہ چیز مل ہی جاتی ہے اور کسی کے ساتھ تشبیہ و مشابہت اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شخص اس میں رغبت و دلچسپی رکھتا ہے تو یہاں بھی اندیشہ یہی ہے کہ کافروں کے طور طریقے میں رغبت و دلچسپی دیکھ کر اسے ویسا ہی کر دیا جائے اور اس طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صادق آجائے کہ "جو کسی قوم کی نقل کرے وہ انھیں میں سے ہے"۔

آیت کے اخیر میں اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد "وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ" کہ اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے" کو ہمیں ہر وقت ملحوظ رکھنا چاہئے اور کفار کے تشبہ سے مکمل پرہیز کرنا چاہئے۔

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اٹھارہویں (۱۸) ندا

فلاح کی امید پر صبر و مصابرہ اور رباط و تقویٰ کے احکام

سورۂ آل عمران (آیت ۲۰۰) (آخری آیت)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

اے ایمان والو! خود صبر کرو اور (مقابلۂ کفار میں) صبر و برداشت سے کام لو اور مقابلہ (مقاتلہ کیلئے) چوکس تیار رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو امید کہ کامیاب ہو جاؤ۔

تشریح و تفسیر

یہ نکتۂ خاص جو "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے خطاب و ندا میں پوشیدہ ہے آپ کو متعدد بار اس نکتہ کیطرف متوجہ کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خطاب و ندا میں یہ عنوان یہ نکتہ رکھتا ہے کہ چونکہ اہل ایمان ہی ایسے ہیں جنھیں ان کے اللہ کی ذات اور روزِ قیامت اس سے ملاقات پر ایمان رکھنے کی بدولت زندہ کہا جا سکتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انھیں اسی عنوان سے خطاب فرمایا ہے کیونکہ ایک زندہ شخص ہی یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ جب اسے پکارا جائے گا تو وہ سنے گا، اس کو کسی بات کا حکم دیا جائے گا تو اسے بجالائے گا، کسی بات سے روکا جائے گا تو رک جائے گا، اس پر انعام ہوگا تو شکر ادا کرے گا کوئی رنج اور تکلیف پہونچے گی تو صبر کرے گا۔ کافر کو یہ اندازِ زندگی کہاں نصیب ہے کیونکہ وہ تو سرے سے خدا و رسول ہی کا منکر ہے۔

اس تمہید کے بعد اب یہ بات قابلِ ملاحظہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو اس آیت میں کن باتوں کی ہدایت کیلئے ندا، دی ہے وہ چار باتیں ہیں جن کے لئے اس جگہ اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا ہے:

(۱) صبر (۲) مصابرہ (۳) رباط (۴) تقویٰ

اب ان امور کی تفصیل علیحدہ علیحدہ ملاحظہ ہو۔

"صبر" کا لفظ دین و شریعت کی اصطلاح میں اس معنیٰ میں بولا جاتا ہے کہ "جو بات نفس کو ناگوار ہو اس ناگوار بات پر نفس کو جمائے رکھنا" اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

ایک صورت تو صبر علی الطاعات ہے کہ اللہ و رسول اور اولی الامر (حاکم شرعی) کی فرماں برداری پر اپنے نفس کو جمائے رکھنا، انکی اطاعت کی پابندی کرنا۔

دوسری صورت صبر عن المعاصی ہے۔ یعنی اپنے نفس کو ایسی لذیذ و مرغوب چیزوں سے باز رکھنا جن کے ارتکاب میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت ہوتی ہو یہ باتیں چاہے کلام اور گفتگو ہو یا افعال و اعمال ہوں جو کچھ حرام و معصیت ہو اس سے نفس کو روکے رکھنا۔

تیسری صورت صبر علی البلاء ہے۔ اردو میں یہ لفظ عام طور پر اسی تیسری صورت کے لئے بولا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے جو بلاء و مصیبت پیش آئے چاہے اسکا سبب گناہوں کی معافی ہو یا درجات بلند کرنے کیلئے مصیبت و بلاء کا نزول ہو انسان اسے برداشت کرے اور اللہ تعالےٰ کے فیصلہ پر راضی رہے جس کی پہچان یہ ہے کہ اس پر جزع فزع آہ و واویلا یا اللہ تعالےٰ کا شکوہ و شکایت نہ کرے بلکہ اللہ تعالےٰ کے فیصلہ پر راضی رہتے ہوئے اس کا شکر ادا کرے۔

۲ —— آیت میں دوسری ہدایت مصابرہ کی ہے۔ یہ مصابرہ بھی صبر ہی کی ایک خاص شکل ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دشمن یعنی اہلِ کفر سے مقابلہ و مقاتلہ کے وقت میدان جہاد میں ثابت قدم رہا جائے اور چونکہ اس کا موقع دشمن کے سامنے آتا ہے لہٰذا یہ صبر کے مقابلہ میں بڑھا ہوا ہے کیونکہ یہ دشمن صابر کے مقابلہ میں ہوتا ہے ادھر دشمن بھی صابر ہے، ادھر اہلِ ایمان بھی صابر ہیں ان میں سے جو بھی اس مقابلہ میں ثابت قدم نہ رہے گا وہ مات کھا جائے گا اور ہلاک ہو جائے گا اسی وجہ سے غلبہ

اور کامیابی اسی کے لئے ہے جو زیادہ دیر تک صبر کا مظاہرہ کرے۔

مصابرہ کی یہ حقیقت اور اس کا صحیح مفہوم وفر بن حارث کے اس شعر سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے جو اس نے اپنی شکست کی معذرت کرتے ہوئے کہا ہے ؎

ہم نے انھیں (اپنے مقابل کے لوگوں کو) موت کے پیالے پلائے اور انھوں نے ہم کو پلائے لیکن وہ لوگ موت کے سامنے زیادہ ثابت قدم رہے۔

۳ —— آیت میں تیسری ہدایت مرابطہ اور رباط کیلئے ہے، یہ مرابطہ و رباط دونوں ہی لفظ (باب مفاعلۃ کے) مصدر ہیں، شریعت کی اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے مسلمان خود، جنگی گھوڑے، جنگی سامان، اسلحہ کے ساتھ اسلامی سلطنت کی سرحدوں کی حفاظت کیلئے ان سرحدوں پر موجود رہیں جہاں سے اندیشہ ہو کہ کفار مسلمانوں کے شہروں پر حملہ کر دینگے، یہ سرحدیں عام طور پر سمندر کے ساحل یا مملکت کے دور دراز کے خالی مقامات پر ہوتی ہیں، اسی طرح ایسے ہی مقامات پر یہ سرحدیں دشمنوں کے علاقے میں بھی ہوتی ہیں جو اسلامی حکومتوں سے متصل ہوتی ہیں جس کی وجہ سے ایسے مقامات پر چوکسی ضروری ہوتی ہے۔ یہ رباط کا حکم فرض کفائی ہے اگر اسلامی حکومتوں میں کچھ مسلمان سرحدوں کی حفاظت کرتے رہیں تو بقیہ دوسرے لوگوں پر رباط کا حکم واجب نہ ہوگا کیونکہ یہ رباط بھی جہاد ہی کیطرح ہے۔ اس کام کیلئے امام جسے مقرر کردے گا وہی متعین ہو جائے گا۔

اسی رباط ہی سے متعلق اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد سورۂ انفال میں آیا ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ	اور تم لوگ تیاری رکھو جہانتک تم تیاری کر سکتے ہو (جنگی) قوت اور سرحد کی حفاظت کرنیوالی فوج جن کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوف زدہ رکھو۔

دینِ اسلام میں اس رباط کی بڑی فضیلت آئی ہے، بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن کی سرحدی حفاظت وچوکسی جو اللہ کے لئے ہو دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بڑھکر ہے۔ اور مسلم نے حضرت انسؓ سے یہ روایت نقل کیا ہے کہ ایک دن رات کی حفاظت ایک مہینہ کے روزے

اور نماز تہجد سے بہتر ہے اور یہ کہ اگر کوئی شخص سرحد کی حفاظت کے دوران انتقال کر جائے تو زندگی میں وہ سرحدی حفاظت کا جو کام کرتا تھا وہ موت کے بعد بھی اسکے نامۂ اعمال میں لکھا جاتے گا اور اس کے گھر والوں کے لئے رزق کے دروازے کھلے رہیں گے اور وہ عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔

یہ بات یہاں پر سمجھ لینی چاہئے کہ اسلامی فوج کو بھی تمام دینی احکام کی پابندی ضروری ہے وہ محض اس وجہ سے کہ وہ "دفاع" میں مشغول ہیں دینی احکام سے مستثنیٰ نہیں قرار پائیں گے۔ انھیں بھی چاہئے کہ وہ اپنی چھاؤنیوں اور بارکوں میں نماز کی پابندی کریں، کسی فرض و واجب کام کو ترک کرنے اور مکروہ و حرام کام کے ارتکاب کرنے کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہیں گے اور اس کے بعد وہ سرحدی حفاظت کی نیت سے رباط کا فریضہ انجام دیں گے تب ہی وہ اللہ تعالےٰ کے یہاں مرابط شمار ہوں گے اور ان انعامات کے مستحق ہوں گے جو اوپر کی حدیثوں میں بیان ہوئے ہیں۔

۴ —— آیتِ شریفہ میں چوتھی ہدایت تقویٰ سے متعلق ہے کہ اللہ تعالےٰ کے عقاب شدید اور عذابِ الیم سے دل میں خوف وخشیت پیدا ہو جائے جو بندے کو اللہ و رسول کے احکام کی پابندی پر آمادہ کرے اور بندہ ان باتوں پر عمل پیرا ہو جن کا حکم دیا گیا ہے اور ان باتوں سے پرہیز کرے جن سے روکا گیا ہے، رنج و خوشی ہر حال میں تقویٰ ملحوظ رہے کیونکہ یہی تقویٰ ہی وہ چیز ہے کہ اس تقویٰ اور ایمان کی بدولت بندہ کو خدا تعالیٰ کی ولایت و دوستی کا مقام حاصل ہوتا ہے اور اس ولایت کے بعد اس سے بڑھکر اعلیٰ اور اونچا مقام کوئی دوسرا کہاں ہے، اولیاء اللہ ہی وہ لوگ ہیں جنھیں نہ تو دنیا میں کوئی خوف وغم ہو گا نہ آخرت میں، انھیں دنیا میں بھی بشارت ملتی رہے گی اور آخرت میں بھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان ہدایتوں پر عمل کرنے والے کیلئے فلاح وکامیابی کا وعدہ فرمایا ہے وہ کامیابی یہی ہے کہ انسان کو دوزخ سے نجات حاصل ہو اور جنت میں داخلہ ہو جائے۔

ان چار امور کی پابندی پر کامیابی حاصل ہونے کا راز یہ ہے کہ ان پر عمل کرنے کی وجہ سے نفس کا تزکیہ وتطہیر ہو جاتی ہے، نفس گناہوں کی آلودگیوں سے پاک صاف

ہو جاتا ہے اور جب نفس کو طہارت حاصل ہو گئی تو وہ جنت میں داخلہ کی کامیابی کا حقدار ہو گیا اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پیشِ نظر رکھیں فرمایا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔	وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا اور وہ شخص محروم و نامراد رہا جس نے نفس کو آلودہ رکھا۔

اور کامیابی کی حقیقت سمجھنے کیلئے اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کو یاد کیجئے فرمایا ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝	ہر متنفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تمکو کاموں کا بدلہ قیامت کے روز دیا جائیگا تو جو شخص دوزخ کی آگ سے دور کر کے جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب ہو گیا اور یہ دنیاوی زندگی کچھ نہیں ہے صرف ایک دھوکہ کا سامان ہے۔

آخر میں یہ بات پھر یاد کر لی جائے اور اسے کسی حال میں فراموش نہ کیا جائے کہ "اللہ تعالےٰ اسی کا دوست ہے جو اس سے دوستی رکھے۔

وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُہٗ

* * *

(۱۹) انیسویں ندا،

عورتوں کو میراث سے محروم کرنیکی حرمت اور اس بات کی حرمت کہ انھیں روکے رکھو جبتک کہ ان سے مہر میں دی ہوئی رقم میں سے کچھ وصول نہ کرلو

⁂

سورۃ النساء (آیت ۱۹) اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْھًا وَ لَا تَعْضُلُوْھُنَّ لِتَذْھَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ وَ عَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّ یَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا۔

اے ایمان والو! یہ بات تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ عورتوں کے (جان و مال کے) زبردستی مالک ہو جاؤ اور انھیں اس لئے نہ روکے رہو کہ جو کچھ تم لوگوں نے انھیں دیا ہے اس کا کچھ حصہ ان سے وصول کرلو مگر یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح ناشائستہ حرکت کریں اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ رہا کرو اور اگر تم انھیں ناپسند کرتے ہو تو یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالےٰ اس میں بڑی بھلائی رکھدیں۔

تشریح وتفسیر

اس آیتِ شریفہ کا شانِ نزول یہ ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ اس وقت کفار کا معاشرہ یہ تھا کہ جب کوئی اپنی بیوی چھوڑ کر مر جاتا تو اس مرد کے

اولیاء واقرباء اس عورت کے حقدار ہو جاتے پھر ان میں سے اگر کوئی نکاح کرنا چاہتا تو خود نکاح کرلیتا، اور اگر چاہتا تو کسی دوسرے سے اسکا نکاح کردیتا۔ اور ایسا بھی ہوتا کہ خود نکاح کرتے نہ دوسرے کے ساتھ نکاح کرتے بلکہ یوں ہی اس کے حقدار و مالک بنے رہتے، عورت کے خاندان والوں کا کوئی حق نہ ہوتا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی " یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ (الآیۃ)

اللہ تعالےٰ نے اپنے مومن بندوں کو مخاطب فرمایا اور انھیں جاہلیت کے اس طرزِ معاشرت سے روکا ہے جو ان میں متعارف تھا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی چھوڑ کر مر جاتا تو وہ بیوہ اپنے بڑے بیٹے کی میراث بن کر اس کے حصہ میں آجاتی۔ اور یہ صورت اس بیوہ کو بہت ناگوار ہوتی تھی مگر معاشرہ سے مجبوری ہوتی پھر وہ لڑکا اگر چاہتا تو خود نکاح کرلیتا یا اس کا نکاح دوسرے کے ساتھ کر دیتا اور اس کا مہر اپنے لئے وصول کرلیتا، یا یہ کرتا کہ اسے یوں ہی روکے رہتا یہاں تک کہ اس کے باپ نے جو مہر اسے دیا تھا اس سے واپس لے لیتا تھا۔

اللہ تعالےٰ نے جاہلیت کا یہ ظالمانہ طریقۂ میراث اہلِ ایمان کیلئے حرام فرمادیا کہ "اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ بات جائز و حلال نہیں ہے کہ تم عورتوں کو زبردستی (اپنے باپ کی) میراث بنا کر ان کے مالک بن جاؤ"

اس حکم کے بعد یہ صورت ہوگئی کہ جب عورت کا شوہر مر جائے تو اس عورت کو شوہر کی میراث میں سے حصہ ملنے لگا، اگر اولاد والی ہے تو کل ترکہ کا آٹھواں حصہ، بے اولاد ہے تو کل ترکہ کا چوتھائی حصہ پانے کی حقدار ہوگئی اور اسے عدت ختم ہونے تک (یعنی چار مہینے دس دن تک) شوہر کے مکان میں رہنے کا بھی حق ہوگیا اس مدت میں وہ اپنی عدت وہیں پوری کرے گی، اس کے بعد جہاں چاہے چلی جائے۔

آیتِ شریفہ میں جہاں عورت کو میراث بنانے اور اسے میراث نہ دینے کی ممانعت کی گئی ہے وہیں اس بات سے بھی روکا گیا ہے کہ انھیں یوں ہی قید کر کے روکے رکھا جائے، اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ عورت کی بدصورتی یا بدخلقی کیوجہ سے اپنے پاس یوں ہی روکے رہتے اور پھر اسے تنگ کرتے اور تکلیف دیتے تاکہ وہ کچھ روپئے دے دلا کر خود ہی اپنا پیچھا چھڑا لے پھر یہ طلاق دیدے۔ اس صورت کیلئے فرمایا گیا کہ انھیں

محض اسلئے نہ روکے رہو کہ جو کچھ انھیں مہر دیا ہے اس کا کچھ ان سے تم واپس لے لو مگر ہاں اگر وہ واقعۃً کوئی ناشائستہ حرکت کر بیٹھیں یا زبان درازی کیا کریں تو ایسی صورت میں اس بات کی گنجائش ہے کہ انھیں ان باتوں کی سزا میں تکلیف دی جائے اور انھیں مال دیکر جان چھڑانے پر مجبور کیا جائے۔

اس حکم و ہدایت کے بعد اللہ تعالےٰ نے اہل ایمان کو ایک ایسی بات کی تعلیم دی ہے جس کے ذریعہ زوجین چین کی زندگی گذار سکتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ” ہر صاحبِ ایمان کو چاہیئے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ احسان اور حسن سلوک ہی کا معاملہ رکھے، کسی قسم کی بدسلوکی اور بداخلاقی کے ساتھ پیش نہ آئے، نہ زبانی بد اخلاقی ہو نہ برتاؤ و سلوک میں بداخلاقی ہو۔

اور اگر بالفرض کسی مومن کو اپنی بیوی سے ناگواری و کراہت محسوس ہوتی ہو تو اس صورتِ حال پر صبر کرے، جلدی سے طلاق نہ دیدے ممکن ہے اس صبر کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ کوئی خیر کی صورت نکال دیں اور بیوی کی موجودگی ہی میں بھلائی نکل آئے مثلاً اسی بیوی کے ذریعہ کوئی ایسی اولاد نصیب ہو جائے جو نافع ثابت ہو یا خود شوہر کے دل سے وہ کراہت اور ناگواری دور ہو جائے اور زوجین میں رشتۂ مودت و محبت قائم ہو جائے۔

یہی بات آیت کے آخری فقروں میں ارشاد فرمائی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد بالکل صحیح و صادق ہے، یہ اس کا لطف و احسان ہے کہ اس نے اپنے مومن بندوں کو حسن معاشرت کے ایک بہترین و زریں اصول کی ہدایت فرمادی جس میں ایمان والوں کی خیر و صلاح کا راز پوشیدہ ہے۔

آیتِ شریفہ میں جو ہدایت فرمائی گئی ہے یہی ہدایت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں بھی کی گئی ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا” کوئی مسلمان کسی مسلمان بیوی سے دل میں نفرت نہ رکھا کرے اگر اسے اس کی کوئی عادت ناگوار و ناپسند ہے تو اس کی کوئی دوسری عادت پسند بھی تو ہوگی (کیونکہ بالکل ہی برائیوں کا مجموعہ تو کوئی بھی نہیں ہوتا)

اب ان آیات میں جن ہدایات کی تعلیم دی ہے ایک نظر میں اسے دیکھ لیا جائے۔

۱۔۔۔ اس آیت نے جاہلیت کے اس ظالمانہ رواج کو بالکل غلط ٹھہرادیا کہ شوہر کے مرنے کے بعد بیوی اس کے بڑے لڑکے کو دیدی جائے اور وہ اس کا مالک بن کر جو چاہے کرے۔

۲۔۔۔ بیوہ کو پہلے دیا ہوا مہر واپس لینے کے لئے اسے یوں ہی روکے رکھا جاتا اور خوب تنگ کیا جاتا یہاں تک کہ وہ رقم واپس کرنے پر مجبور ہو جاتی تھی، اس ظلم کو بھی ختم کردیا گیا۔

۳۔۔۔ مومن کو اس بات کی اجازت دیدی گئی کہ اگر اسے اپنی بیوی کے اخلاق ناپسندیدہ ہوں تو وہ اس سے کچھ بدل و معاوضہ لیکر طلاق دے سکتا ہے۔

۴ لفظ “عَسٰی” عربی زبان میں ترجی (توقع و امید) کے معنیٰ کیلئے بولا جاتا ہے اور وہ متوقع چیز یا متوقع بات کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں بھی ہوتی لیکن یہ لفظ “عَسٰی” اللہ تعالیٰ کے کلام میں جسکے لئے آتا ہے وہ بات بلا تاخیر وقوع پذیر ہو جاتی ہے۔

اسی لئے ہم آیتِ بالا میں “عَسٰی” کا لفظ دیکھتے ہیں تو یہاں سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس “خیر” کے لئے “عَسٰی” کا لفظ استعمال فرمایا ہے وہ خیر ضرور مل کر رہے گا۔

لہٰذا ہر صاحبِ ایمان کو یہی یقین رکھتے ہوئے بیوی کی ناگواری پر صبر ہی کرنا چاہیئے پھر دیر نہ ہوگی کہ اللہ تعالےٰ اس کراہت و ناگواری کو دور فرمادینگے اور اسی بیوی کو رضا و محبت کا محل اور خیر کثیر کا ذریعہ بنادینگے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بیسویں ندا (۲۰)

مومنوں کا مال ناجائز طور پر کھانا اور ناحق قتل کرنا حرام ہے

سورۂ نساء (آیت ۲۹)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ
بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً
عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ
اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا ۝

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ (نہ برتو) لیکن جبکہ باہمی رضامندی سے کوئی تجارت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اور تم ایک دوسرے کو قتل بھی نہ کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑے مہربان ہیں۔

تشریح وتفسیر

یہ نکتہ خاص آپ کو یاد ہو گا کیونکہ ہم اپنی تشریح میں معمولی لفظی تبدیل کے ساتھ بار بار دہرا چکے ہیں اور مقصد بھی ہمارا یہی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس خاص طرز خطاب کا یہ نکتہ خاص ہر وقت اپنے ذہن میں تازہ رکھیں کہ "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے خطاب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جن اہلِ ایمان کو مخاطب فرمایا ہے اس سے مراد وہ اہلِ ایمان ہیں جو اللہ تعالےٰ کو اپنا پروردگار اور اسلام کو اپنا دین اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی و رسول مانتے ہوں کیوں کہ اپنے ایمان کی بدولت وہی لوگ اس بات کی اہلیت رکھتے ہیں کہ انھیں کسی حکم کا مکلف و پابند اگر بنایا جائے تو ان احکام پر عمل پیرا ہو جائیں گے جن کا انھیں حکم دیا گیا ہے اور جن باتوں اور کاموں سے انھیں روکا گیا ہو گا اس سے رک جائینگے اور یہ اسی وجہ سے ہے کہ اس ایمان نے انھیں کمالِ حیات سے بہرہ ور کر دیا ہے۔

اب اللہ تعالیٰ کی ہدایت کیطرف توجہ فرمائیے! اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو خطاب فرماکر انھیں اس بات سے روک رہے ہیں کہ "وہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق وناجائز طور پر نہ کھایا کریں۔ جائز اور حق مال کی صورتیں یہ ہیں کہ وہ مال میراث میں ملا ہو یا تجارت سے نفع میں حاصل ہوا ہو یا کسی دستکاری اور ہنر کیوجہ سے ملا ہو یا کوئی مسکین وفقیر ہو اور اس کی فقیری ومسکینی کیوجہ سے اسے صدقہ میں دیا گیا ہو یا اس مال کے دینے والے کے ذمہ اس مال کی ادائیگی شرعًا واجب ہو جیسے بیوی، بچوں اور والدین کا نفقہ جو انھیں دیا جاتا ہے، یہ سب طریقے مال حاصل ہونیکے بالکل حق اور درست ہیں ان طریقوں سے حاصل شدہ مال کھانا درست ہے۔

آیت میں ناحق مال کے صرف کھانے کی ممانعت ذکر کی گئی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر مال ناحق طور پر کھایا ہی جاتا ہے ورنہ ممانعت وحرمت عام ہے۔ ناحق مال کا کھانا جس طرح حرام ہے کسی کی چیز ناحق طور پر برتنا اور کام میں لانا بھی حرام ہے، ناجائز زمین پر مکان بنانا، ناحق کسی کے مکان میں رہنا، کسی کی سواری سے کام لینا، کسی کا لباس پہننا یہ سب حرام ہے۔

صرف مالِ تجارت کو اللہ تعالےٰ نے اس ممانعت سے خارج اور مستثنیٰ کر دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ" یعنی جب تمہاری رضامندی باہم سے تجارت ہو اور اس تجارت کے ذریعہ تم دوسرے کا مال حاصل کرو تو اس طرح دوسرے کا مال لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ تجارت میں یہ صورت تو اکثر پیش آتی ہی ہے کہ کسی شخص نے دوسرے سے ایک بکری دس روپئے میں خریدی اور پھر اسی بکری کو بیس روپئے میں بیچ دیا یا کوئی مکان ایک لاکھ میں خریدا اور پھر وہی مکان ڈیڑھ لاکھ میں بیچ دیا۔ ایسی صورتوں میں کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ اس شخص نے اپنے بھائی کے دس روپئے یا پچاس ہزار روپئے کھالئے کیونکہ اس نے وہ بکری دس روپئے کی بیچی تھی اس نے وہ بکری بیس میں کیوں بیچی، یہ دس روپئے تو اس نے ناحق لئے ہیں۔ اس کا جواب یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مالِ تجارت کا نفع حلال کیا ہے وہ حق ہے ناحق نہیں ہے۔ ہاں اگر اس شخص نے بیچنے والے کی مرضی کے بغیر وہ بکری دس روپئے میں لی تھی تو اس صورت میں وہ نفع جائز نہ ہو گا چاہے وہ نفع کتنا ہی کم ہو۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ خرید و فروخت کرنیوالوں کو معاملہ کرنے نہ کرنے کا اختیار اسی وقت تک رہتا ہے جب تک وہ دونوں مجلس معاملہ سے اٹھ کر چلے نہ جائیں، مجلس میں یہ اختیار رہتا ہے کہ بیچنے والا اپنی چیز اس سے واپس لے لے اور کہہ دے کہ میں نہیں بیچتا یا دونوں اپنی اپنی چیز لیکر اپنے اپنے راستہ چلے جائیں۔

اس صورت میں خرید و فروخت کا معاملہ پورا ہو جائیگا اور اب خریدار کیلئے یہ بات درست ہو گی کہ وہ اس چیز کو جتنے میں چاہے فروخت کرے اس صورت میں بیچنے والے کا نقصان نہ کہا جائیگا اگر اس نے دس میں خرید کر بیس میں بیچدیا ہو۔

یہ حکم اسی آیتِ شریفہ سے نکلتا ہے اور ہمیں یہ بات بھی معلوم رہنی چاہئے کہ تجارت کا نفع اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس کی خریداری پوری رضامندی سے ہوئی ہو بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں ہی اس معاملہ میں راضی رہے ہوں کیونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اَلْبَیْعُ عَنْ تَرَاضٍ" یعنی خرید و فروخت طرفین کی رضامندی سے ہونی چاہئے، اگر دونوں میں رضامندی نہ رہی ہو تو یہ بیع باطل اور ناجائز ہے۔ اس بیع سے حاصل شدہ مال پر جو نفع لیا جائے گا وہ بھی ناحق و نادرست ہوگا۔ اور اگر کسی شخص نے بیچنے والے کی رضامندی کے بغیر اس کی چیز لے لی ہو تو اس کا نفع حرام ہے اس کے ذمہ یہ بات ضروری ہے کہ اس کا وہ سامان اسے واپس کردے جو رضامندی کے بغیر لیا ہو۔

اب مندرجہ ذیل صورتوں کو سمجھئے، یہ وہ صورتیں ہیں جن میں مسلمان کا مال ناجائز طور پر کھایا جاتا ہے۔

۱ــــ سرقہ چوری ڈاکہ کے ذریعہ حاصل شدہ مال حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سرقہ حرام کیا ہے۔

۲ــــ سود کا مال حرام ہے، اگر کسی شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو قرض دیا تو اس کے لئے یہ صورت جائز نہیں ہے کہ وہ قرض میں دی ہوئی رقم سے کچھ بھی زیادہ اس سے وصول کرے وہ زیادتی خواہ کتنی ہی کم ہو ناجائز و حرام ہے۔

۳ــــ غش دھوکہ۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بیچنے والا کوئی ایسا سامان فروخت کردے جس میں کوئی عیب و خرابی تھی مگر ظاہر میں نہ تھی بیچنے والا بھی اس سے بے خبر تھا۔ یہ صورت ایک بار پیش آچکی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک بار مدینہ کے بازار

میں تشریف لے گئے جہاں غلہ کی بوری تھی آپ نے اس بوری میں ہاتھ ڈالا تو اندر تری محسوس ہوئی تو آپ نے بیچنے والے کو برا کہا اور فرمایا کہ بھیگے ہوئے غلہ کو اوپر کیوں نہیں رکھا کہ خریدنے والے کو صحیح صورتِ حال معلوم ہو جائے تو آپ نے فرمایا کہ سنو! جو شخص اس طرح دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے مکر اور دھوکہ کا انجام دوزخ ہے۔

۴ــــ قمار (جوا)، جوے کے ذریعہ جو مال حاصل ہو وہ حرام ہے (یہی حکم آج کل کی لاٹری اور انشورنس کا ہے، علمائے حق انشورنس کو ناجائز و حرام ہی کہتے ہیں) کیونکہ یہ بغیر حق کے ہوتا ہے۔

۵ــــ اکل العربون بیعانہ، پیشگی رقم جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ خریدار مال والے کو کچھ پیشگی رقم دیکر یہ کہدیتا ہے کہ جب میں پوری رقم دیدونگا تو مال اٹھالوں گا اور اگر میں نہیں آتا تو مال تو تمہارا ہے ہی، یہ رقم جو دے رہا ہوں یہ بھی تمہاری ہے تو اس طرح بیعانہ کی یہ رقم کھانا بھی حرام ہے کیونکہ یہ بغیر حق کے ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا ہے "وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ" تم ایک دوسرے کو قتل بھی نہ کرو۔ یہ آیت بالکل کھلی ہوئی دلیل ہے کہ مسلمان کو ناحق قتل کرنا حرام ہے چھوٹا ہو، بڑا ہو، تندرست ہو، بیمار ہو کیسا ہی ہو یہ قتل حرام ہے اور اسی طرح مسلمان کا خود اپنے آپکو خودکشی کر کے قتل کر لینا بھی حرام ہے جس ذریعے سے بھی ہو، زہر کھاکر، خواب اور گولی کھاکر، گلے میں پھندا لگاکر، یا اپنا کھانا پانی چھوڑ کر (جیسے بہت سے لوگ مرن برت رکھتے ہیں یہ بھی اقدام خودکشی کا جرم ہے)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے یہ اعلان فرمایا ہے کہ تمہارے اموال اور تمہارے خون (تمہاری جانیں) تمہاری عزت و آبروئیں یہ سب تم پر حرام کردی گئی ہیں قابلِ احترام ہیں جیسے آج کا دن یوم عرفہ قابلِ احترام ہے۔ حرمت کا یہ اعلان اس قابلِ احترام مہینے (ذی الحجہ) میں اور تمہارے اس محترم شہر مکہ شریف میں ہو رہا ہے۔

اس اعلان کے بعد آپ نے اللہ تعالےٰ کو گواہ بناتے ہوئے فرمایا "اَللّٰھُمَّ اِشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ" اے اللہ تو گواہ ہوئیو، اے اللہ تو گواہ ہوئیو کہ میں نے تیرا پیغام پہنچادیا۔

ہمارے اہلِ ایمان بھائیوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ قتل کا یہ گناہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ کفر و شرک کے سوا کوئی اور گناہ اس سے بڑھ کر نہیں ہے۔

آخر میں یہ بات بھی کہدی جائے کہ کفار کے ملکوں میں خودکشی کا جو طریقہ پھیلا ہوا ہے اس کا اثر اسلامی ملکوں پر بھی پڑ رہا ہے اور یہ سلسلہ وہاں بھی شروع ہو گیا ہے اسلئے ہم ایسا کرنے والوں کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمائی ہوئی کچھ وعیدیں ذکر کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص کسی ذریعہ سے خودکشی کرتا ہے تو اس چیز کے ساتھ اسے قیامت میں عذاب دیا جائیگا آپ نے فرمایا کہ جو شخص لوہے (تلوار وغیرہ) کے ذریعہ خودکشی کرتا ہے تو قیامت کے روز وہ اسی لوہے کے ساتھ لاکر دوزخ میں ہمیشہ ہمیش کیلئے ڈال دیا جائیگا۔

آپ نے فرمایا کہ جو شخص زہر کھاکر خودکشی کرتا ہے تو قیامت کے روز وہ زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ اسے پیئے گا دوزخ میں ہمیشہ ہمیش کیلئے ڈال دیا جائے گا۔ اسی طرح آپ نے فرمایا کہ جو شخص پہاڑ پر سے گر کر جان دے گا تو وہ اسی طرح دوزخ کی گہرائی میں ہمیشہ کیلئے گرایا جائے گا۔

ہمیں اللہ تعالےٰ سے پناہ مانگنی چاہئے کہ ہم مسلمانوں کا مال کھائیں یا ناحق قتل کریں اللہ تعالےٰ تو ہم پر مہربان ہیں ہی اس وجہ سے جو چیزیں حرام کرنے کے لائق نہیں وہ حرام فرمادیں۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

* * *

اکیسویں (۲۱) نداء

حالتِ نشہ میں نماز پڑھنا، حالت جنابت میں نماز پڑھنا، مسجد میں ٹھہرنا بھی حرام ہے، معذور کیلئے تیمم جائز ہے

سورۂ نساء (آیت ۴۳) اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا
الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا
مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ
سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ
مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ
مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ
فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا
طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝

اے ایمان والو! ایسی حالت میں کہ تم نشہ کی حالت میں ہو نماز کے قریب نہ جاؤ (نماز نہ پڑھو) یہاں تک کہ (ہوش میں آجاؤ) سمجھنے لگو جو کچھ تم نماز میں پڑھ رہے ہو اور جب جنابت کی حالت میں ہو (جب بھی نماز نہ پڑھو) مگر یہ کہ تم مسافر ہو جب تک تم غسل نہ کرلو اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت کر کے آیا ہو یا عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تم کو پانی نہ مل رہا ہو تو تیمم کرلو پاک مٹی سے اپنے چہروں پر اور اپنے ہاتھوں پر یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

تشریح و تفسیر اللہ تعالےٰ نے اس نداء ایمانی میں اہلِ ایمان کو متعدد احکام کی تعلیم دی ہے جن کا جاننا اور سیکھنا واجب ہے۔

آئندہ سطور میں وہ احکام ہم تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ آپ حضرات پہلے اس آیتِ شریفہ کے الفاظ ذہن میں محفوظ فرمالیں اس کے بعد ان فقہی احکام کو سمجھیں سیکھیں اور دوسروں کو سکھا کر آسمان والوں کی نظر میں "عظیم شخصیت" ہونے کا شرف حاصل کریں۔ امام مالکؒ نے روایت کیا ہے کہ جو شخص دین کا علم سیکھتا ہے، اس پر عمل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی وہ علم سکھاتا ہے تو اسے آسمان میں "عظیم" کہہ کر پکارا جاتا ہے

اب وہ احکام ہم آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں:

۱ ـــــ نشہ کی حالت میں نماز کی ادائیگی حرام ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نشہ کی چیز کھانا، پینا حلال ہے بلکہ ہر نشہ آور چیز بھی حرام ہے۔ یہ آیت اس وقت سے تعلق رکھتی ہے جب شراب پورے طور پر حرام نہیں کی گئی تھی، یہ حکم اب باقی نہیں ہے تاہم اس لحاظ سے آیت کا حکم باقی بھی ہے کہ اگر کوئی شرابی جواب بھی شراب پیتا ہو، اگر وہ نشہ کی حالت میں ہو تو اس وقت تک نماز ادا نہ کرے جب تک نشہ کا اثر باقی رہے۔

۲ ـــــ آیت میں دوسرا مسئلہ یہ بتایا گیا ہے کہ جو شخص حالتِ جنابت میں ہو وہ جب تک غسل نہ کرلے نماز نہ پڑھے۔ جنابت کی حالت میں نماز حرام ہے اور یہی حکم حیض و نفاس والی عورتوں کا بھی ہے کہ جب تک پاکی کا غسل نہ کرلیں نماز پڑھنا درست نہیں ہے اور اگر پانی نہ مل رہا ہو یا غسل سے بیماری کا خطرہ ہو تو غسل کی جگہ تیمم کرلے تب نماز پڑھے اسی طرح ان مذکورہ لوگوں کا مسجد میں داخل ہونا بھی جائز نہیں ہے ہاں اگر کہیں جانے کیلئے مسجد میں سے گذرنا پڑے تو گذر سکتے ہیں لیکن مسجد میں ٹھہر نہیں سکتے۔

۳ ـــــ تیسرا حکم مستقل طور پر تیمم کا ہے کہ مریض و مسافر اور ایسا شخص جس کا وضو کسی بھی طریقہ سے ٹوٹ گیا ہو (پیشاب، پاخانہ کرنے، ریح خارج ہونے یا کہیں سے خون نکلنے کی وجہ سے) یا جس کو جنابت ہو گئی ہو احتلام کیوجہ سے یا مباشرت کی وجہ سے۔ یہ لوگ اگر انھیں پانی میسر نہ ہو (ایک میل کی دوری تک پانی نہ ملے) تو یہ لوگ اپنے وضو یا غسل کی ضرورت کیلئے تیمم کرلیں، اسکے بعد وہ مسجد میں بھی داخل ہو سکتے ہیں

اور نماز بھی پڑھ سکتے ہیں۔

۴ ـــــ تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ تیمم کرنے والا اپنی دونوں ہتھیلیاں بسم اللہ کہتے ہوئے پاک مٹی پر رکھے، مٹی نہ ہو تو قدرتی پتھر پر تیمم کر سکتا ہے (سیمنٹ سے بنایا ہوا مصنوعی پتھر نہ ہو) اس کے بعد اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے چہرہ پر پھیرے اور پھر دوبارہ وہ دونوں ہتھیلیاں مٹی یا پتھر پر رکھے اور کہنیوں تک دونوں ہاتھوں پر پھیرلے۔

ان احکام کے بعد اللہ تعالےٰ نے اہلِ ایمان پر رحمت و شفقت کا اظہار یوں فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ؕ

یہ آیت ان لوگوں کے معاملہ میں نازل ہوئی تھی جنھوں نے شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے نشہ کی حالت میں نماز پڑھ لی تھی اور نماز میں سورۂ کافرون غلط طور پر پڑھ گئے تھے۔ یہ صورت قابلِ سزا نہ تھی مگر آیندہ کیلئے اس سے روک دیا گیا اور انکی یہ غلطی معاف فرمادی گئی جو بے ارادہ ہوگئی تھی۔

اب یہاں پر غسل کا طریقہ بھی بتادیا جائے، وہ یہ ہے کہ ناپاکی کا غسل اس طرح ہوگا کہ پہلے بسم اللہ کہہ کر اور پاک ہونیکی نیت وارادہ سے اپنی دونوں ہتھیلیوں پر پانی بہالے اس کے بعد دونوں شرمگاہیں پاک کرے، پھر نماز کے وضو کیطرح وضو کرے یعنی تین بار دونوں ہاتھ دھوئے، تین بار کلی کرے پھر تین بار ناک میں پانی دیکر ناک صاف کرے پھر تین بار پورا چہرہ دھوئے پھر کہنی سمیت داہنا ہاتھ دھوئے پھر بایاں ہاتھ دھوئے پھر سر اور گردن کا کانوں سمیت مسح کرے پھر ٹخنے تک داہنا پیر پھر بایاں پیر تین تین بار دھوئے یہاں تک وضو ہوا۔ پھر جس کے سر پر بال ہوں دونوں ہتھیلیوں سے بالوں کا خلال کرے پھر تین بار پورا سر دھوئے۔ دونوں کان اندر باہر دھوئے پھر بدن کا داہنا حصہ (داہنی کروٹ) قدموں تک دھوئے پھر اسی طرح بائیں کروٹ اس طرح دھوئے کہ پورے جسم پر پانی پہنچ جائے ذرا سی جگہ بھی سوکھی نہ رہے۔

اخیر میں جنب کے بارے میں بھی بتادیا جائے کہ جنب کسے کہتے ہیں:
مرد و عورت جب مباشرت کریں، یا خواب میں احتلام ہو جائے تو یہ جنب ہو گئے۔
ان کی اس ناپاکی کی حالت کو حالتِ جنابت کہتے ہیں۔

آیت میں "غائط" کا لفظ آیا ہے قضائے حاجت کیلئے، جہاں جائے وہ جگہ غائط کہلاتی ہے۔ اسی طرح آیت میں "لَامَسْتُمُ" کا لفظ آیا ہے جس سے یہاں مباشرت مراد ہے، بطور کنایہ یہ لفظ بولا گیا ہے۔

ان باتوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے: آگے پیچھے سے جو کچھ بھی نکلے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، سونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

مسئلہ:۔۔۔ جو شخص پانی (بقدر ایک میل) نہ ملنے کیوجہ سے یا پانی کچھ تھوڑے ہی فاصلہ پر ہے لیکن راستہ میں کوئی خطرہ ہے وہاں تک جا نہیں سکتا اسلئے تیمم کر رہا ہے وہ اس تیمم کے ٹوٹنے تک اس سے ہر نماز پڑھ سکتا ہے۔ ایسا ہی وہ شخص جسے پانی نقصان کرتا ہو وہ بھی تیمم ٹوٹنے تک اس سے ہر طرح کی نماز پڑھ سکتا ہے۔

معذور شخص جس کا وضو برقرار نہ رہتا ہو پیشاب کے قطرے آتے ہوں تو ایسا شخص ہر نماز کا وقت ختم ہونے پر دوسری نماز کیلئے تازہ وضو اور تازہ تیمم کرے گا۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

◆

بائیسویں ۲۲ نداء

اللہ اور اس کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور اُولی الامر حاکم شرعی کی اطاعت فرض ہے

نزاعی معاملات میں کتاب و سنت کے ذریعہ فیصلہ ہونا چاہئے

سورۂ نسآء (آیت ۵۹) اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا
اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي
الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ
فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ
الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ
خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مانو اور تم میں جو اہل حکومت ہیں ان کا بھی کہنا مانو۔ پھر اگر کسی معاملہ میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس کو کتاب اللہ اور سنتِ رسول کیطرف حوالہ کر لیا کرو اگر تم اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ طریقہ دنیا میں بھی بہتر ہے اور آخرت میں بھی ان کا انجام خوش تر ہے۔

تشریح و تفسیر

یہ بات ہمارے اور آپ کے لئے باعثِ فخر و موجبِ شکر ہے کہ ہم آپ اس آیت میں آئی ہوئی نداء کے مخاطب بننے کے اہل قرار پاگئے اور اس اہلیت کا سبب ہمارا یہ ایمان ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور

معبود اور حضور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی و رسول، اور اسلام کو اپنا دین و مذہب مانتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی بقیہ تمام ایمانیات پر بھی ایمان و یقین رکھتے ہیں (یعنی جملہ ملائکہ۔ جملہ کتبِ سماوی۔ تمام انبیاء کرام اور روز قیامت اور خدائی فیصلہ و تقدیر پر بھی ہمارا ایمان ہے)

آپ ابھی یہ نہ سمجھ سکے ہوں گے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی اس ندائے مبارک میں اپنے اہلِ ایمان بندوں کو کیوں ندا دی ہے؟ تو جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ میں دو نہایت ہی مہتم بالشان ہدایات کیلئے ندا دی ہے جن کے ساتھ ہماری سعادت دارین وابستہ ہے۔ پہلی ہدایت تو اللہ و رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور مسلمانوں کے جو شرعی حاکم ہوں انکی اطاعت سے متعلق ہے، انھیں کے ذیل میں دینی علماءِ حق کی اطاعت بھی آجاتی ہے۔ دوسری ہدایت یہ ہے کہ اختلافی و نزاعی امور کا فیصلہ کتاب و سنت کے حوالہ کر کے اسی کے مطابق ہونا چاہئے۔

اب ہم یہ بات بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ و رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور اولی الامر کی اطاعت اور نزاعی امور میں کتاب و سنت کیطرف رجوع کرنے میں ہماری سعادتِ دارین کیوں وابستہ ہے؟

۱ ـــــ یہ بات تو آپکو معلوم ہی ہوگی کہ اللہ تعالےٰ کی طاعت و اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ جن باتوں کا امر کیا گیا ہو انھیں کیا جائے اور جن باتوں کی نہی آگئی ہو، جن سے روکا گیا ہو ان کو ترک کر دیا جائے۔ اس میں یہ بحث نہ ہونی چاہئے کہ یہ امر و نہی وجوبی ہیں یا استحبابی؟ ہر امر قابلِ عمل اور ہر نہی لائقِ ترک سمجھی جائے۔

آخر تو ہمارا ایمان یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمیں جن کاموں کا حکم دیتے ہیں یا جن باتوں سے روکتے ہیں وہ اپنے بندوں کی سعادت کی تکمیل ہی کیلئے کرتے ہیں کیونکہ وہی تو بندوں کے پروردگار اور ان کے ولی ہیں اور انھیں خود ہماری ان اطاعتوں کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ تو یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں انھیں باتوں کا حکم دیتے ہیں اور انھیں باتوں سے روکتے ہیں جن سے ہم بدبختی سے بچ سکیں اور جن سے ہماری سعادتِ دارین وابستہ ہو۔

اس جگہ ہمیں یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ ہمارے لئے اللہ تعالےٰ کے اوامر کا یعنی

جن باتوں کا ہمیں حکم دیا گیا ہے جاننا کس قدر ضروری ہے اور اسی طرح ہمیں وہ تمام باتیں بھی معلوم ہونی چاہئیں جن سے اللہ تعالےٰ نے ہمیں روکا ہے، ان باتوں کے جانے بغیر ہم اللہ تعالیٰ کی طاعت و اطاعت کا تقاضا پورا نہ کر سکیں گے اور جب یہ تقاضا پورا نہ ہو گا تو پھر فلاحِ دارین اور سعادت دارین کیسے حاصل ہو گی۔

۲ ـــــ یہی صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں بھی ہے کہ اس کے لئے بھی پہلے مرحلہ میں ہمیں یہی واقفیت حاصل کرنی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کن باتوں کا حکم دیا اور کن باتوں سے روکا ہے، آپکے اوامر کیا ہیں اور نواہی کیا ہیں؟ یہ بحث نہ ہونی چاہئے کہ ان اوامر میں کون سا امر وجوب کے لئے ہے اور کون سا حکم استحبابی ہے اسی طرح نہی کے معاملہ میں یہ تفریق نہ چھیڑی جانی چاہئے کہ کون سی نہی کراہت تحریم کیلئے ہے اور کون سی کراہت تنزیہ کیلئے ہے۔

حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی بھی اگرچہ کتاب اللہ ہی سے مستنبط اور وحیِ خداوندی ہی پر مبنی ہوتے ہیں اسلئے بظاہر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی داخل و شامل تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے مستقل طور پر علیحدہ آپ کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کو یہ علم ہے کہ اس کے بندے رسول کی تعلیم و تشریح کے بغیر صرف کتاب اللہ سے تمام احکام سمجھ نہ سکیں گے اور انھیں کتاب اللہ پر عمل کرنے کے معاملہ میں بھی رسول ہی کا اتباع کرنا پڑے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہی بات اپنی اس آیت میں بیان فرمائی ہے۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ۝	ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں سے وہ احکام بیان کر دیں جو ان کے لئے نازل کئے گئے ہیں۔

اور خود حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ ؕ	جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی

اس حدیث کے پیشِ نظر بھی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہر امر و نہی کے معاملہ میں ہر مسلمان مرد و عورت کے ذمہ مستقل طور پر ضروری ٹھہرتی ہے خاص کر ان اوامر

میں جو کہ وجوب کیلئے ہوں اور ان نواہی میں جو کراہت تحریم کیلئے ہوں۔

ظاہر ہے کہ ان اوامر و نواہی پر عملدر آمد اسی وقت ہو سکے گا جب ان کا علم اور معرفت ہمیں حاصل ہو۔ ان سے ناواقف اور جاہل شخص کیسے عمل کرے گا۔

۳ —— اولی الامر کی اطاعت میں مسلمان اولی الامر مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اولی الامر کے لفظ کے ساتھ "منکم" کی بھی قید بڑھا دی ہے کہ ان اولی الامر کی اطاعت تم پر ضروری قرار دی جا رہی ہے جو تم اہلِ ایمان میں سے ہوں دینی معاملات میں کافر کی اطاعت نہ کی جائے گی۔ سوا اس صورت کے کہ کوئی شخص مجبور ہو جائے اور اسے اپنی جان کا خطرہ یا ناقابل برداشت تکلیف کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے مجبوراً اطاعت کی گنجائش ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ۔	جسے زبردستی مجبور کر دیا گیا ہو اور اس کا دل اپنے ایمان پر پوری طرح مطمئن ہو۔

اولی الامر کا لفظ امراء شرعی حکام کے علاوہ علماء، والدین، معلّم و مربّی اور صالحین کو بھی شامل ہے مگر ان کی اطاعت خدا و رسول کی اطاعت کیطرح مطلق نہیں ہے بلکہ ان میں یہ قید بھی ہے کہ انکی اطاعت اسی وقت واجب العمل ہو گی جب وہ امر معروف اور موافق شرع کام سے متعلق ہو، معصیت اور خلاف شرع کام میں انکی اطاعت نہ کی جائے گی چنانچہ اللہ تعالےٰ نے سورۂ ممتحنہ میں جہاں بیعت کی تفصیل بیان فرمائی ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے:

"وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ:	کہ وہ عورتیں کسی نیک کام میں آپکی نافرمانی نہ کرینگی۔

یعنی مومن عورتوں پر آپکی اطاعت صرف نیک کاموں ہی میں ضروری ہو گی غیر معروف کام کا اگر بالفرض آپ حکم دینگے تو اس میں اطاعت ضروری نہ ہو گی۔

اللہ تعالےٰ نے یہ بات صرف اسلئے فرما دی کہ معصیت و گناہ کا کام اللہ تعالےٰ کو اس درجہ ناپسند ہے اگر بالفرض کوئی بزرگ کسی کو حکم دیں تو اس پر عمل ہرگز نہ کیا جائے ورنہ حاشا للہ رسول اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اس سے بہت بلند و ارفع ہے کہ وہ کسی کو اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کا حکم دیں وہ تو صرف اچھی اور نیک باتوں ہی کا حکم دیں گے۔ ہاں اولی الامر سے یہ اندیشہ ضرور ہے کہ وہ کسی ناجائز و معصیت کے

کام کا حکم کسی کو دیدیں تو ان کے لئے یہ بات ملحوظ رہے کہ انکی اطاعت صرف معروف کاموں تک محدود رہے گی، اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ اَطَاعَنِيْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمَنْ يُّطِعِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِيْ وَمَنْ يَّعْصِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ عَصَانِيْ۔	جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کی، اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے گویا میری اطاعت کی، اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے گویا میری نافرمانی کی۔

اور والدین کے حق میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ۔	اور ان والدین کے ساتھ اچھی طرح رہا کرو اور اس شخص کا طریقہ اختیار کرو جو میری طرف توجہ کرتا ہے۔

یہاں تک ان دو مہتم بالشان باتوں میں سے پہلی بات یعنی اللہ و رسول کی اطاعت اور اولی الامر کی اطاعت کے متعلق بیان تھا اب آئندہ دوسری بات یعنی نزاعی امور میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کا بیان کیا جاتا ہے۔

۴ —— اختلافی و نزاعی معاملات میں کتاب و سنت کیطرف رجوع کرنے کا حکم جو دیا گیا ہے اس حکم پر بھی عمل کرنا واجب ہے۔ جو شخص جان بوجھ کر اس پر عمل نہیں کرتا وہ گناہ و زیادتی کا مرتکب ہوتا ہے اور نعوذ باللہ منہ وہ کفر پر آمادگی کا اظہار کرتا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے تمام اہلِ ایمان کو خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم ہوں، عالم ہوں یا جاہل سب کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اے اہلِ ایمان تم کو کسی چیز کے حلال و حرام ہونے، واجب ہونے نہ ہونے میں، جائز و ناجائز ہونے میں کوئی نزاع و اختلاف پیش آ جائے تو کتاب اللہ اور حدیث صحیح کی روشنی میں اس نزاع کا فیصلہ کر لیا کرو یا ان علماء سے تحقیق کر لیا کرو جو ان باتوں کی تحقیق و معرفت رکھتے ہوں جو لوگ کتاب و سنت سے ناواقف ہوں ان سے رجوع نہ کرو۔

آیت کے آخر میں "اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ" سے جو بات فرمائی گئی ہے اس میں در پردہ یہ بات کہہ دی گئی ہے کہ جو لوگ ایسے نزاعی امور میں کتاب و سنت کیطرف

رجوع نہیں کرتے اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ اللہ اور روز قیامت پر انکا ایمان ہی صحیح و مستحکم نہیں ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر واقعی یہی وجہ ہے تو پھر وہ سچے طور پر مومن ہی نہیں ہیں۔

اخیر میں نصیحت کے انداز میں یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ نزاعی امور کا یہ حل جو بتایا گیا ہے تمہارے لئے دنیا و آخرت دونوں ہی جگہ بہتر و خوشتر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہی قابل حمد و شکر ہے جس نے ہدایت و تعلیم کا یہ انعام فرمایا ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

۲۳ تیئیسویں ندا

دشمنوں سے ہوشیار اور چوکنّا رہنا واجب ہے، مقابلہ اور سخت مقاتلہ کے وقت حکمتِ عملی ملحوظ رہنی چاہئے

سُوْرَۂ نسآء (آیت ۷۱)　　اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَکُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِانْفِرُوْا جَمِیْعًا	اے ایمان والو! تم اپنی تو احتیاط رکھو پھر چاہے متفرق طور پر نکلو یا مجتمع اکٹھے ہو کر نکلو

تشریح وتفسیر گذشتہ تشریحات میں یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو ندا، دیکر صرف اسی لئے مخاطب فرمایا ہے کہ انھیں حصولِ سعادت و کمال کا طریقہ بتا دیا جائے جس سے انکی عزت و قیادت وابستہ ہے اور یہ بیان و تعلیم صرف اسی وجہ سے ہے کہ وہ اہلِ ایمان اس کے دوست ہیں اور وہ خود انکا دوست ہے۔

اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نداؤں میں وہی ہدایات دی جاتی ہیں جن میں اہلِ ایمان کی نجات و سعادت کا حکم ہوتا ہے یا ایسی نہی ہوتی ہے جو انھیں بدبختی و شقاوت سے دور رکھے یا ایسی باتوں سے ڈرانا اور خوف دلانا مقصود ہوتا ہے تاکہ اہلِ ایمان اچھے کام کرنے اور برے کاموں سے رکنے میں پابندی کرسکیں۔

اور یہ کوئی قابلِ تعجب اور نئی بات نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی دوست اپنے دوست کا

خیر خواہ ہی ہوتا ہے اور اس کی نجات وسعادت ہی چاہتا ہے اور ہر تقویٰ شعار مومن اللہ تعالےٰ کا دوست ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے جو انھیں تاریکی سے نکال کر نور کیطرف پہنچا دیتا ہے) جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ انھیں شرک وکفر اور نفاق سے، بڑے بڑے گناہوں اور بری بیہودہ باتوں سے نکال دیتا ہے تاکہ ان کے نفوس پاک صاف ہو جائیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور پھر اللہ تعالےٰ ان نفوس کی تمنائیں اور آرزوئیں پوری فرما دیتا ہے جسکی اطلاع اس نے اپنی اس آیت میں دی ہے :

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ○	باخبر ہو جاؤ! اولیاء اللہ کو نہ تو کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ وہ لوگ غمگین ورنجیدہ ہوتے ہیں یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو صاحب ایمان ہوں اور اللہ سے ڈرتے ہوں۔

اس ارشاد کے بعد اولیاء اللہ کی آرزوؤں کا پورا ہونا یوں بیان فرمایا ہے :

لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ	کہ انھیں کیلئے دنیا میں اور آخرت میں خوشخبری اور خوشی نصیب ہو گی کیونکہ اللہ کی بات اٹل رہتی ہے بدلتی نہیں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کی بات بدلا نہیں کرتی تو یہ خوشخبری بھی نہیں بدلے گی پھر اس سے بڑھکر اور کامیابی کیا ہو سکتی ہے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اس تمہید کے بعد آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی اس تیئیسویں[۲۳] ندا میں اپنے بندوں کو جس ضروری بات کیلئے مخاطب فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ انھیں یہ ہدایت فرما کر متنبہ کیا ہے کہ اہل ایمان اپنے اور تمام اہلِ ایمان کے دشمنوں سے چوکنا رہا کریں اور ان کا دشمن ہر کافر ومشرک ہے چاہے کوئی بھی ہو۔

اور ان کا دشمن وہ ہو جو انھیں ہلاک وبرباد کرنا اور نقصان پہنچانا چاہتا ہو، انھیں ذلیل وحقیر اور کمزور کرنا اور رکھنا چاہتا ہو اور یہ دشمن کوئی کافر وظالم ہی ہو سکتا ہے۔ ان سے بچنے اور چوکنا رہنے کی صورت یہ ہے کہ شریعت نے دشمنوں کے ضرر سے

بچنے کیلئے جو اسباب تجویز کئے ہیں انھیں اختیار کر کے ان کے ضرر ونقصان سے اپنی حفاظت کی جائے۔

ہمارا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے اس سے حفاظت کی چند صورتیں بتائی گئی ہیں :

۱ ـــــ اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہنا کہ وہ شیطان سے پناہ میں رکھے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ	اور اگر شیطان تم کو چھیڑ کر برائی پر آمادہ کرے تو اللہ سے پناہ مانگو بیشک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

یہ تو حفاظت کی پہلی تدبیر ہوئی۔ دوسری تدبیر یہ ہے کہ شیطان برائیوں کو جس طرح خوشنما ومزین کر کے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے اس کیطرف مطلق توجہ نہ کی جائے اور اسے کسی قیمت پر اختیار نہ کیا جائے۔

تیسری تدبیر یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو باوضو رہنے کی پابندی رکھی جائے۔

چوتھی تدبیر یہ ہے کہ گھروں میں قرآن مجید کی تلاوت کا معمول رکھا جائے اور گھروں میں نفل نمازیں بھی پڑھی جائیں۔

پانچویں تدبیر یہ ہے کہ اپنے اپنے گھروں کو ناجائز وحرام تصویروں سے خالی رکھا جائے خاص کر ان تصویروں سے جو ٹی، وی اور وی، سی آر وغیرہ پر دکھلائی جاتی ہیں، اسی طرح اپنے گھروں کو میوزک اور سنگیت والے گانوں سے بھی پاک رکھا جائے، ایسے ہی طریقوں سے شیطان اور اس کے ساتھی سنگھاتی سے بچا جا سکتا ہے۔

اب اس کے بعد وہ تدبیریں سمجھئے جن کے ذریعہ انسانوں کی صورت میں پائے جانے والے دشمنوں سے حفاظت کی جا سکتی ہے اس کی بھی چند صورتیں ہیں :

۱ ـــــ وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ" پر عمل کرتے ہوئے (جس میں ہمیں دشمنوں سے مقابلہ کیلئے تیاری کا حکم دیا گیا ہے) جس قدر ممکن ہو تیاری رکھی جائے۔

۲ ـــــ اس جنگی قیادت وسربراہی کا تعلق ایسے لوگوں سے ہو جو ایمانی وروحانی قوت وطاقت کے ساتھ جسمانی قوت بھی رکھتے ہوں اور فنِ حرب سے بھی واقفیت ومہارت رکھتے ہوں۔

۳ ـــــ کامل عسکری وحربی مہارت اور ایمانی وصالح قیادت کا پایا جانا بھی ضروری ہے

جو حکمت و دانائی کے ساتھ یہ فریضہ انجام دے۔

۵ —— سورۂ انفال کی مذکورہ بالا آیت (وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ) کے تحت یہ تیاری ہر حال میں رہنی چاہئے جنگ کا خطرہ ہو یا نہ ہو اسی کو کہا جاتا ہے "صلح مسلح"۔

۶ —— ہماری بات بھی ایک رہنی چاہئے اور ہماری صف بھی ایک ہی رہنی چاہئے، کیونکہ افتراق و اختلاف حرام ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ | آپس میں نزاع نہ کرو کہ کمزور پڑ جاؤ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی"۔

۷ —— اللہ تعالےٰ کے اوامر کی پابندی اور اس کے نواہی (روکی ہوئی باتوں) سے پرہیز کرتے ہوئے زمانۂ جنگ و صلح دونوں میں اللہ، رسول کی اطاعت کرو کیونکہ گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سزا دیتے ہیں اور یہ سزا کبھی شکست کی صورت میں بھی ہوتی ہے اللہ تعالےٰ پناہ میں رکھے۔

۸ —— جب دشمن حملہ آور ہو تو دو باتوں کا اہتمام رہے۔

(الف) ثابت قدم رہو، پیٹھ پھیر کر ہرگز نہ بھاگو

(ب) دل و زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو

جس کا حکم سورۂ انفال کی آیت میں دیا گیا ہے، ہم وہیں اسے تفصیل سے بیان کرینگے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ وَعَلَى الْمُرْسَلِيْنَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

* * *

۲۴ چوبیسویں ندار

جو کام غلطی سے یا غلط فہمی سے ہو جائے اس کی تحقیقِ حال ضروری ہے

ورنہ بہت بڑا نقصان ہو سکتا ہے

سورۂ نساء (آیت ۹۴) اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

اے ایمان والو! جب اللہ کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق کر لیا کرو، اور اس شخص سے جو کہ تم سے سلام علیک کرے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں۔ تم دنیاوی زندگی کا سامان چاہتے ہو سو اللہ کے ہاں بہت زیادہ غنیمتیں ہیں۔ اس سے پہلے تم خود بھی تو ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا سو اب تحقیق کر لو بیشک اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

تشریح و تفسیر

اللہ تعالےٰ نے اہلِ ایمان کو احکامِ دین بتانے اور انھیں اپنی ہدایتوں سے نوازنے کیلئے "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا" کا معنیٰ خیز عنوان کیوں اختیار فرمایا ہے۔ یہ نکتہ بار بار دہرایا جا چکا ہے اس لئے ہم یہاں نہیں دہرا رہے ہیں۔ ہاں یہ بات مکرر عرض کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے احکامِ اسلام کی مشروعیت صرف اس غرض سے کی ہے کہ ان ہدایات پر عمل پیرا ہونیکی وجہ سے اس کے بندوں کے نفوس کی تطہیر و تزکیہ ہو جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ

کی رضا و مقبولیت کے مستحق ہو جائیں۔

اللہ تعالےٰ نے اہلِ ایمان کو جن عقائد و اعمال کا حکم دیا ہے یا جن عقائد و اعمال، افکار و اقوال سے روکا ہے وہ صرف اسی لئے ہے کہ اہلِ ایمان کی روحیں برائیوں سے آلودہ اور گندی نہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو مکروہ و ناگوار ہوں اور اس کی ناراضی کا سبب ہوں جس کے نتیجہ میں وہ انھیں جنت میں داخلہ کی اجازت نہ دے اور ان پر اپنی رضا و خوشنودی اور اپنی دید کے انعام سے محروم رکھے۔ اس بات کی حقیقت سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ملحوظ رہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا"	وہ واقعی کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا اور وہ ناکام ہی رہا جس نے اپنے نفس کو گندہ و آلودہ رکھا۔

اسی طرح یہ ارشاد بھی پیشِ نظر رہے:

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ○	یہ بات یقینی ہے کہ آخرت میں نیک لوگ جنت و نعمت میں ہونگے اور برے بدکار لوگ دوزخ میں جلیں گے۔

اس آیت میں اَبرار جن لوگوں کو کہا گیا ہے وہ خدا و رسول کے فرمانبردار ہوں گے جو جنت کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہوں گے کیونکہ وہ نیک لوگ ہوں گے۔ اَبْرار کا لفظ برّور سے بنا ہے اور بررور کے معنیٰ فرماں برداری ہیں۔ اور فجّار و بدکار دوزخ کی آگ میں جلیں گے جس کی وجہ ان کا فجور اور انکی معصیت کوشی ہو گی کہ وہ اللہ و رسول کی نافرمانی کرتے رہے جس کے نتیجہ میں ان کے نفوس گندہ و آلودہ رہے جو اللہ کی ناراضی کا سبب بن گیا۔ اور اللہ تعالےٰ جس سے ناراض ہو جائیں اس کے لئے وہ جنت جو نیکوں کا ٹھکانا ہے اللہ تعالےٰ نے حرام کر رکھا ہے وہ تو اسے دوزخ ہی میں ڈالے گا۔ جو عذاب کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ ہماری اس سے حفاظت رکھے۔

یہ حقیقت سمجھ لینے کے بعد اب اس آیت کی ہدایت کا مطلب سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ

"اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں کسی جگہ کا سفر کرو یعنی کسی دشمن کی تلاش میں نکلو تو سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤ کسی بات کا فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرو اور جو شخص تم سے سلام علیک کرے تو جلدی سے بدگمانی کرتے ہوئے اس سے یہ نہ کہدو کہ

تو مسلمان نہیں ہے (تو نے اپنی جان بچانے کیلئے سلام کر لیا ہے)، تم غلط فہمی میں اسے کافر سمجھ کر قتل کر دینا چاہتے ہو شاید تم اس طرح مالِ غنیمت حاصل کرنے کی نیت رکھتے ہو تو مالِ غنیمت تو اللہ تعالےٰ کے یہاں بہت زیادہ ہے۔

تم اس کے مال و اسباب اور اس کے جانور و مویشی پر کیوں نظر رکھتے ہو، خبردار آیندہ ایسی کوئی بات نہ کرنا، بالفرض اگر تمہاری نظر اس کے مال و مویشی پر تھی تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مالِ غنیمت کی کوئی کمی نہیں ہے تم اللہ تعالیٰ کو راضی رکھکر اسکے خزانہ سے غنیمت حاصل کرو، اس کو ناراض کر کے غنیمت نہیں ملے گی۔ اور تمہیں اسلام سے پہلے کی اپنی حالت پر نظر رکھنی چاہئے تھی کہ تم نے آج جس شخص کو ذرا سی غلط فہمی میں قتل کر دیا ہے، اسلام سے پہلے تمہاری حالت بھی تو ایسی ہی تھی اگر اس وقت کوئی تمہارے بارے میں اسی طرح سوچ لیتا اور تمہارے کلمہ پڑھنے اور سلام کرنے کو جان بچانے کا بہانہ سمجھ بیٹھتا اور تمہیں قتل کر دیتا تو تم کیا کر لیتے۔

اللہ تعالیٰ نے تم پر فضل و احسان فرمایا کہ تمہیں اسلام کیطرف ہدایت فرمادی۔ اپنی شریعت و دینی احکام جاننے اور سیکھنے کی توفیق عطا فرمادی۔

لہٰذا آیندہ اگر ایسی کوئی صورت سامنے آئے تو سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا جلدبازی میں کسی کی جان اس طرح نہ لے لینا، ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کو اپنا نگراں سمجھتے رہو اس کی اطاعت و فرماں برداری کسی حالت میں بھی نہ چھوڑو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کام سے باخبر رہتے ہیں۔

اب اس آیت کا یہ شانِ نزول بھی بیان کر دیا جائے۔ یہ آیت ایک خاص واقعہ پر نازل ہوئی تھی۔ امام بخاریؒ نے مختصر طور پر اور بزار نے طویل روایت میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک "سریہ" (مجاہدین کی جماعت) بھیجا جس میں حضرت مقداد بن اسودؓ بھی شامل تھے۔ یہ جماعتِ مجاہدین جب وہاں پہونچی تو وہاں کے کفار و مشرکین سب پہلے ہی وہاں سے نکل بھاگے تھے۔ صرف ایک ہی شخص اس بستی میں باقی رہ گیا تھا جس کے پاس کافی مال و مویشی وغیرہ تھے اس نے ان مجاہدین کو دیکھتے ہی کلمہ شہادت بلند آواز سے پڑھ دیا کہ یہ لوگ مجھے مسلمان سمجھ لیں اور میرے اوپر ہاتھ نہ اٹھائیں لیکن حضرت مقداد نے جلدی سے اسے قتل کر دیا تو ان کے ساتھی نے

کہا بھی کہ آپ نے ایک ایسے آدمی کو قتل کر دیا جس نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا تھا، میں تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی ضرور اطلاع دوں گا چنانچہ جب یہ لوگ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپکو یہ اطلاع دی کہ اس طرح ایک شخص وہاں تھا جس نے کلمۂ شہادت پڑھ دیا تھا مگر مقداد نے اسے قتل کر دیا۔ آپ نے فرمایا: مقداد کو میرے پاس بلاؤ! انھیں بلایا گیا وہ آگئے تو آپ نے فرمایا کہ اے مقداد! کیا تم نے کسی ایسے آدمی کو قتل کر دیا جو کلمہ پڑھ رہا تھا؟ اگر اس کا یہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" پڑھنا قابلِ اعتبار نہ تھا تو کل قیامت میں تمہارے کلمہ پڑھنے کا اعتبار کیسے کیا جائیگا؟ اس موقع پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد سے فرمایا کہ یہ شخص صاحب ایمان تھا اپنی قوم کے کفار سے ایمان چھپا رہا تھا تم لوگوں کے سامنے اس نے ایمان ظاہر کر دیا تھا تم نے اس کو قتل کر دیا؟ آخر تم بھی تو اسی طرح مکہ میں اپنا ایمان چھپاتے تھے۔

لہٰذا اس آیت میں دی گئی یہ عظیم ہدایت اہل ایمان کو ہر وقت پیش نظر رکھنی چاہئے اور کوئی بات ہو یا معاملہ ہو مومن جو بات کہے یا سنے یا کوئی کام ہوتا ہوا دیکھے ہر موقع پر سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے اور اس بات سے برابر ڈرتا رہے کہ وہ کسی ایسی حرکت کا ارتکاب نہ کر بیٹھے جو اسے دوزخ میں پہنچادے لہٰذا اہلِ ایمان کو ہر حالت میں یہ آیت زیرِ عمل رکھنی چاہئے۔ اللہ تعالےٰ ہی حفاظت و مدد فرماتے ہیں۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پچیسویں⁽۲۵⁾ ندا

شہادت میں انصاف ملحوظ رکھنا واجب ہے اور چونکہ خواہشات کی پیروی انصاف میں رکاوٹ بنتی ہے اس لئے خواہشات کی پیروی حرام ہے

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

سورۂ نساء (آیت ۱۳۵) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

اے ایمان والو! قائم رہو انصاف پر شہادت اللہ کے واسطے دیا کرو اگرچہ وہ تمہاری ذات کے خلاف پڑے یا والدین یا قرابت والوں کے خلاف پڑے۔ اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج وفقیر ہے تو اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے لہٰذا خواہش کی پیروی نہ کرو انصاف کرنے کے معاملہ میں، اور اگر تم کج بیانی کرو یا پہلو تہی کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے۔

تشریح وتفسیر

آپ کو یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ یہ ندائے رحمانی نہایت درجہ مہتم بالشان ہے کیوں کہ یہ ہمیں شہادت دینے یا فیصلہ کرنے میں عدل و انصاف ملحوظ رکھنے کی بڑی تاکید کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہونا ضروری قرار دے رہی ہے۔ اور یہ عدل و انصاف قول و عمل اور فکر و

اعتقاد ہر معاملہ میں ہونا چاہئے لہٰذا جو شخص دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کر رہا ہو تو اسے اپنے فیصلہ میں انصاف ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی معاملہ میں گواہی وشہادت دے رہا ہو اسے اپنی شہادت وگواہی میں انصاف کرنا ضروری ہے۔ کوئی شخص اگر کسی کو کوئی خبر و اطلاع دے رہا ہو یا کوئی حکم دے رہا ہو تو یہ بھی انصاف کے ساتھ ہونا چاہئے کیونکہ یہ عدل و انصاف ایسی چیز ہے کہ زمین و آسمان کی بنیاد بھی اسی عدل پر قائم ہے چنانچہ خود حق تعالیٰ بھی اس آیت میں اہلِ ایمان کو ندا دیتے ہوئے انھیں اسی عدل گستری کا حکم دے رہے ہیں جیسا کہ اوپر کی آیت میں ہے کہ

" اے ایمان والو! عدل و انصاف کو سختی کے ساتھ قائم کرنے والے بن جاؤ "

مطلب یہ ہے کہ جب لوگوں کے درمیان کوئی حکم و فیصلہ کرنا ہو تو یہ فیصلہ عدل و انصاف پر مبنی ہونا چاہئے۔ اور اگر کسی معاملہ میں شہادت و گواہی دینی ہو تو یہ شہادت صرف اللہ کے واسطے دی جائے، کیونکہ اللہ کے کسی بندے کیلئے جو شہادت ہوگی وہ گویا اللہ کے لئے ہوگی۔ لہٰذا ادائے شہادت میں کسی پر ظلم و جور و ناانصافی ہرگز نہ ہونی چاہئے اگرچہ یہ شہادت خود تمہاری ذات کے خلاف ہی پڑ رہی ہو کیونکہ تم سب اللہ تعالےٰ کے بندے اور غلام ہو لہٰذا خلافِ انصاف کر کے تم اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔ یہ بات تمہارے سید و آقا حق تعالیٰ کو تمہارے لئے پسند نہ آئے گی۔

اور اپنی ذات پر یہ ظلم شہادت میں خلاف عدل و ناانصافی کے ظلم کا ارتکاب کر لینے ہی کیوجہ سے ہوگا لہٰذا تمہیں بہر صورت ہر حال میں عدل و انصاف ملحوظ رکھنا چاہئے چاہے تمہیں خود اپنی ذات، اپنے والدین، اپنے اقرباء کے خلاف ہی گواہی دینی پڑے، تمہیں خود اپنے معاملہ میں یہ اعتراف کر لینا چاہئے کہ تم نے یہ کام کیا ہے یا چھوڑا ہے، اسی طرح اپنے ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں بھی یہ اقرار کر لینا چاہئے کہ انھوں نے یہ کام کیا ہے اور یہ کام چھوڑا ہے۔ کسی کو بھی اپنے والدین کی فرماں برداری یا رشتہ داروں سے حسن سلوک کا جذبہ کسی موقع پر بھی صحیح و واقعی شہادت کو نہ چھپانے پر آمادہ کرے نہ ظلم و جور کے ساتھ اسے بدل دینے پر آمادہ کرے، اسی طرح گواہی دیتے وقت کسی شخص کے غریب یا مالدار ہونے کا بھی کوئی لحاظ خیال نہ کیا جائے گا جس طرح یہ لحاظ نہ ہوگا کہ فریقین میں سے کون ہمارا

قریبی رشتہ دار ہے کون دوری رشتہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی زیادہ حق رکھتا ہے کہ وہ فقیر کی فقیری کیوجہ سے اس پر احسان فرمادے یا مالدار کی مالداری واپس لے لے لہٰذا اہل ایمان کو یہ نہیں دیکھنا ہے کہ کون فقیر ہے تو یہ اس پر ترس کھا کر غلط گواہی دیدیں یا کون مالدار ہے کہ اس کی مالداری کے لالچ میں غلط گواہی دیدیں یہ باتیں تو اللہ تعالےٰ ہی کے سپرد کر دینی چاہئیں۔

آیت مذکورہ میں اللہ تعالےٰ نے فیصلہ کرنے یا شہادت دینے میں انصاف ملحوظ رکھنے کیطرف اہل ایمان کو متوجہ فرما کر صحیح رہنمائی فرمادی اس کے بعد ایک نہایت اہم اور ضروری بات یہ فرمائی ہے کہ دیکھو ان موقعوں پر خواہشِ نفس کی پیروی ہرگز نہ کرنا یعنی عدل و انصاف کو بالائے طاق رکھدو اور جو بات تم کو اچھی لگے اور تمہارا جی جو چاہے وہ فیصلہ کر دیا اس کے مطابق گواہی دو۔ اللہ تعالےٰ نے اس بات سے روکدیا کہ اپنی نام آوری و شہرت کیلئے یا مال حاصل کرنے کے لئے غلط فیصلہ اور غلط گواہی نہ دینا۔ اور اس بات سے بھی روکدیا کہ گواہی دینے میں حقیقت چھپانے کیلئے گول مول بات بھی نہ کہو اور نہ گواہی دینے سے کتراؤ کہ کچھ بات تو بتادو اور کچھ بات چھپالو کہ اس قسم کی شہادت سے بھی انصاف کا تقاضا پورا نہیں ہوتا اور یہ بات صاف نہیں ہوتی کہ تم نے فیصلہ و شہادت میں انصاف کیا ہے یا ظلم و زیادتی کر گئے ہو کیونکہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو اللہ تعالیٰ تمہاری ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے، اگر یہ بات دل میں بیٹھی رہے گی تو اللہ تعالےٰ کے احکام کی پابندی اور تقویٰ کی زندگی آسان رہے گی۔

اللہ تعالیٰ نے آیتِ مذکورہ کے علاوہ ایک دوسری آیت میں عدل و انصاف ملحوظ رکھنے کا حکم فرمایا ہے " اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا " الآیۃ۔

اس آیت میں دو حکم بیان ہوئے ہیں کہ ایک تو امانت سے متعلق ہے کہ جن کی امانت ہو وہ انھیں اسی طرح واپس کر دیا کرو، دوسرا حکم یہ ہے کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کی نوبت آئے تو وہ فیصلہ انصاف کے ساتھ کرو۔ اور ایک اور آیت بھی ہے۔

وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ ھُمْ "	آپ حکم فرمائیں انکے مابین اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے حکم کے مطابق اور لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں

اسی طرح گواہی چھپانے کی بھی ممانعت فرمائی ہے " وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ " کہ گواہی کو چھپاؤ نہیں، جو شخص گواہی چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہوگا اور اللہ تعالےٰ تمہارے کاموں کو جاننے والے ہیں۔

ایک حدیث شریف میں بھی جھوٹی گواہی کی شدید ممانعت آئی ہے کہ آپؐ نے اپنے صحابہ کو مخاطب فرماکر ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں بڑے گناہوں کی خبر نہ دوں؟ ان سب نے بیک زبان کہا ہاں ہاں ضرور! آپؐ نے فرمایا: خدا کے ساتھ کسی کو شریک بنانا۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ آپ اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: جھوٹ بولنا۔ جھوٹی گواہی دینا۔ اس بات کو آپ بار بار دہراتے رہے کہ حاضرین کہنے لگے کہ اچھا ہوتا آپ خاموشی اختیار فرما لیتے کہیں اس بارے میں کوئی ایسا حکم نہ آجائے جو ناقابلِ برداشت ہو جائے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی طلب کئے جانے سے پہلے ہی سچی بات بتادے۔ اسی بنا پر سمجھنا چاہئے کہ بدترین گواہ وہ ہے جو گواہی چھپا کر اپنے مسلمان بھائی کو حق سے محروم کر رہا ہو۔

آخر میں ہم آپ حضرات کے سامنے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ واقعہ نقل کرتے ہیں جو روایات میں آتا ہے (یہ حضرت عبداللہ بن رواحہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوتے تھے) وہ واقعہ یہ ہے:

حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان عبداللہ بن رواحہ کو اہلِ خیبر کے پاس بھیجا کہ وہ وہاں جا کر ان کے باغوں اور کھیتوں کی پیداوار اور اسکی مالیت کا تخمینہ لگائیں تاکہ اسی حساب سے جزیہ و خراج وغیرہ ان لوگوں سے وصول کیا جائے۔

اہلِ خیبر یہودی تھے جو روپئے پیسے کے بیحد لوبھی تھے اس موقع پر انھوں نے چاہا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو کچھ رشوت دیکر اپنے یہاں کی پیداوار اور اس کی مالیت کم لکھوالیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے جب ان کا مقصد سمجھ لیا تو فرمایا کہ سنو! میں تمہارے پاس ایسی ہستی کیطرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں جو میرے نزدیک خدا کی ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہے اور تم لوگ میرے نزدیک ان بندروں اور سوروں سے بھی زیادہ مبغوض اور قابلِ نفرت ہو جنھیں تم اپنا

دشمن سمجھتے ہو لیکن نہ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت انصاف کے خلاف مالیت زیادہ لکھوا سکتی ہے، نہ تمہاری دشمنی خلافِ انصاف کام کرا سکتی ہے از روئے انصاف جو مالیت میرے اندازہ میں آئے گی وہی لکھوں گا۔

یہ سُنکر ان یہودیوں نے بے اختیار یہ اقرار کیا کہ اسی انصاف ہی کی بدولت یہ زمین و آسمان قائم ہیں۔

لہٰذا ہمیں بھی اپنی زندگی میں یہی موقف اور یہی طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے دنیاوی زندگی ہمیں دھوکہ میں نہ ڈالے کہ ہم کوئی ظلم و جور کا طریقہ اختیار کریں۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

◆

۲۶
چھبیسویں نداء

اپنے ایمان کی تقویت اور اس پر ثابت قدم رہنے کی فکر وکوشش واجب ہے اور کفر وشرک سے دور رہنا ضروری ہے

* * *

سورۂ نساء (آیت ۱۳۶)

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِي نَزَّلَ عَلٰى رَسُولِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيٓ أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيدًا ○

اے ایمان والو! تم اعتقاد رکھو اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور اس کتاب کے ساتھ جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور ان کتابوں کے ساتھ جو اس نے پہلے نازل کی ہیں اور جو شخص اللہ تعالےٰ کا انکار کرے اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور روزِ قیامت کا (انکار کرے) تو وہ شخص گمراہی میں بڑی دور جا پڑا۔

تشریح وتفسیر

اس آیتِ شریفہ میں جو خطاب و نداء مذکور ہے اس کے مخاطب وہ اہل ایمان بھی ہیں جو سچے کامل الایمان ہیں جو صدق دل سے اللہ تعالےٰ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو اپنا نبی ورسول مانتے ہیں اللہ تعالےٰ نے انھیں ایمان کے عنوان سے مخاطب فرمایا ہے کہ یہی انکی صفت خاص ہے انھیں اسلئے خطاب فرمایا ہے کہ انھیں اپنے اسی ایمان پر ثابت قدم رہنے کا حکم دے جس کے نتیجہ میں ان کے ایمان میں تقویت اور زیادتی حاصل ہوتی رہے اور وہ ایمان کے اس بلند مقام تک پہنچ جائیں جسے یقین کہتے ہیں۔ اور اس آیت کے تحت وہ منافقین بھی شامل ہیں جو ظاہر میں تو مومن بنے ہوئے ہیں اور باطن میں وہ کافر ہی ہیں اور مدینہ شریف میں جہاں یہ سورہ نساء نازل ہوئی ہے وہ بڑی تعداد میں موجود تھے تو اللہ تعالےٰ نے ان منافقین کو بھی یہی حکم دیا کہ وہ بھی سچے دل سے ایمان لائیں کیونکہ صرف ظاہر میں ایمان لانا اور دل سے ایمان قبول نہ کرنا یہ ایمان نہیں ہے بلکہ یہ نفاق ہے اور کفر ہے تو اللہ تعالےٰ کی یہ شانِ رحمت ہے کہ وہ ان منافقوں کو بھی ایمان کے عنوان سے خطاب فرماتے ہوئے انھیں سچے دل سے ایمان لانے کا حکم دے رہا ہے کہ وہ بھی نیک بخت اور قابلِ نجات بن جائیں۔

اور اسی طرح یہ آیت ان یہود کو بھی شامل ہے جو بعض انبیاء ورسل پر تو ایمان رکھتے تھے اور بعض انبیاء کا انکار کرتے تھے چنانچہ یہ بات روایات میں آئی ہے کہ عبداللہ بن سلام اور آسد و اُسید (جو کعب کے بیٹے تھے) اور ثعلبہ بن قیس اور عبداللہ بن سلام کے بھانجے سلام اور ان کے بھتیجے سلمہ اور یامین بن یامین۔ یہ سب لوگ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! ہم سب آپ پر ایمان لاتے ہیں اور آپ کی کتاب (قرآن مجید) پر ایمان لاتے ہیں، حضرت موسیٰ اور توراۃ پر بھی ایمان لاتے ہیں اور اس کے سوا جتنے بھی رسول اور کتابیں ہیں ان کا انکار کرتے ہیں" تو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ "نہیں تم سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی کتاب قرآن مجید پر اور اس سے پہلے آنیوالی ہر کتاب پر ایمان لاؤ"۔ تو بولے کہ ہم یہ نہ کریں گے، اسوقت یہ آیتِ مذکورہ نازل ہوئی اس کے بعد وہ سب ایمان لے آئے۔ بہت ہی مبارک رہے یہ لوگ بلکہ ہر وہ شخص مبارک ہے جو انکی طرح دعوتِ حق کو قبول کرلے۔

آیتِ شریفہ کا یہ شانِ نزول اور اس سے متعلق مندرجہ بالا تفصیل جان لینے کے

بعد یہ بات صاف طور پر سامنے آجاتی ہے کہ آیتِ مذکورہ تین طبقوں کو شامل ہے۔

پہلا طبقہ ـــــــ سچے اہلِ ایمان اور سچے مسلمانوں کا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں ہیں۔

دوسرا طبقہ ـــــــ ان لوگوں کا ہے جو ظاہر میں مومن بنے ہوئے ہیں مگر دل سے وہ کافر ہیں۔ یہ منافق لوگ ہیں، ایسے منافق اب اس زمانے میں باقی نہیں رہے چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جب وفات پائی ہے تو اس وقت مدینہ شریف میں ایک شخص بھی منافق نہ تھا کیونکہ اس وقت تک ان کی بڑی تعداد ایمان لا چکی تھی اور اللہ تعالیٰ کے دامنِ رحمت میں آچکی تھی اور جو لوگ حالتِ نفاق ہی میں مرے تو وہ جہنم رسید ہوئے۔

تیسرا طبقہ ـــــــ ان یہود کا ہے جو مدینہ میں مقیم تھے، انھیں لوگوں میں سے یہ لوگ بھی تھے۔ جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جن کا ذکر نام بنام اوپر کیا جا چکا ہے۔

اب قرآن مجید کی یہ معجز بیانی قابلِ غور ہے کہ ایک "اٰمنوا" کا لفظ کس طرح ان تین قسم کے لوگوں کو اپنے مفہوم میں لئے ہوئے ہے اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ "قرآن مجید متعدد وجوہ رکھتا ہے"

آیت شریفہ ایمان بالکتاب کا حکم دیتے ہوئے دو فقرے اور انکی علیحدہ علیحدہ دو تعبیریں آئی ہیں۔

پہلا فقرہ "وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ" آیا ہے۔ اس موقع پر کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور اس کے نزول کو "نَزَّلَ" کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا فقرہ "وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ" ہے، اس سے وہ کتابیں مراد ہیں جو قرآن مجید سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں (توریت، زبور، انجیل وغیرہ) نزول کا بیان یہاں لفظ "اَنْزَلَ" سے کیا گیا ہے۔

ان تعبیروں میں جو فرق ہے اس کا نکتہ علمائے تفسیر و اہلِ بلاغت نے یہ بیان کیا ہے کہ چونکہ قرآن مجید کا دنیا میں نزول تدریجی طور پر حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے ہوا ہے اس کی تعبیر نَزَّلَ کے ساتھ کی گئی کیونکہ تنزیل کے لفظ میں تدریج کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اور دوسری آسمانی کتابیں مجموعی طور پر ایک ہی مرتبہ میں نازل کی گئی تھیں اسلئے اس کے بیان میں "اَنْزَلَ" کا لفظ استعمال کیا گیا کیونکہ انزال کے لفظ میں تدریج کا مفہوم ملحوظ نہیں ہے۔

آیت کے آخر میں "وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ" سے لیکر "وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" تک وہ ایمانیات بتلائے گئے ہیں جن پر ایمان رکھنا ہر صاحب ایمان کیلئے ضروری ہوتا ہے جنکا بیان سورۂ بقرہ کے آخری رکوع میں بھی کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر، اس کے تمام فرشتوں پر، اس کی جملہ کتابوں پر، اس کے تمام رسولوں پر، اور روزِ قیامت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ تقدیر و قضائے الٰہی پر ایمان کا ذکر ان دونوں موقعوں پر نہیں ہے، ایمان بالقدر کا ذکر سورۂ قمر میں آیا ہے (اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ)

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہئے کہ ایمانیات میں سے کسی ایک چیز کا انکار بھی موجب کفر ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص رسالت پر تو ایمان رکھتا ہے مگر منجملہ انبیاء کسی ایک کی نبوت کا منکر ہے تو وہ کافر ہے۔ کافروں کیلئے فرمایا گیا کہ ایسا شخص راہِ ہدایت سے بہت دور جا پڑا۔ اس آیت کے اس آخری فقرہ میں ایسے شخص کیلئے یہ بڑی سخت وعید اور دھمکی ہے جس میں یہ پہلو مضمر ہے کہ ایسے شخص کا راہ یاب ہونا بہت بعید ہے، ہاں جو گمراہی میں دور تک نہیں گیا ہے اس کے حق میں یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ راہ حق کیطرف آجائے اور نجات و سعادت سے بہرہ ور ہو جائے لیکن جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر کے مرتد ہو جائے اس کی گمراہی دور تک ہے، باقی نسلی کفار کی گمراہی قریب کی ہے اس لئے اگر دعوتِ حق پہنچ جائے تو ایمان لا سکتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ستائیسویں ۲۷ ندا

مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بنانا حرام ہے

اس سے ڈرایا گیا ہے

سُوْرَۃ نساء —— اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
(آیت ۱۴۴) —— بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ۝

اے ایمان والو! تم اہلِ ایمان (مسلمانوں) کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ (ایسا کر کے) تم اپنے خلاف کھلا ہوا ثبوت اللہ تعالےٰ کے لئے فراہم کردو۔

تشریح و تفسیر

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے ساتھ اپنے تعلق محبت و رحمت کی وجہ سے اس آیت میں بھی انھیں اہل ایمان کو اپنا مخاطب بنایا ہے جو اس کی ذات اور اس کی ہدایات پر ایمان و عمل کی پابندی قبول کئے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے اس آیت شریفہ میں اہل ایمان کو اس بات سے روکا ہے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں۔ دوست بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے دلی محبت نہ کریں انھیں اپنے سے بہت زیادہ قریب اور اپنا رازدار نہ بنائیں۔ (جیسا کہ چودھویں ندا میں تفصیل سے گذر چکا ہے) ان کی رہنمائی و نصیحت قبول نہ کریں (جیسا کہ بارہویں ندا میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے) یا ہر معاملہ میں ہر طرح سے اپنے مسلمان بھائیوں کو چھوڑ کر انھیں کافروں کی نصرت و مدد کی جائے۔ اس آیتِ مذکورہ کا مضمون سورۃ

آل عمران میں بھی اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ۝

اہل ایمان مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو شخص ایسا کرتا ہے تو اللہ سے اسے کوئی واسطہ نہیں ہے مگر ہاں اس صورت میں کہ تم کو ان (کافروں) سے کوئی ڈر اور خوف ہو (جس کی وجہ سے دوستی ظاہر کرو) اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتے ہیں اور اسی اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہوا کہ آیتِ مذکورہ میں موالاۃِ کفار (کافروں سے دوستی) کی جو ممانعت و حرمت بیان ہوئی ہے اس حکم حرمت میں یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ اگر کسی جگہ اور کسی وقت کسی شخص کو کفار سے کسی نقصان و ضرر کا خوف و خطرہ ہو تو اس کے لئے یہ گنجائش ہے کہ وہ دوستی کا مظاہرہ کرتا رہے مثلاً کوئی شخص ایسی جگہ رہتا ہو جہاں کفر کا اقتدار و غلبہ ہو تو ایسے شخص کیلئے یہ اجازت ہے کہ وہ ان سے اس انداز میں معاملہ رکھے کہ زبان سے انکی جانبداری و دوستی ظاہر کرتا رہے لیکن اس کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ یہ انداز صرف ظاہر میں ہو دل سے وہ اپنے ایمان پر قائم و ثابت قدم رہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آیت میں آئے ہوئے لفظ "تقاۃ" کی تفسیر میں یہی بات فرمائی ہے کہ زبان سے ان کے ساتھ دوستی ظاہر کرے لیکن اسکے دل کو اطمینان ایمان ہی پر ہو، کوئی ایسی بات بھی نہ کرے جس سے گنہگار ہو اور نہ کوئی ایسی بات ہی کہے کہ وہاں قتل کر دیا جائے۔

اس موقع پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ کفار سے موالاۃ و دوستی کا یہ حکم مستقل اور دائمی نہیں ہے بلکہ جب اہل ایمان بالکل ضعف کی حالت میں ہوں اس وقت تک کیلئے ہے اور صرف اسی حد تک ہے کہ ان سے نرم و رواداری کی بات کی جائے، باقی ان سے دلی محبت رکھنا، انکی مدد و نصرت کرنا تو یہ بات کسی وقت بھی اس کے لئے استثناء نہیں ہے جب تک کہ وہ بھی اہل ایمان میں داخل نہ ہو جائیں۔

اب ہم ان دونوں وعیدوں اور دھمکیوں کا بیان کرتے ہیں جو ان دونوں آیتوں (آیت مذکورہ متعلقہ سورۃ نساء اور آیت سورۃ آل عمران) میں بیان کی گئی ہیں۔

سورۂ نساء کی مذکورہ آیت (جو اس ستائیسویں نداء میں آئی ہے) میں اللہ تعالے نے یوں تہدید فرمائی ہے کہ "کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ تم کفار سے محبت و دوستی کر کے اپنے خلاف کھلا ہوا ثبوت اللہ تعالیٰ کیلئے فراہم کردو" اور اللہ تعالیٰ کو حجت ہو جائے کہ وہ تمہیں اس جرم کی جو سزا دینا چاہے دے حالانکہ تم اپنے ایمان کیوجہ سے اللہ تعالیٰ کے دوست ہو تو پھر کیا ہو گا۔

اگر یہ نداء ظاہری ایمان والوں کو دی جا رہی ہے جو فی الحقیقت منافق و کافر ہیں تو اسکا مطلب یہ ہو گا کہ اگر تم لوگ کفار کی دوستی سے باز نہ آئے اور اس منافقانہ روش کو نہ چھوڑا تو پھر اللہ تعالیٰ اسی قرآن میں حقیقتِ حال ظاہر فرما دیں گے اور اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو تم پر مسلط فرما دیں گے جو تمہیں سزائیں دیں گے، تمہیں ذلیل و رسوا کریں گے یہاں تک کہ تمہیں قتل بھی کریں گے۔

اور اگر آیت کا رخ خالص اور حقیقی ایمان والوں کیطرف رکھا جائے تو اس وقت یہ آیت اہلِ ایمان کو کفار کی محبت و دوستی سے ہمیشہ کیلئے متنبہ کر رہی ہے جہاں بھی ہوں ان کفار سے دوستی و محبت کا علاقہ رکھنا حرام ہی رہے گا۔ پھر یہ اہلِ ایمان اگر اس سے متنبہ نہیں ہوتے اور اس ممانعت اور وعید کی پرواہ نہیں کرتے تو اللہ تعالے انھیں بھی جس قسم کے عذاب میں مبتلا کرنا چاہے گا مبتلا کرے گا چنانچہ تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ اللہ تعالے نے کفار کی اسی دوستی کے نتیجہ میں اندلس میں کیسے کیسے سخت قسم کے عذاب سے دوچار کیا تھا کہ وہ لوگ وہاں قتل بھی کئے گئے وہاں سے مارے اور بھگائے بھی گئے اور اندلس کو اہلِ ایمان سے خالی کرالیا گیا اور یہ سب اسی لئے ہوا تھا کہ وہاں کے مسلمانوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستی کی تھی اور ان سے مدد و نصرت کے طالب ہوئے تھے۔

اور یہ صرف اندلس ہی میں نہیں ہوا بلکہ اہلِ ایمان کے ساتھ یہ عبرتناک صورتیں دوسرے متعدد ملکوں میں بھی پیش آئیں کیونکہ ان لوگوں نے بھی اہلِ کفر سے دوستی نہ کرنے کے معاملہ میں اللہ تعالے کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ ان کفار کی مشابہت اختیار کی انکی معاشرت اپنائی ان سے محبت و دوستی بڑھائی ان کی مدد و نصرت کی ان کے کہے میں رہے یہانتک کہ پھر ان لوگوں نے انھیں ذلیل

و بے عزت کیا۔

اور یہ مسلمان آج تک ہر جگہ بے عزت و ذلیل ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے خدا اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی والی زندگی اختیار کر رکھی ہے یہ مسلمان خدائی قانون چھوڑ کر اب انھیں کافروں کے قوانین اپنائے ہوئے ہیں اور اس کا منشاء ہی اہلِ کفر کی محبت و دوستی ہے۔ اب اس تحذیر و وعید کو دیکھئے جو سورۂ آل عمران کی آیت میں دی گئی ہے اور اسی مضمون میں اوپر گذر چکی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے یعنی وہ تمہیں اپنی سزا اور عذاب و عتاب سے ڈراتا ہے، اگر تم نے اس کے احکام کی تعمیل نہ کی اور جن باتوں سے منع کیا اور روکا ہے اس سے نہ باز آئے یعنی کافروں سے بے تعلقی نہ برتی اور ان کی محبت و دوستی کا دم بھرتے رہے، اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف اپنے کافر دوستوں ہی کی نصرت و مدد کرتے رہے تو پھر اللہ کے عذاب سے بھی ڈرتے رہو کیونکہ جو شخص اللہ کے دشمنوں سے دوستی کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ بالواسطہ اللہ تعالے سے دشمنی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی ولایت و دوستی کی رسی خود کاٹ رہا ہے تو ایسے بندے کے لئے آپ کیا کہیں گے کہ یا تو یہ صورت تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کا ولی اور دوست تھا یا اب وہی اللہ اس کا دشمن ہو گیا ہے (اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی حالت سے پناہ میں رکھے) ایسے شخص کا انجام رسوائی و ذلت، کمزوری و پستی کے سوا اور کیا ہو گا؟ اور یہ شخص بھی اسی طرح اللہ تعالے کے پاس لوٹ کر جائیگا جس طرح اس کے سوا دوسرے لوگ جائیں گے اور جس کی حاضری اللہ تعالے کے سامنے ہونی ہو اور وہ ایسا ہو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی کی ہو اس کی حکم عدولی بھی کی ہو اسکی اطاعت کی پابندی سے نکل گیا ہو اب اسے وہ چیزیں محبوب ہیں جو اللہ کو ناپسند ہوں اور وہ چیزیں اسے ناگوار و ناپسند ہوں جو اللہ تعالے کو پسند اور محبوب ہوں وہ اللہ کے دشمنوں کو دوست بناتا اور اس کے دوستوں کو دشمن سمجھتا ہو تو سمجھ لیجئے کہ اس کی واپسی کیسی ہو گی اور کہاں کے لئے ہو گی؟ یہ تو دنیا کی ذلت و رسوائی اور آخرت کا عذاب ہو گی۔

لہٰذا ہم اہلِ ایمان کو اللہ تعالے سے ڈرنا چاہئے، اس کے احکام کی پابندی

اور روکی ہوئی باتوں سے پرہیز واجتناب کی زندگی اختیار کرنی چاہیئے۔
اللہ تعالیٰ نے جس طرح صاف صاف لفظوں میں ہمیں موالاتِ کفار سے ڈرایا ہے اور جس طرح اسکی خلاف ورزی پر متنبہ کیا ہے تو اب ہمارے لئے کیا کوئی عُذر باقی رہ جاتا ہے؟ جواب یہی ہے کہ نہیں ہمارے لئے اب کوئی عذر باقی نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ نے اس کا برا انجام ہمیں مختلف ملکوں میں دکھلا بھی دیا ہے کہ کفار کو ہم پر مسلط کردیا ہے جنھوں نے ہمارے ملکوں کو نو آبادیات قرار دیکر ہمیں خوب لوٹا ہے اور طرح طرح کی ایذا رسانیوں کی ہم پر مشق کی ہے، آئندہ یہ تاریخ پھر نہ دہرائی جاسکے اس سے پہلے ہی ہمیں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرلینا چاہیئے۔

وسلامٌ علی المرسلین والحمد للہ ربّ العٰلمین

◆

اٹھائیسویں (۲۸) نداء

عہد کی پابندی اور اس کا پورا کرنا واجب ہے

آیت میں مستثنیٰ جانوروں کے علاوہ بقیہ جانوروں کا حلال رکھنا اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہے

{سورۃ مائدۃ
آیت (۱)}

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا
بِالْعُقُوْدِ اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ الْاَنْعَامِ
اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ غَیْرَ مُحِلِّی
الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ اِنَّ اللّٰہَ
یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ۝

اے ایمان والو! عہد کو پورا کرو، تمہارے لئے تمام چوپائے (اونٹ، گائے، بھینس، بکری وغیرہ) حلال کردیئے گئے ہیں سوا ان کے جن کا ذکر آگے آتا ہے لیکن شکار کو حالتِ احرام میں حلال نہ سمجھ لینا، بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہیں وہ حکم کریں۔

تشریح وتفسیر

اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں بھی اپنے ان اہلِ ایمان کو ندا دی ہے جو اس کی ذات اور روزِ حشر اس سے ملاقات پر ایمان رکھتے ہوں اور، اس کے رسول پر ایمان واعتقاد رکھتے ہوں اور اللہ تعالےٰ نے اپنے دوستوں کیلئے جو وعدے فرما رکھے ہیں ان پر ایمان رکھتے ہوں کیونکہ وہی دوست بن رہے تو اس کے فرماں بردار ہیں اور وہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی ان وعیدوں پر ایمان رکھتے ہیں جو اس نے اپنے دشمنوں کو دی ہیں یہ دشمن تمام اہلِ کفر وشرک ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے ان بندوں کو ایمان کے عنوان سے نداء دی ہے اس لئے کہ اس نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ وہ انھیں ایسے احکام کا پابند کرے جس پر صرف اہلِ ایمان ہی قدرت رکھتے ہیں کیونکہ ان کے ایمان کیوجہ سے انھیں حیاتِ کاملِ ملی ہوئی ہے اور اسی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی ولایت ودوستی

کے مستحق بنے ہوئے ہیں۔ آپ کو کچھ معلوم ہے کہ اللہ تعالےٰ انھیں کس بات کا مکلف و پابند بنا رہے ہیں؟ اس کا جواب بھی سن لیجئے! اللہ تعالیٰ اس آیت کے ذریعہ اپنے مومن بندوں کو ایک بہت بڑی بات کا مکلف بنا رہے ہیں اور وہ ہے عقد وعہد کی پابندی کرنا اور انھیں پورا کرنا۔ ان میں سے پہلے نمبر پر وفائے عہد ہے؟ وہ عہد جو خود اللہ تعالےٰ کے اور تمام بنی آدم کے درمیان ہوا تھا، جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے سورۂ نحل میں اس ایفائے عہد کا مطالبہ فرمایا ہے۔

وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ

اللہ سے کیا ہوا وہ عہد پورا کرو جو تم کر چکے ہو۔

اور اسی سورۂ مائدہ میں یوں یاد دلایا ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

اور یاد کرو اللہ کے انعام کو جو تم پر ہے اور اسکے اس عہد و پیمان کو جو تم نے اس سے باندھا تھا جب تم نے یہ کہا تھا کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، اللہ سے ڈرو بیشک اللہ تعالیٰ دلوں کی بات جانتا ہے۔

اللہ کی جس نعمت کو اس آیت میں یاد دلایا گیا ہے وہ نعمت اللہ پر ایمان واسلام اور اس کی عبادت میں کیفیت احسان ملحوظ رکھنا ہے۔

اور اس سے کیا ہوا عہد و میثاق یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے یہ عہد لیا تھا کہ وہ صرف اسی ایک اللہ کی عبادت کرینگے کسی اور کو شریک نہ بنائیں گے۔" لہٰذا جو شخص بھی "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کی شہادت دیتا ہے تو اس شہادت کے ذریعہ وہ گویا اللہ تعالےٰ سے ایک عہد و پیمان کر لیتا ہے کہ وہ صرف خدائے واحد ہی کی عبادت اس طریقہ کے مطابق کرے گا جو حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم لیکر آئے ہیں اور ان تمام احکام کی پابندی کرے گا جو آپ کے ذریعہ آئے ہیں۔

اسی طرح جب کوئی شخص کوئی نذر مانتا ہے تو وہ بھی اپنے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ایک عہد و میثاق کر لیتا ہے لہٰذا وہ عہد بھی اسے پورا کرنا ضروری ہے، روزے کی نذر مانی ہو تو روزے رکھے، نفل نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو تو نماز پڑھے، سرحدی چھاؤنی پر رہنے کی نذر مانی ہو تو سرحد کی حفاظت کا فریضہ ادا کرے، صدقہ کی نذر

ہو تو صدقہ دے اور اگر نذر پوری کرنے سے عاجز ہو تو کفارہ ادا کرے (یعنی یا تو دس فقیروں کو کھانا کھلائے یا فی کس پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت فقیروں کو دے یا تین روزے رکھے) اور اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرے

اور جس طرح اللہ تعالےٰ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو نباہنا اور پورا کرنا ضروری ہے اسی طرح لوگوں میں باہم جو عہد و پیمان حدودِ شریعت میں کئے جائیں ان کا بھی پورا کرنا واجب و ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں تمام ہی عہود کے ایفاء کا حکم دیا ہے خاص کر جن عہدوں میں قسم بھی کھالی گئی ہو ان کا پورا کرنا اور بھی زیادہ ضروری ہے یا ان عہدوں کا پورا کرنا بھی زیادہ ضروری ہے جو انسانی حقوق سے تعلق رکھتے ہوں جیسے حقوقِ نکاح یا خرید و فروخت کی وجہ سے جو حق حاصل ہوا ہو اسی طرح امانتوں کا بھی معاملہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس امانت کی واپسی اس پر واجب ہے امانت میں خیانت کرنا اور امانت کو ضائع و ہلاک کرنا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (سورۂ نساء)

اللہ تعالےٰ تم کو اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو۔

اور فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۂ انفال)

اے ایمان والو! تم اللہ و رسول کے حقوق میں خلل نہ ڈالو اور اپنی قابلِ حفاظت چیزوں میں خلل نہ ڈالو اور تم تو (اس کا مضر ہونا) جانتے ہی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے عقود کے ایفاء کا جو حکم دیا ہے اسے سمجھنے کیلئے حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (جو کہ کبارِ تابعین میں سے ہیں) جو بات ارشاد فرمائی ہے وہ نظر میں رکھنی چاہئے۔ انھوں نے فرمایا کہ عقود سے مراد لین دین اور خرید و فروخت کی وجہ سے جو حقوق آدمی خود اپنے ذمہ واجب کر لیتا ہے مثلاً خرید و فروخت، اجارہ اور کرایہ کا معاملہ، نکاح و طلاق، کھیتی باڑی اور مصالحت وغیرہ کے ذریعہ جو حقوق واجب ہو جائیں انھیں بھی پورا کرنا ضروری ہے۔

حضرت حسن بصریؒ کی یہ تشریح جملہ قسم کے عقود و عہود کو شامل ہے اسے اچھی طرح

یاد رکھا جائے۔

آیتِ شریفہ مذکورہ بالا میں اللہ تعالےٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "تمہارے لئے ان جانوروں کو چھوڑ کر جن کا ذکر آگے کیا گیا ہے بقیہ تمام چوپائے تمہارے لئے حلال کر دیئے گئے ہیں"۔ اور ان چوپایوں سے مراد اونٹ، گائے بھینس، بھیڑ، بکری ہے۔ اور جن جانوروں کو اس حِلّت کے حکم سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اور جنھیں حرام ٹھہرایا گیا ہے وہ یہ ہیں:

مَیتۃ (مردار) منخنقۃ (جس کا گلا گھونٹ کر مارا گیا ہو) موقوذہ (جو کسی ضرب سے مر جائے) متردیہ (جو اونچے سے گر کر مر جائے) نطیحہ (جو کسی ٹکر سے مر جائے) اور جس کو کسی درندے نے کھا کر چھوڑ دیا ہو (اور اگر وہ جانور زندہ ہو اور ذبح کر لیا جائے تو حلال ہے)

ان جانوروں کی حرمت اسی شمارہ میں چند آیات کے بعد بیان کی گئی ہے، اسی طرح وہ جانور بھی حرام ہیں جو پرستش گاہوں پر ذبح کئے جائیں یا جو غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے ذبح کئے جائیں جیسے وہ جانور جو بتوں کیلئے ذبح ہوں یا قبروں پر ذبح کئے جائیں یہ سب حرام ہیں۔

آیتِ مذکورہ میں حلال جانوروں کا گوشت حلال ہونے کا انعام بیان فرمانے کے ساتھ ایک قید یہ لگا دی ہے "غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ" یعنی یہ کہ احرام کی حالت میں شکار کا گوشت اپنے لئے حلال نہ سمجھ لینا، شکار کا گوشت ویسے تو حلال ہے لیکن حالتِ احرام میں اسکا کھانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ شکار کا فعل اور مشغلہ ایسا مشغلہ ہے جس میں انسان کچھ اس طرح منہمک اور مشغول ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی یاد سے اسے غفلت ہو جاتی ہے بعض اوقات نماز بھی بر وقت پڑھنا دشوار ہو جاتا ہے اور حالتِ احرام اللہ تعالےٰ کے سامنے اظہار عبودیت کی ایک خاص صورت ہے، اس حالت میں اللہ تعالےٰ کے ذکر اور اس کی یاد سے غفلت بہت بڑی غفلت ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے حالتِ احرام میں شکار کرنے، یا شکار کا پتہ نشان بتانے یا شکار کا گوشت کھانے ان سب باتوں کو حرام کر دیا کہ اس کی یاد میں خلل نہ پڑے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے پنجہ رکھنے والے جانوروں اور پرندوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ تو جو جانور قرآن مجید میں یا زبانِ رسالت سے حدیث شریف میں حرام قرار دیدیئے گئے ہیں ان سب کا گوشت حرام ہے۔ شکار کئے ہوئے حلال جانوروں کا گوشت اگرچہ ویسے تو حرام نہیں ہے لیکن حالتِ احرام میں یہ بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح اور دوسرے جانور حرام ہیں جنکی حرمت قرآن وحدیث میں بیان کر دی گئی ہے۔

آیتِ مذکورہ کا خاتمہ اس فقرہ پر ہوا ہے "إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ" (اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں حکم دیتے ہیں) کسی کو اس میں چون وچرا کی گنجائش بالکل نہیں ہے وہ جس چیز کو چاہیں مباح وجائز رکھیں جسے چاہیں منع فرمادیں، جسے چاہیں حلال یا حرام کریں وہ جسے مباح کرنا چاہتے ہیں اسے مباح رکھتے ہیں، جسے حرام قرار دینا چاہتے ہیں حرام کر دیتے ہیں اس میں کسی انسان کو دخل دینے اور اپنی رائے پیش کرنے کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔

اب ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم ان احکام سے واقف ہوں تاکہ اللہ ورسول کے احکام کی پابندی کر سکیں کہ تقاضائے ایمان یہی ہے کہ ہم اپنی باگ ڈور اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کے ہاتھ میں دیدیں اور ان کی مرضی کے مطابق زندگی گذاریں۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ

انتیسویں (۲۹) ندا

اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے جنکی حرمت منسوخ ہوچکی ہے انھیں چھوڑ کر بقیہ شعائر کی حرمت کو برقرار رکھنا انھیں حلال نہ سمجھنا ضروری ہے احرام سے حلال ہوجانیکے بعد شکار حلال ہے نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون واجب اور گناہ وظلم میں تعاون حرام ہے

سورۂ مائدہ (آیت ۲) اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ وَلَا الشَّھْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْھَدْیَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَا آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرِضْوَانًا وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اَنْ تَعْتَدُوْا وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝

(سورۂ مائدہ)

اے ایمان والو! خدا تعالیٰ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ قابلِ احترام مہینوں کی، اور نہ حرم میں قربانی ہونیوالے جانوروں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلوں میں پٹے پڑے ہوئے ہیں اور نہ ان لوگوں کی جو بیت الحرام کے قصد سے جارہے ہوں اپنے رب کے فضل ورضا کے طالب ہوں اور جس وقت تم احرام کھول دو تو شکار کرلو اور ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جو بغض اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے تم کو مسجد حرام جانے سے روک دیا تھا تو یہ بات اس کا باعث بن جائے کہ تم حد سے تجاوز کر جاؤ تم نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کرو اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً وہ سخت سزا دینے والے ہیں۔

تشریح وتفسیر

اس آیت شریفہ میں متعدد اہم ہدایات بیان فرمائی گئی ہیں جنھیں ذیل میں ہم نمبروار بیان کرتے ہیں۔

۱ـــــ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو قابلِ احترام ٹھہرایا ہے انکی بے حرمتی کرکے انھیں حلال نہ بناؤ۔ یہ شعائر اللہ وہ تمام باتیں ہیں جو دین میں فرض یا واجب قرار دی گئی ہوں یا انکی نہی وممانعت فرماکر انھیں حرام قرار دیدیا گیا ہو دونوں ہی صورتوں میں ان احکام کی خلاف ورزی شعائر اللہ کی پامالی قرار پائیگی لہٰذا نماز، روزہ، حج وعمرہ، زکوٰۃ وجہاد وغیرہ میں سے کسی چیز کا بھی ترک کرنا اور چھوڑ دینا حلال نہیں ہے اسی طرح والدین کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ یا رشتہ داروں سے رشتہ داری نباہنا بھی شعائر اللہ کے تحت آتے ہیں ان کا ترک بھی حلال نہیں ہے۔

اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائی ہیں جیسے سود، زنا، جھوٹ، فریب، چوری خیانت، گالی گلوج، کسی کو بے عزت وبے آبرو کرنا وغیرہ کو حلال سمجھنا بھی شعائر اللہ کی پامالی سمجھا جائیگا۔

۲ـــــ ان شعائرِ دین میں سے بعض شعائر کا احترام اب باقی نہیں رہا ہے یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے جیسے اشہرِ حُرم (رجب، شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ) کا احترام پہلے ضروری تھا ان مہینوں میں قتال حرام تھا لیکن یہ حکم اب باقی نہیں رہا ہے اب اگر کسی وقت کوئی دشمن ان مہینوں میں آمادۂ جنگ ہوجائے گا تو اہلِ ایمان کو بھی اجازت ہوگئی ہے کہ وہ اس سے جنگ کرسکتے ہیں۔

اسی طرح حج کے موقع پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ حج کی قربانی والے جانور لوگ اپنے ساتھ لیکر جاتے ہیں اور اس بات کی نشانی کیلئے کہ یہ قربانی کے جانور ہیں ان

کے گلوں میں کوئی پٹہ وغیرہ ڈال دیتے ہیں کہ لوگ ان جانوروں سے تعرض نہ کریں پہلے مسلمانوں کو بھی اس بات کی تاکید تھی کہ وہ مشرکین کے ایسے جانوروں کا احترام ملحوظ رکھیں لیکن یہ حکم بھی بعد میں منسوخ ہوگیا ہے اور اب تو مشرکین کا بذاتِ خود داخلہ مسجدِ حرام اور ارض حرم میں ممنوع ہے جب وہ خود داخل نہیں ہوسکتے تو اب ان کی ہدی (قربانی کے جانور) کیسے وہاں داخل ہوں گے۔

ہدی اس جانور کو کہتے ہیں جو حج کی قربانی کیلئے حج کرنیوالا اپنے ساتھ لیکر جائے۔ اور قلائد کا لفظ قلادہ کی جمع ہے۔ قربانی کے جانور کے گلے میں جو پٹہ وغیرہ نشانی کے طور پر ڈالدیتے ہیں کہ معلوم ہوجائے کہ یہ ہدی کا جانور ہے۔

۳ ـــــــ یہ بات بھی ملحوظ رہتی تھی کہ جو شخص حج کیلئے آرہا ہو اس سے کوئی تعرض اور روک ٹوک نہ کی جائے مگر اب کافر و مشرک کا ارض حرم ہی میں داخلہ ممنوع ہوچکا ہے ان کے علاوہ اہلِ اسلام میں سے کسی حج کرنیوالے کو نہ روکا جائے گا۔

۴ ـــــــ چوتھی ہدایت یہ ہے کہ جو شخص حج و عمرہ سے فارغ ہوجانیکی وجہ سے احرام سے باہر ہوچکا ہو وہ اب شکار کرنا یا شکار کا گوشت کھانا چاہے تو اب اس کیلئے اجازت ہے احرام کی حالت میں یہ باتیں ممنوع تھیں۔

۵ ـــــــ پانچویں ہدایت یہ ہے کہ دشمن پر بھی کوئی زیادتی نہ ہونی چاہئے لہٰذا اگر کسی شخص کا کوئی دشمن ہو تو یہ بات جائز نہیں ہے کہ اس پر ظلم و جور کرے ہاں اگر وہ ظلم و زیادتی کررہا ہو تو اتنا ہی بدلہ اس سے لیا جاسکتا ہے اس سے زیادہ ظلم کرنا جائز نہیں ہے " وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ " سے جو ہدایت دی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے اور یہ صورت صلح حدیبیہ کے موقع پر پیش آئی تھی جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ عمرہ کرنے مدینہ سے تشریف لائے تھے اور کفار مکہ نے آپ کو روک دیا تھا اس واقعہ کے پیشِ نظر اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو اس بات سے ڈرایا ہے کہ ان کفار کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان کے ساتھ ظلم و زیادتی کر بیٹھو، اب جبکہ صلح ہوگئی ہے ایسی کوئی غلط بات نہ ہونی چاہیے۔

۶ ـــــــ چھٹی ہدایت یہ ہے کہ مسلمانوں میں نیکی اور تقویٰ کی باتوں میں باہم تعاون رکھنا واجب ہے نیکی اور بھلائی سب مل کر پھیلانیکی کوشش کریں، نیکی

ے جو بھی کام ہوں وہ اسی تعاون باہم کے ساتھ ہونے چاہئیں، صدقات کی رقم ہو یا امداد باہمی کا چندہ وغیرہ ہو ان میں تعاون باہم کے جذبے سے کام کیا جائے غریبوں کو قرض دیا جائے یا ویسے ہی ان کے ساتھ سلوک کردیا جائے یہ نیکی ہی کے کام ہیں۔

اور تقویٰ میں تعاون کا مطلب یہ ہے کہ اللہ و رسول کی اطاعت کی جائے ان کے اوامر و نواہی کے مطابق عمل کرنے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں یہ تعاون گویا اقامت دین میں تعاون ہوگا لہٰذا اگر کسی وقت دین کا کوئی فرض و واجب چھوڑ دیا گیا ہو یا کوئی حق ترک ہورہا ہو تو مسلمانوں پر واجب ہوگا کہ وہ اس واجب یا حق کو قائم کرنے کیلئے ایک دوسرے کا تعاون کریں کیونکہ سارے ہی مسلمان مجموعی طور پر امۃ واحدہ اور ملت واحدہ ہیں اگر کسی ایک مسلمان کا حق مارا جارہا ہے تو امت کے ایک فرد کا حق مارا جارہا ہے، اس کا حق دلانے کیلئے سب کو تعاون کرنا ضروری ہے۔

۷ ـــــــ ساتویں ہدایت یہ ہے کہ گناہ اور ظلم کے کاموں میں تعاون کرنا حرام ہے گناہ سے مراد یہاں پر تمام کبائر ہیں جیسے زنا، سود، چوری، غیبت، چغلی، واجبات کا ترک اور دوسرے حرام کاموں کا ارتکاب نکاح و شادی کی تقریبات میں کھانے پینے اور پہننے میں یہ وہ گناہ ہیں جن میں کسی طرح کا تعاون جائز نہیں ہے نہ ایسی چیزوں کے ایجاد کرنے میں تعاون جائز ہے نہ انھیں استعمال کرنے میں تعاون جائز ہے۔

اور ظلم و زیادتی کی صورت یہ بھی ہے کہ لوگوں کی جانوں پر زیادتی کی جائے یا انکی عزت و آبرو لینے میں ان پر زیادتی کی جائے یا ان کا مال زبردستی حاصل کیا جائے تو ان تمام صورتوں میں جو شخص کسی پر ظلم کررہا ہو تو اس کا ساتھ نہ دیا جائے بلکہ ایسے لوگوں کیطرف توجہ بھی نہ کی جائے اللہ تعالیٰ نے ظالموں کیطرف متوجہ اور مائل ہونے کو بھی منع فرمایا ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔	ظالموں کیطرف جھکو بھی نہیں کہ تمہیں بھی دوزخ کا عذاب پہونچ جائے۔

یہ رکون جس کی ممانعت اس آیت میں کی گئی ہے یہ اس کیطرف مائل ہونے اور اس کے ظلم پر راضی رہنے سے ظاہر ہوجاتا ہے۔

۸۔ ــــــ آٹھویں ہدایت اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرنے کی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے " وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ "

تقویٰ کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ورسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے ساتھ ساتھ اولی الامر حاکم شرعی کی بھی اطاعت کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا حکم دیا ہے یا اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں کا حکم دیا ہے ان پر عمل کرنے اور جن باتوں سے منع کیا ہے ان سے رکنے کی صورت میں تقویٰ پایا جائے گا۔

" اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ " فرما کر اللہ تعالےٰ نے اہل ایمان کو اس بات سے ڈرایا ہے کہ تم لوگ ان ہدایات پر عمل کیلئے آمادہ نہ ہوئے تو پھر سمجھ لو کہ اللہ تعالےٰ بہت سخت سزا دینے والے ہیں، قیامت میں جب سزا سامنے آئیگی تو شرمندہ ہونا پڑے گا اس وقت شرمندگی سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اسلئے ہمیں اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تیسویں (۳۰) نداء

وضو کی فرضیت اور اسکی کیفیت کا بیان

غسلِ جنابت کا وجوب، نواقضِ وضو

اور کیفیتِ تیمم کا بیان

سُوْرَۃُ مَائِدَہ (آیت ۶)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٥

اے ایمان والو! جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور اپنے پیروں کو ٹخنوں سمیت (دھوؤ) اور اگر تم ناپاکی کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو، اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص بیت الخلاء سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو اللہ تعالیٰ تم کو تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتے وہ تم کو پاک صاف رکھنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ تم پر اپنا انعام پورا کردیں تاکہ تم (اس کا) شکر ادا کرو۔

تشریح وتفسیر

اس آیتِ شریفہ میں اللہ تعالٰے نے متعدد معلومات کی تعلیم دی ہے جو تمام مسلمانوں کیلئے بہت ہی ضروری اور کارآمد ہیں امید یہی ہے کہ یہ تعلیمات آپ کو حاصل ہوں گی۔ اگر حاصل نہ ہوں تو اب انھیں ذہن نشیں فرمالیں کیونکہ جیساکہ اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے اللہ تعالٰے اپنے اہل ایمان بندوں کو پاک صاف رکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنے ان دوست بندوں سے راضی رہے اور جب وہ راضی ہوگیا تو پھر ان کا داخلہ جنت اور آخرت کی کامیابی بھی ہر مسلمان مرد وعورت کیلئے آسان ہو جائیگی۔ اب ہم ان باتوں کو یہاں بیان کرتے ہیں جو ہر مسلمان کیلئے بیحد ضروری ہیں اور اس آیتِ شریفہ میں بیان کی گئی ہیں۔

۱ ـــــ پہلی چیز یہ بتائی گئی ہے کہ جو مسلمان اپنے پروردگار کے حضور کھڑے ہو کر اس سے مناجات اور عرض معروض کرنا چاہتا ہو، نماز کی صورت میں قرآن مجید کی تلاوت اور قیام اور رکوع وسجود کرنا چاہتا ہو تو اس کے لئے وضو کرنا فرض ہے بشرطیکہ وہ جنابت کی حالت میں نہ ہو (جنابت کی صورت میں صرف وضو کافی نہ ہوگا غسل کرنا بھی ضروری ہوگا جیساکہ آگے آرہا ہے)

۲ ـــــ آیتِ شریفہ میں وضو کے فرائض بھی بتائے گئے ہیں کہ چار ہیں۔ پورا چہرہ دھونا، کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھونا، چوتھائی سر کا مسح کرنا، ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھونا۔ وضو کا طریقہ احادیث میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ پہلے گٹے تک دونوں ہاتھ تین بار دھوئے پھر تین بار کلی کرے پھر تین بار ناک میں پانی ڈالے اور ناک صاف کرے، پھر تین بار پورا چہرہ دھوئے (پیشانی سے لیکر ٹھڈی تک اور ایک کان کی لو سے لیکر دوسرے کان کی لو تک)

پھر کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھوئے پہلے داہنا ہاتھ دھوئے پھر بایاں دھوئے پھر کانوں سمیت پورے سر کا مسح کرے (مسح صرف ایک بار کرے) پھر ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھوئے، پہلے دایاں پاؤں پھر بایاں پاؤں دھوئے کیونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم استنجے کے علاوہ ہر کام میں داہنے سے ابتداء پسند فرماتے تھے۔

۳ ـــــ تیسری بات جنابت کی صورت میں غسل کا حکم ہے کہ جب شخص غسل کرے، جنب وہ شخص کہلاتا ہے جس نے بیوی سے مباشرت کی ہو (یعنی اس کا عضو خاص عورت کے مقام مخصوص میں داخل ہوگیا ہو۔ غسلِ جنابت کیلئے صرف دخول ہی کافی ہے پوری مباشرت اور انزال کی شرط نہیں ہے، اسی طرح جنب وہ شخص بھی ہے۔ جسے خواب میں یا ویسے ہی احتلام وانزال ہوگیا ہو یہ لوگ جنب کہلاتے ہیں مرد ہوں یا عورت غسل جنابت کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک تین بار بارادۂ غسل دھوئے پھر استنجے کے دونوں مقامات دھوئے پھر وضو کرے جیسے نماز کیلئے وضو کرتا ہے جس کا بیان ابھی اوپر ہو چکا ہے۔ پھر سر کے بالوں کے جڑیں ہاتھ میں پانی لیکر خلال کرے اور اس طرح بالوں کو تر کرلے ٹھنڈا پانی بہانے کی صورت میں اندیشہ ہے کہ ٹھنڈک نقصان کر جائے اور زکام ہو جائے پھر کانوں سمیت پورا سر تین بار دھوئے پھر بدن کی داہنی کروٹ سر سے پاؤں تک اور پھر بائیں کروٹ سر سے پاؤں تک دھوتے اور اس بات کا اہتمام کرے کہ جن مقامات تک پانی آسانی سے نہ پہنچتا ہو وہاں پانی پہنچالے جیسے بغل میں یا گھٹنوں کے نچلے حصہ میں اسی طرح ناف میں رانوں کی جڑ میں پانی پہنچائے ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلال وضو کے وقت کرلیا جائے۔

۴ ـــــ نواقضِ وضو۔ جس کا بیان "اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ" سے کیا گیا ہے کیوں کہ بیت الخلاء سے آنیکا مقصد یہی ہے کہ وہاں سے پیشاب، پاخانہ کرکے آیا ہے یا ہوا خارج ہوئی ہے تو ان صورتوں میں اگر وہ پہلے سے باوضو تھا تو اب وضو ٹوٹ گیا ہے اور اگر پہلے ہی سے بے وضو تھا تو جب نماز پڑھنے لگے اسکو وضو کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح سے طواف کیلئے اور قرآن شریف کو ہاتھ لگانے کیلئے وضو ضروری ہے۔

ـ اگر ایسی نیند آجائے کہ اسے ہوا خارج ہونے کا احساس بھی نہ ہو یا کسی چیز کا سہارا لئے ہوئے سو جائے تو ان صورتوں میں بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۵ ـــــ پانچویں بات تیمم کی فرضیت ہے کہ اگر کسی وقت کسی شخص کے پاس کھانے پینے کی ضرورت سے زائد پانی موجود نہ ہو اور آس پاس ایک میل تک کہیں پانی نہ ہو یا پانی کچھ فاصلہ پر ہے لیکن وہ لا نہیں سکتا کہ راستہ میں کوئی خطرہ ہے یا وہ شخص مریض ہے اور وضو کرنے سے مرض کے بڑھ جانے کا خطرہ ہے تو یہ لوگ وضو کی جگہ تیمم کریں گے۔

۶ــــــ **تیمم کا طریقہ**: یہ ہے کہ اپنی دونوں ہتھیلیاں مٹی پر مارے، مٹی نہ ہو تو پتھر پر ہاتھ مارے، ساتھ ہی ساتھ بسم اللہ بھی کہے اور یہ ہتھیلیاں ایک بار چہرہ پر پھیر لے، پھر دوبارہ اسی طرح دونوں ہتھیلیاں مٹی یا پتھر پر مارے اور کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں پر پھیر لے۔ تیمم ہو گیا اگر معذوری و مجبوری میں غسل کی جگہ تیمم کرنا ہو تو اس کا بھی یہی طریقہ ہے۔

(نوٹ) اکثر فقہا جن میں فقہائے احناف بھی شامل ہیں تیمم کیلئے دو بار مٹی پر ہاتھ مارنا ہی صحیح سمجھتے ہیں۔

۷ــــــ اللہ تعالےٰ کا یہ لطف و احسان قابلِ غور ہے کہ اس نے اہلِ ایمان کو وضو یا تیمم کا پابند بنانے کے بعد اس طرح ان کی دل جوئی بھی فرما دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حرج و تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتے بلکہ وہ صرف تمہاری طہارت و پاکیزگی کیلئے یہ حکم دے رہے ہیں کہ تم ظاہری و باطنی دونوں ہی طور پر پاک و صاف رہو۔ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ تم کو زندگی بھر کے متعلق ضروری احکام کی ہدایت فرما کر اسلامی تعلیمات کی تکمیل فرما کر تم پر اپنی نعمتوں کا اتمام بھی فرما دیں جو تمہارے لئے دارین میں ہر قسم کی سعادت اور حقیقی راحت و مسرت کا ذریعہ ہے۔

آخر میں یہ بڑے کام کی بات بھی سن لیجئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے وضو کیا اور وضو میں تمام سنتوں اور آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہترین طور پر وضو کیا پھر آسمان کیطرف نظر اٹھا کر کلمہ شہادت کے ساتھ یہ دعا پڑھی:

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ:

تو اس شخص کیلئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

یہ دعا یاد رکھیں اور اسے اپنا معمول بنا لیں، یہ بڑا قیمتی خزانہ ہے

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

اِکتیسویں نِدا (۳۱)

فیصلہ کرنے اور شہادت دینے میں عدل واجب ہے

بُغض و عَداوت کیوجہ سے ناانصافی حرام ہے

اللہ کا تقویٰ ضروری ہے

سورۂ مائدہ
(آیت ۸)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

اے ایمان والو! اللہ کیلئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے رہو اور خاص لوگوں کی عداوت تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، اللہ سے ڈرو بلاشبہ اللہ کو تمہارے تمام کاموں کی پوری اطلاع ہے۔

تشریح و تفسیر

اس سے پہلے پچیسویں ندا میں بھی اللہ تعالےٰ نے اہل ایمان کو عدل و انصاف کا حکم فرمایا تھا۔ اب اس آیت میں بھی تقریباً ویسے ہی الفاظ میں اسی طرح عدل کا دوبارہ حکم فرمایا ہے اس سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عدل و انصاف کی اہمیت و ضرورت اور عظمت شان کس درجہ بڑھی ہوئی ہے یہاں تک کہ زمین و آسمان کا قیام بھی اسی عدل و

انصاف کی بدولت ہے، اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے دوبارہ اس آیت میں دی ہوئی ہدایت کیطرف توجہ فرمائیے کہ اس ندا میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام احکام پر عمل درآمد کرنے کا حکم دیا ہے جو اس نے عبادات واخلاق اور آداب سے متعلق اپنے مومن بندوں پر فرض کئے ہیں اس مقصد کیلئے انھیں قوّام کے لفظ سے یاد فرمایا ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ جو شخص تمام حقوق وواجبات ادا کرتا ہو۔

اور قوّامین کے ساتھ للہ فرمایا تاکہ شرک کی نفی ہو جائے یعنی ان حقوق وواجبات کی ادائیگی صرف اللہ تعالےٰ کیلئے ہو اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان حقوق وواجبات کی ادائیگی میں عدل کا ہونا ضروری قرار دیا ہے اسی طرح شہادت وگواہی میں بھی عدل وانصاف کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے کیونکہ بہت سے حقوق کی صحیح طور پر ادائیگی کیلئے شہادت وگواہی بھی درکار ہوتی ہے تو اگر شہادت میں عدل کو ملحوظ نہ رکھا جائے گا تو بہت سے حقوق ضائع اور پامال ہو جائینگے۔ شہادت وگواہی میں یہ فرق بھی نہ ہوگا کہ جس کیلئے شہادت دی جا رہی ہے وہ مسلمان ہے یا کافر؟ وہ مالدار ہے یا فقیر؟ کوئی بھی ہو اس کی گواہی میں عدل وانصاف ملحوظ رکھا جائیگا کیونکہ اللہ کے بندے تو سب ہی ہیں جس طرح مسلمان اللہ کا بندہ ہے، کافر بھی تو اسی کا بندہ ہے تو اللہ تعالیٰ اس بات کی اجازت کسی کو نہیں دینگے کہ وہ اس بندے کی کوئی حق تلفی کر کے ظلم کرے۔ گواہی میں عدل وانصاف ملحوظ رکھنے میں خاص نکتہ یہی ہے اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

اب اس کے بعد اس بات پر غور کیجئے جو اگلے فقرے میں ارشاد فرمائی گئی ہے کہ کسی قوم سے دشمنی تم کو اس بات پر ہرگز آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ ناانصافی کر گذرو یعنی کافروں کی عداوت ودشمنی کا یہ تقاضا ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ ان کے معاملہ کا فیصلہ کرنے یا ان کے معاملہ کی گواہی دینے میں ان پر ظلم وناانصافی کر ڈالو۔

فیصلہ اور شہادت کے موقع پر عدل وانصاف کو اس حد تک اہمیت دی گئی ہے کہ چونکہ قاضی کا فیصلہ یا تو قصوروار کے خود اپنے اقرار کیوجہ سے ہوتا ہے یا دو مسلم گواہوں کی گواہی پر ہوتا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی وجہ سے تقاضائے انصاف ملحوظ نہ رہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے عدل کیلئے ایک بار حکم دینے کے بعد مکرر حکم دیا اور اَنْ لَا تَعْدِلُوْا

فرمانے کے بعد ہی "اِعْدِلُوْا" فرماکر پہلے حکم کی تاکید فرمادی اور هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی فرماکر اس کا ایک اور فائدہ بتادیا کہ یہ عدل تقویٰ سے بہت ہی قریب کر دینے والی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی ولایت ودوستی کا خاص رکن ہے کیونکہ ہمیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اولیاء اللہ وہی مومن ہوتے ہیں جو متقی ہوں اور جو لوگ فاسق وفاجر اور کافر ومشرک ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں۔

اسلئے ہر وہ چیز جس کیوجہ سے اللہ تعالیٰ کا تقویٰ دل میں پیدا ہو سکے اسے اختیار کرنا واجب ہے جس کی پابندی کیلئے بار بار تاکیدی حکم فرمایا گیا ہے اس میں کسی طرح کی کمی نہ ہونی چاہئے۔

ہماری اس تشریح کی صحت اس بات سے بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں دی ہوئی ہدایت کو حکم تقویٰ پر ختم فرمایا ہے ارشاد فرمایا ہے: "وَاتَّقُوا اللّٰهَ" یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اگر تمہارے دل میں خدا کا خوف اور تقویٰ موجود ہوگا تو تمہارے لئے خدا اور رسول کے جملہ اوامر ونواہی اور تمام احکام پر عمل کرنا آسان ہو جائیگا جس کا تمہیں مکلف بنایا گیا ہے، احکام کی یہ تکلیف خدا تعالیٰ کے تقویٰ کی برکت سے آسان ہو جائیگی خاص طور پر اس آیت میں دیئے ہوئے حکم (فیصلہ وشہادت میں عدل کا لحاظ رکھنا) پر عمل آسان ہو جائے گا۔

اب ہم کو یہاں پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف وتقویٰ جو بندوں کو ادائے واجبات اور ادائے حقوق وامانات کیلئے ابھارتا اور آمادہ کرتا ہے یہ خوف وتقویٰ ایسی چیز نہیں ہے جس کا حاصل کرنا ہمارے اختیار میں نہ ہو بلکہ اسے طلب کر کے حاصل کیا جاسکتا ہے اس کی طلب وتحصیل کا طریقہ مندرجہ ذیل باتوں کا ہر دم استحضار رکھنے اور ہر وقت اس کے لئے فکر وتوجہ کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

۱ــــــ اللہ تعالےٰ کی قدرتِ کاملہ کا ہر وقت دل میں استحضار رہنا چاہئے کہ اسے کوئی صورت اور کوئی چیز عاجز وبے بس نہیں کر سکتی ہر چیز اور ہر صورت پر اسے قدرت حاصل ہے۔

۲ــــــ یہ بات ہر وقت مستحضر اور پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ ہم انسان اپنے ہر کام اور اپنی ہر ضرورت میں اپنی کمزوری وبے بسی کیوجہ سے اللہ ہی کے محتاج ہیں حتیٰ کہ سانس

لینا جو بظاہر بہت معمولی کام ہے یہ سانس بھی اللہ کی مدد کے بغیر ہم نہیں لے سکتے۔

۳ ــــ اللہ تعالیٰ نے فاسقوں اور کافروں کو جس جس سزا سے ڈرایا ہے ہر وقت اسے مستحضر رکھیں۔

۴ ــــ اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کو جس جس طرح عذاب دیکر ہلاک اور تباہ کیا ہے اسے یاد کرتے رہیں۔

۵ ــــ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جس جس طرح دنیا میں بھی عزت و کمال اور سرداری پر فائز و کامیاب ہوئے ہیں اور آخرت میں ان کیلئے جو کچھ کامیابی و انعام متوقع ہے اسے یاد کرتے رہیں، یہ ذکر دل و زبان دونوں ہی سے ہونا چاہئے صرف زبانی تذکرہ کافی نہیں ہے جب دل میں خدا کا خوف پیدا ہو جائیگا تو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ بھی آجائے گا اور اعتقادات و عبادات و معاملات ہر شعبۂ دین میں خدا و رسول کی اطاعت ہونے لگے گی ہر شعبہ میں خدا و رسول کی معصیت و نافرمانی سے گریز و اجتناب ہونے لگے گا جس کے لئے اللہ تعالےٰ نے آخر میں اس طرح خبردار بھی فرمادیا ہے "وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ" اللہ تعالےٰ تمہارے تمام کاموں کی پوری پوری خبر رکھتے ہیں۔

یہ مراقبہ و فکر گناہوں سے بچنے اور نیک کاموں کے کرنے میں بہت زیادہ مددگار ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے ہر کام کے وقت یہ مراقبہ کرتا رہے گا تو وہ حقیقی معنیٰ میں متقی اور اللہ تعالےٰ کا دوست ہو جائے گا جسے نہ کوئی خوف ہوگا نہ رنج و غم ہوگا اللہ تعالےٰ ہمیں ایسے ہی لوگوں میں بنا دے۔ اٰمین

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

(۳۲) بتیسویں ندا

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنیکے لئے انھیں یاد کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور اللہ کا تقویٰ اور اس پر توکل و اعتماد کا حکم

سورۂ مائدہ
آیت ۱۱

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

اے ایمان والو! اللہ تعالےٰ کے اس انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے جبکہ ایک قوم نے ارادہ کر لیا تھا کہ تم پر دست درازی کریں سو اللہ نے انکی دست درازی کو تم سے روک دیا اور اللہ تعالےٰ سے ڈرو اور ایمان والوں کو اللہ تعالےٰ ہی پر اعتماد اور بھروسہ رکھنا چاہئے۔

تشریح و تفسیر

گذشتہ صفحات میں "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" کی بار بار تشریح جس طرح کی ہے اور اس کے نکتہ خاص کیطرف ہم نے جس طرح متوجہ کیا ہے اس سے یہ بات آپ پر اچھی طرح ظاہر ہو گئی ہے کہ ان آیات ندا میں اللہ تعالیٰ کا خاص مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کو (جو اسکی ذات اور قیامت میں اس کی ملاقات پر ایمان و یقین رکھتے ہیں) ایسے امور کیلئے ہدایت دینا ہوتا ہے جن سے اہل ایمان کے اخلاق و آداب اور دولت و حکومت کو

قوت وکمال حاصل ہو اور جو دنیا و آخرت میں انکی سعادت ونجات کا سبب بنیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان اہلِ ایمان بندوں کا مالک و پروردگار ہے اور ہر مالک اپنے مملوک و غلام کی سعادت وکمال ہی کا ارادہ کیا کرتا ہے چنانچہ اب اس آیت میں آئی ہوئی ندا پر غور کے ساتھ توجہ فرمائیے اور دیکھئے کہ اللہ تعالےٰ نے یہاں یہ ندا کس لئے دی ہے؟ اس کی یہ ندا اس عظیم نعمت کی یاد دہانی کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو مرحمت فرمائی ہے اس طرح گویا ہر مومن مرد وعورت کو یہ حکم دیدیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرتا رہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ شکر گذاری اسی وقت دل سے ہو سکے گی جب شکر ادا کرنے والے کو وہ نعمت بھی معلوم ہو جس پر وہ شکر ادا کر رہا ہے اسلئے اللہ تعالےٰ نے بھی اس نعمت پر شکر کا حکم دینے کے بعد ہی متصلاً اس نعمت کا ذکر بھی اس طرح فرمادیا۔ کہ جب ایک قوم نے تم پر دست درازی کا پختہ ارادہ کر لیا تھا تو اللہ تعالےٰ نے انکی دست درازی کو غیب سے روک دیا اور وہ دست درازی نہ کر سکے ان کا وہ سارا منصوبہ ہی ناکام ہوگیا۔ کفار کیطرف سے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ کئی بار تیار کیا گیا اور ہر مرتبہ اللہ تعالےٰ نے ان کے ہاتھوں کو روک دیا اور وہ اپنے ارادوں میں ناکام رہ گئے۔ آپ کے قتل کرنیکے منصوبوں میں سے ایک منصوبہ تو غورث بن الحارث کا مشہور قصہ ہے جو بخاری شریف میں بھی مذکور ہے کہ:

غورث اعرابی نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ کے موقع پر سفر اور جنگ کا تکان دور کرنیکے لئے ایک درخت کے سایہ میں آرام فرما تھے، آپ کے رفقاء حضرات صحابہؓ بھی متفرق درختوں کے نیچے سایہ میں تکان دور کر رہے تھے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار مبارک درخت کی شاخ میں لٹکا دی تھی اور آرام فرما رہے تھے، غورث اعرابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپہونچا اور آپکی تلوار درخت سے اتار کر نیام سے باہر نکال لی اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیطرف متوجہ ہوا اور بولا "مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ" کون تم کو مجھ سے بچائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "اللہ عزوجل بچائے گا"۔ غورث اعرابی نے وہی جملہ تین بار دہرایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار اسے یہی جواب دیتے رہے کہ مجھے اللہ عزوجل بچائے گا"۔

غورث اعرابی پر آپ کے اس پُراعتماد جواب کا اور اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کا کچھ

ایسا رعب پڑا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر گر گئی اور وہ چپ چاپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آکر بیٹھ گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ اس کی طرف سے پھیر لیا اور اپنے صحابہ کرام کو بلایا اور یہ سارا واقعہ سنایا اور وہ غورث اعرابی آپ کے بغل ہی میں بیٹھا ہوا تھا۔ آپنے اسے کوئی سزا نہ دی نہ کچھ کہا، ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگوں نے جو آپ کے قتل کا ارادہ رکھتے تھے اسے اسی مقصد کیلئے بھیجا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس معجزاتی طور پر قتل سے بچ جانا یقیناً اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت تھی جو اس وقت آپ کو زندہ سلامت بچا کر مسلمانوں کو مرحمت ہوئی۔

ایک دوسرا واقعہ: یہ ہے کہ قبیلہ بنو نضیر کے یہود سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاہدہ فرما لیا تھا جس کی رو سے انھیں مدینہ میں قیام کی اجازت دیدی گئی تھی اسی سلسلہ میں ایک بار آپ قبیلہ بنی نضیر میں تشریف لے گئے تھے اس موقع پر ان یہود نے ایک سازش پہلے سے تیار کر لی تھی اور منصوبہ یہ تھا کہ جس دوران آپ وہاں تشریف فرما رہیں آپ کے اوپر چکی اوپر سے گرادی جائے اور نعوذ باللہ منہ اس طرح آپ کو ختم کر دیا جائے۔ آپ حسب نظام وہاں تشریف لے گئے اور گفتگو ہو رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی انکی سازش سے آپکو مطلع فرمادیا اور بالکل اچانک اپنے اصحاب کو ساتھ لیکر اس جگہ سے اٹھ گئے اور وہ منصوبہ ناکام ہوگیا ان کی اس سازش نے انکے دل میں چھپی ہوئی عداوت و دشمنی کو بے نقاب کر دیا تھا اسلئے اب ان لوگوں سے کسی قسم کے معاہدہ کا کوئی سوال ہی نہ تھا آپ نے انھیں مدینہ خالی کرنے کا حکم دے دیا اور وہ لوگ وہاں سے نکال دیئے گئے اور شام میں جا کر آباد ہوئے۔

ایک تیسرا قصہ: ایک بار یہود نے باہم مشورہ سے سازش کی اور آپکی جان لینے کیلئے آپ کو زہر کھلانے کا منصوبہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو ان کے منصوبہ سے باخبر فرمادیا اور آپ انکی شرارت سے محفوظ رہ گئے۔

اس قسم کے یہ تین واقعات ہوئے جن میں اللہ تعالیٰ نے آپکی بے بہا زندگی کی حفاظت فرمائی اور آپ کے وجودِ مبارک کی نعمت حضرات صحابہ و اہل ایمان پر اس وقت تک کیلئے باقی رکھی جب تک اللہ تعالیٰ نے اپنے دین و شریعت کی تکمیل نہ فرمادی تکمیلِ دین جب ہوگئی جس کا اعلان اس آیت میں ہوگیا "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (آج کے دن میں نے تمہارے دین کو پورا کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دینِ اسلام پسند کر دیا)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وقت موعود پر آپکی ناسوتی زندگی پوری کر دی اور آپ کے حجرہ شریفہ میں ہی آپکی وفات ہو گئی اور وہیں آپ دفن ہو گئے بعد میں اپنے اپنے وقت آپ کے اصحاب میں سے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی آپ کے پہلو میں دفن کر دیئے گئے۔

ان مذکورہ بالا نعمتوں کی یاد دہانی فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! اللہ کی اس نعمت کو جو تمہارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کے قتل کے منصوبوں سے حفاظت فرمانے کی شکل میں تم پر کی گئی ہے اس نعمت کو برابر یاد کرتے رہو جب ایک قوم نے تم پر دست درازی و دست اندازی کا پکا ارادہ کر لیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تمہیں نقصان پہونچانے سے روک دیا تھا۔

یہاں ایک خاص نکتہ قابلِ لحاظ اور لائقِ غور یہ ہے کہ واقعات سے تو یہ بات ثابت ہے کہ ان شریروں نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم پر دست درازی کر کے آپکی حیاتِ مبارک کو ختم کرنا چاہا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے عنوان یہ اختیار فرمایا کہ وہ دشمنانِ خدا اور اعداءِ دین تم مسلمانوں پر دست درازی کرنا چاہتے تھے جسے ہم نے روک دیا۔ اس عنوان میں یہ اشارہ ہے کہ اہلِ ایمان تمہارا تقاضائے ایمان یہی ہے کہ ایسے مواقع میں تم میں ہر شخص آپ پر فدا ہو جائے خواہ مرد ہو یا عورت اسلئے تم تو یہی سمجھو کہ گویا تمکو ہی آپ پر فدا ہو جانیکی نوبت آرہی تھی ہماری رحمت سے وہ موقع نہیں آیا گویا تمہاری ہی جان بچا دی گئی۔ اسی وجہ سے ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ ایمان کے ساتھ خود انکی ذات سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو تقویٰ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے "وَاتَّقُوا اللّٰهَ" اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ تعالےٰ کے تقویٰ میں اس کی خوشنودی و رضا کا حصول ہوتا ہے اور اہل ایمان کو اس کی وہ ولایت حاصل ہو جاتی ہے جو حیاتِ دنیوی اور حیاتِ اخروی دونوں ہی زندگیوں میں سعادت کا سبب ہوتی ہے لہٰذا ہمیں اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔

دوسرا حکم اہلِ ایمان کو توکل کیلئے فرمایا گیا ہے کہ اہلِ ایمان اپنے ہر معاملہ میں صرف اللہ تعالیٰ ہی پر توکل و اعتماد اور بھروسہ رکھیں اس کے سوا کسی دوسرے پر ہرگز ہرگز اعتماد نہ کریں کیونکہ غیر اللہ ہی پر اعتماد کرنے سے ذلت و ناکامی اور بربادی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

ضرورت ہے کہ اہلِ ایمان اس اہم نکتہ پر اچھی طرح غور کریں تو انھیں خود اندازہ ہو جائیگا کہ آج ہر طرف ہماری ذلت و ناکامی اور تباہی و بربادی کی بہت بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قوت و قدرت پر اعتماد کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے اور ہمارا سارا اعتماد صرف مادی اسباب پر ہے یا ان انسانوں پر ہے جو مادی وسائل کے ذخیرہ اندوز ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب ہم نے اپنے دل سے اللہ تعالےٰ کے اعتماد کو نکال دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی قدرت و قوت کا ہاتھ ہمارے سروں پر سے اٹھا لیا جس کا انجام ذلت و ناکامی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اسے ہر وقت دلنشیں رکھنا چاہئے کہ یہی ہر سعادت کا زینہ اور ہر قسم کی نعمت کی کنجی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپکو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

* * *

تیتیسویں (۳۳) ندار

اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کا حکم اور اس کا وسیلہ طلب کرنے کا حکم، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کا حکم

{ سورۂ مائدہ
آیت ۳۵ }

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥	اے ایمان والو! اللہ تعالےٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرو، امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

تشریح و تفسیر

ندار جس عنوان سے کی جاتی ہے اس کا خاص نکتہ بار بار دہرایا جا چکا ہے آپ کے ذہن میں یقیناً محفوظ ہو گا کہ اس کا راز یہی ہے کہ مومن اپنے ایمان کی بدولت اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اسے اپنی ندار اور اپنے خطاب خاص سے نوازیں کیونکہ اس کے ایمان نے اسے ایسی زندگی بخش دی ہے جس کی بدولت وہ اللہ تعالےٰ کے ہر خطاب کو سن بھی سکتا اور سمجھ کر اس پر عمل پیرا بھی ہو سکتا ہے اور کافر تو جیسے مردہ ہے کہ نہ تو وہ کوئی بات سن سکتا ہے نہ سمجھتا ہے نہ اس پر عمل کرتا ہے اور یہ بات بھی آپ کو ضرور یاد ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کی ہر ندا اور ہر خطاب کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کو یا تو کسی کام کا حکم دینا چاہتے ہیں یا کسی کام سے انھیں روکنا اور بچانا چاہتے ہیں یا انھیں کوئی خوش خبری دینا یا ڈرانا مقصود ہوتا ہے اور یہ بات بھی یقیناً ذہن نشین ہو گی کہ جن کاموں کا حکم دیا جاتا ہے وہ ایسے کام ہوتے ہیں جن سے اہلِ ایمان کے قلوب و نفوس کا تزکیہ ہوتا ہے اور جن کاموں سے روکا جاتا ہے وہ ایسے ہوتے ہیں جن سے نفوس آلودہ اور خراب ہوتے ہیں۔ بشارت پر جو امور مشتمل ہوتے ہیں وہ اہلِ ایمان کو نیکیوں کیطرف رغبت دلاتے ہیں۔ اور اگر کہیں اہلِ ایمان کو ڈرایا جاتا ہے تو اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اللہ کے بندے گناہوں کے ارتکاب سے بچتے ہیں، جن سے نفوس گندے اور آلودہ ہوتے ہوں۔ اب ملاحظہ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں کیا حکم دیا ہے۔ وہ فرماتا ہے:

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اس ڈر اور خوف کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ خوف تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری پر آمادہ کرتا رہے گا اور اسکی یہ اطاعت ہی ایسی چیز ہے جو تمہیں اللہ تعالےٰ کے غضب و عقاب سے دنیا و آخرت میں محفوظ رکھ سکتی ہے۔

آیتِ مذکورہ میں تقویٰ کے حکم کے ساتھ ساتھ اہلِ ایمان کو ایک ایسی چیز کا بھی حکم دیا ہے جس کی وجہ سے انھیں دنیا و آخرت میں بلند درجات اور عالی منازل و مقامات مل سکیں اور وہ چیز ہے "تقرب بالنوافل" جسے آیتِ شریفہ میں "وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ" کے جملہ میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی نفل عبادات (نفل نماز و روزہ، نفل صدقات اور نفل حج و عمرہ، نفل ذکر و دعا وغیرہ) کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے میں لگے رہو۔

اس تشریح کے مطابق اس آیت میں آئے ہوئے لفظ "وسیلہ" کی تفسیر جملہ عباداتِ نافلہ سے کی گئی ہے کہ نفل عبادات کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ اور ذریعہ بناؤ۔

اس موقع پر اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے جو بہت سے لوگوں نے لفظِ "وسیلہ" کے غلط سہارا لیتے ہوئے لوگوں میں پھیلا دی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ امتِ مسلمہ میں عام طور پر دینی تعلیمات کے معاملہ میں جہالت کا غلبہ ہے اس لئے بہت سے ایسے اعمال و افعال جن میں شرک کا ظہور کام کر رہا ہے وہ "وسیلہ"

قرار دے کر عمل میں لائے جا رہے ہیں۔ اور جہالت کیوجہ سے حقیقتِ حال سے بے خبر ہیں۔ جہالت کی حد یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ قرآن شریف جو کتابِ ہدایت ہے اور ہدایتِ انسانی کیلئے نازل کیا گیا ہے وہ اب صرف مُردوں پر پڑھا جاتا ہے اور پھر طاقوں میں رکھ دیا جاتا ہے۔ حدیث شریف بھی اگر پڑھی جاتی ہے تو صرف تبرک کے طور پر پڑھی جاتی ہے، اس سے مسائل نہیں سیکھے جاتے، اسلامی اخلاق و آداب کی تعلیم اس سے حاصل نہیں کی جاتی۔

جن امورِ شرکیہ کو لوگوں نے "وسیلہ" کا مصداق قرار دیدیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) جو حضرات وفات پا چکے ہیں ان کو پکارنا، ان سے دعا کرنا، ان سے استغاثہ اور مدد چاہنا۔ مثلاً ان سے یوں کہنا کہ اے فلاں بزرگ! میں آپ کا اور اللہ کا محتاج ہوں میرے لئے اللہ تعالےٰ سے یہ دعا کر دیجئے یا میرے لئے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کر دیجئے کہ میری حاجت وضرورت پوری ہو جائے۔

(۲) بزرگوں کا قرب حاصل کرنیکی نیت سے انکے نام پر قربانی کرنا اور یوں کہنا کہ یہ قربانی ان فلاں بزرگ کی روح کیلئے ہے" اور اگر قربانی سے تقرب اللہ تعالیٰ ہی کا منظور ہو بزرگوں کا تقرب اور خوشنودی مطلق منظور نہ ہو صرف ان کے نام ایصالِ ثواب کرنا ہو تو یہ صورت بھی جائز ہے مگر پہلی صورت "مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" میں داخل اور حرام ہے۔

(۳) بزرگوں کے نام کی نذر ماننا بھی شرک ہے کیونکہ فقہاء کی تصریح کے مطابق نذر بھی عبادت ہے اور ہر قسم کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہونی چاہئے غیر اللہ کے لئے شرک ہے۔ مثلاً یوں نذر مانی کہ اے فلاں بزرگ، اے سید بابا! اگر اللہ تعالیٰ نے میری مراد پوری کر دی تو آپ کے لئے ایک بکرا ذبح کروں گا یا آپ کے مزار پر موم بتی جلاؤں گا یا آپکی تُربت پر ریشمی چادر چڑھاؤں گا۔ یہ سب نذریں حرام و ناجائز ہیں۔

(۴) بزرگوں کی قسم کھانا فلاں بزرگ کی قسم فلاں بزرگ کے سرِ مبارک کی قسم وغیرہ وغیرہ۔ یہ بھی شرک میں داخل ہے کیونکہ قسم صرف اللہ تعالیٰ کی کھائی جانی چاہئے۔

(۵) بیماروں اور مریضوں کو بزرگوں کی قبروں اور مزاروں پر برکت کیلئے لے جانا اور انکی قبروں پر لوٹنا اور دعائیں کرنا اور ان سے شفا طلب کرنا۔ یہ تمام باتیں شرک کے شائبہ سے خالی نہیں ہیں۔

جسے ان لوگوں نے "توسل" کا نام دیدیا ہے کہ یہ سب اللہ تعالےٰ کے ساتھ توسل ہے جو اس کے نیک اور بزرگ بندوں کے ذریعہ حاصل کیا جا رہا ہے۔

ہماری ان باتوں کو یاد رکھئے اور ان سے بچئے اور یہ جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کیطرف توسل نیک کلموں کی ادائیگی اور طاعات وعبادات میں کثرت کر کے کیا جاتا ہے

جس سے غرض درجات کی بلندی اور محبوب وپسندیدہ چیزوں کا حصول ہے وسیلہ کی بحث میں یہ بات بھی آجانی چاہئے کہ آیت کی تفسیر میں حضرات مفسّرین نے وسیلہ کی تفسیر تو طاعات وعبادات ہی سے کی ہے لیکن "وسیلہ" جنت کا ایک بلند ترین درجہ کا بھی نام ہے جو عرشِ الٰہی کے قریب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے میرے لئے اس درجہ کے حاصل ہونیکی دعا کرے گا میں اس کیلئے قیامت میں شفاعت کردوں گا۔ پوری حدیث اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب مؤذن اذان دے تو اذان کے کلمات تم بھی دہراؤ پھر مجھ پر درود بھیجکر یہ دعا پڑھو: "اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَاً الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ) اگر کوئی شخص ایسا کہے گا تو اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہو جائیگی (اَوْ کَمَا قَالَ)

آیتِ شریفہ میں تیسرا حکم جہاد فی سبیل اللہ کا ہے، اس جہاد سے مراد وہ جہاد ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت اور اس کے غلبہ کیلئے ان کفار سے کیا جاتا ہے جو اسلام کے ان احکام کو ماننے کیلئے تیار نہ ہوں جو اہلِ کفر سے متعلق ہیں، اہلِ کفر کو دعوتِ اسلام دی جاتی ہے اور اس دعوت کا منشا۔ اللہ تعالیٰ کی ان کے ساتھ رحمت ہی ہے کہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ اس کا کوئی بندہ عذابِ دوزخ میں مبتلا ہو اور اسی کے ساتھ جہاد فساق بھی شامل ہے یعنی انھیں بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا جائے گا اور کہیں اس کے لئے جہاد کی بھی ضرورت ہو تو ان سے بھی جہاد کیا جائے گا اسی طرح شیطان کی تسویل وتزین کے پیشِ نظر شیطان سے بھی جہاد ہو گا جسے صوفیاء کی اصطلاح میں مجاہدہ کہا جاتا ہے، اسی ذیل میں نفس کے ساتھ کا جہاد بھی آتا ہے جو سب جہادوں سے بڑھکر ہے۔ مومن جب تک جہاد نفسی میں کامیاب نہ ہو گا جہاد شیطان اور جہاد کفار میں کامیابی نہ ہوسکے گی اور یہ جہادِ نفس وجہاد شیطان اسوقت تک نہ ہوسکے گا جب تک بندہ کو فرائض ومحرمات واجبات ومکروہات کا صحیح علم نہ ہو گا کہ خود اس پر عمل کرے اور دوسروں کو بتائے اس جہاد کی جزا لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ میں بتائی گئی ہے کہ آخرت کی کامیابی ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(۳۴)
چونتیسویں نداء

یہود ونصاریٰ کو دوست بنانا حرام ہے
اور
اسکی علت کا بیان انکی دوستی سے ڈرانا

{ سُوْرَۃُ مَآئِدَہ
آیت ۵۱ }

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ کو دوست بناؤ وہ ایک دوسرے کے باہم دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا تو یقیناً وہ انھیں میں سے ہو گا بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سمجھ نہیں دیتے جو اپنا نقصان کر رہے ہیں۔

تشریح وتفسیر

آپ کے علم میں یہ بات تو آہی چکی ہے کہ بندہ سے اللہ تعالیٰ کی دوستی پکی اور پختہ ایمان اور تقویٰ کامل ہی کی بنیاد پر استوار ہوتی ہے اور یہ بات بھی گذشتہ آیات کی تشریح وتفسیر میں واضح ہوچکی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھتا ہو اس پر یہ بات حرام ہے کہ وہ اللہ کے دشمنوں سے دوستی کا معاملہ رکھے۔ اور یہود ونصاریٰ کے بارے میں یہ بات کسی ثبوت ودلیل کی محتاج نہیں ہے کہ یہ دونوں ہی فرقے اللہ تعالےٰ کے اور اس کے دین اور اس کے رسول کے پکے دشمن ہیں، یہود کی دشمنی تو اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ انھوں نے

متعدد انبیاء کرام علیہم السّلام کو قتل تک کر دیا ہے اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قتل کرنے کیلئے کتنے اور کیسے کیسے منصوبے بنائے تھے۔ اور نصاریٰ کا حال تو ان سے بھی بدتر ہے کہ انھوں نے خدائے حقیقی اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں (حضرت مریم و حضرت عیسٰے) کو بھی الٰہ بنالیا اور انکی عبادت کرنے لگے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں ان اہل ایمان کو ندا دی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول پر اور قیامت میں اس سے ملاقات ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ

اے میرے اہل ایمان بندو جو اللہ کو اپنا رب اور اسلام کو دین اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی و رسول مانتے ہو، یہود و نصاریٰ کو تم لوگ اپنا دوست نہ بنالینا کہ تم ان سے محبت اور انکی مدد و نصرت کرنے لگو کیونکہ یہ لوگ تمہارے رب کے بھی دشمن ہیں اور تمہارے بھی دشمن ہیں تو پھر تم کس طرح ان سے دوستی رکھ سکتے ہو؟ کیا تم ایسے لوگوں سے دوستی کرو گے جو تم سے دشمنی رکھیں اور تم ایسوں سے محبت رکھو گے جو تم سے بغض و دشمنی رکھیں اور کیا تم ایسے دشمنوں کی مدد کرو گے جو تمہاری شکست کے خواہاں ہوں؟

یہ تو اس معاملہ میں غور کا ایک پہلو ہوا اب دوسرا پہلو بھی دیکھو اور سمجھو کہ یہودی ہی شخص اپنے یہودی بھائی کا دوست ہوتا ہے۔ اسی طرح عیسائی اپنے عیسائی بھائی کا دوست ہوتا ہے۔ تو پھر کیسے یہ بات درست ہوگی کہ ایک نصرانی دوسرے نصرانی کی دشمنی کیلئے تم سے دوستی کرلے یا ایک یہودی کسی دوسرے یہودی کے خلاف تم سے دوستی کرلے؟ اچھی طرح سمجھ لو کہ یہ بات بالکل ناممکن ہے اور کسی صورت میں بھی اس کی گنجائش نہ نکل سکے گی۔

لہٰذا اے اہلِ ایمان اس بات سے ہوشیار رہو اور ان اپنے دشمنوں اور اپنے رب کے دشمنوں کو، اپنے دین اور اپنے نبی کے دشمنوں کو ہرگز ہرگز دوست نہ بناؤ کہ تم ان سے محبت رکھو اور ان کی نصرت کرو کیونکہ ان سے تمہاری یہ دوستی تم کو کفر کی حد تک پہونچا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ اسی خطرہ کو اللہ تعالےٰ نے ان الفاظ میں ظاہر فرمادیا ہے:

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ | جو ان سے دوستی کریگا تو بیشک وہ انھیں میں سے ہوگا۔

ظاہر ہے کہ جو شخص ان میں سے ہوگیا وہ کفر میں بھی انھیں جیسا ہو جائیگا اور اللہ و رسول اور اہلِ ایمان کی دشمنی میں بھی وہ انھیں جیسا ہو جائیگا جس کے نتیجہ میں وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے بھی محروم ہو جائیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو صحیح سمجھ دیتے ہی نہیں ہیں جو (جان بوجھ کر) اپنا نقصان کر رہے ہوں جیسا کہ خود آیت میں بھی یہ ارشاد موجود ہے "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ"۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دوستی کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ ہی سے دشمنی کر رہا ہے، اور جس نے اللہ تعالیٰ کو دشمن بنالیا تو اس نے اپنی جان پر آپ ہی ظلم کیا ہے کیونکہ ظلم کی حقیقت ہی یہ ہے کہ کوئی چیز اپنے محل میں استعمال نہ کی جائے، تو جو شخص ظالم و کافر ہو وہ مومن کی دوستی کا محل نہیں ہے اس سے دوستی کرنا دوستی کو بے محل رکھنا ہے لہٰذا اس سے دوستی کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

لہٰذا اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے اور اللہ کے دوستوں سے دوستی اور دشمنوں سے دشمنی رکھنی چاہئے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ ہمیں دل میں یہ ڈر تو رکھنا چاہئے کہ نعوذ باللہ منہ ہم یہودی یا نصرانی نہ ہو جائیں۔ جب ہم اس طرح ان سے دوستی کا معاملہ رکھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ ایمان کے بعد کفر اور ہدایت کے بعد گمراہی سے ہمیں محفوظ رکھے۔

آپ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ جس قسم کی موالاۃ (دوستی) ہم پر حرام کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہم ان کفار کو دل سے چاہیں اور اس محبت کا زبان سے اظہار بھی کریں اور ان سے مل کر انکے ساتھ کھڑے بھی ہوں اور ان کے ان دشمنوں کے مقابلہ میں ہم انکی مدد بھی کریں جو کہ خود ہمارے مسلمان بھائی ہیں اس قسم کی محبت و دوستی صرف مسلمان کے ساتھ ہونی چاہئے، کافروں کے ساتھ ایسی دوستی جائز نہیں ہے۔ لہٰذا مومن تو مومن ہی سے محبت کرے اور وہ محبت زبان سے بھی ظاہر کرے اور اپنے عمل سے بھی اس کے ساتھ کھڑا ہو اور اس کی مدد بھی کرے۔ موت و زندگی سب ان کے ساتھ ہو کیونکہ اسلام و ایمان اور احسان کے لحاظ سے بھائی ہے، اللہ تعالیٰ کی دوستی میں بھی بھائی ہے اور کافر چاہے

یہودی ہو نصرانی ہو، مجوسی ہو، بدھ ہو، مشرک ہو یہ سب ہمارے خدا اور رسول اور ہمارے دین کے ساتھ کفر کرنیوالے ہیں ہمارے دشمن ہیں دل میں دشمنی رکھتے ہیں تو ان سے دوستی کیسے ہوسکتی ہے، ہمیں تو ہر معاملہ میں پوری طرح ان سے علیحدہ رہنا چاہئے، معاملاتِ دین میں، معاشرت میں، تہذیب وتمدن میں جہاں تک ممکن ہو ان سے الگ رہیں۔

وَسَلامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(۳۵) پینتیسویں ندا

اسلام لانیکے بعد مرتد ہونے سے ڈرایا جارہا ہے
اور
سچے اہلِ ایمان کی صفات بیان ہو رہی ہیں

{ سورۂ مائدہ
آیت ۵۴ }

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ
مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ
يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ
يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم پیدا کردیگا جن سے اللہ تعالےٰ محبت فرمائے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے، وہ اہلِ ایمان پر مہربان اور کافروں پر غلبہ رکھنے والے ہوں گے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوں گے، کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کی پروا نہیں کرینگے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے دیتے ہیں وہ بڑے وسعت والے بڑے علم والے ہیں۔

تشریح وتفسیر

اب تک جن نداراتِ رحمانی کی تشریحات آپ کے ملاحظہ میں آچکی ہیں ان سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوچکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ ندارات جو اس نے اپنے بندوں اور اپنے دوستوں کیلئے متوجہ

فرمائی ہیں ان تمام نداءات کا محور بندوں کی ہدایت میں اضافہ اور ان میں کمال و سعادت حاصل کرنیکی طلب ہے کہ وہ دارین میں کامیاب رہیں۔

چنانچہ دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ اب اپنے مومن بندوں کو اسلام سے مرتد ہو جانے اور لوٹ کر پھر کفر و شرک اختیار کر لینے سے بھی ڈرا رہے ہیں حالانکہ ایسا کم ہی ہوتا ہے ہاں اگر کچھ خطرہ یا توقع ہو سکتی ہے تو یہ خطرہ ہے کہ یہ لوگ یہودیت و نصرانیت کا شکار ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حفاظت میں رکھیں اور اسی خطرہ ہی کے سبب اللہ تعالےٰ ابھی اوپر تینتیسویں نداء میں یہود و نصاریٰ کے موالاۃ اور دوستی حرام کی ہے اور فرمایا ہے:

لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى أَوْلِيَآءَ | یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ

کیونکہ یہی دوستی تمہارے یہودی اور نصرانی بننے کا ذریعہ ہو جائیگی (اور ہم بھی یہی دیکھتے ہیں کہ جو لوگ اپنے قریبی اہلِ کفر و شرک سے تعلقات اور دوستی زیادہ بڑھاتے ہیں اسی کے نتیجہ میں پھر باہم ناجائز تعلقات اور شادیاں بھی ہو جاتی ہیں اسلئے اس دوستی کو معمولی نہ سمجھنا چاہیئے، آگ کی چنگاری بھی وہی کام کر جاتی ہے جو دہکتا انگارہ کر جاتا ہے) اسلئے یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ جو ان لوگوں سے دوستی کرے گا وہ انکا بھی ہو جائیگا۔ اسی وجہ سے کبھی کبھی یہ صورت پیش بھی آچکی ہے کہ کوئی شخص نعوذ باللہ منہ اسلام سے مرتد ہو کر یہودی ہو گیا ہے یا نصرانی ہو گیا ہے۔

اب اس آیت کی نداء کیطرف توجہ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے صاف طور پر یہ بات بتادی ہے کہ اے مسلمانو! تم میں سے جو شخص بھی اسلام چھوڑ کر مرتد ہو جائیگا تو (اللہ تعالےٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا خود اپنا ہی نقصان کرے گا کیونکہ) اللہ تعالیٰ اس کی جگہ ایسے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کر دے گا جو اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہوں گے (اس کا دین چھوڑ کر کہیں اور نہیں جائیں گے) اور اللہ تعالےٰ بھی ان سے محبت رکھے گا (کہیں اور جانے نہ دے گا)

اب یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس ردّت و ارتداد کی نوبت کیسے آتی ہے تو کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ان کے ساتھ ہر وقت اٹھنے بیٹھنے کیوجہ سے غیر شعوری طور پر ان کے اعتقادات و خیالات کو دل ہی دل میں پسند کرتا اور اپناتا رہتا ہے یہاں تک کہ پھر پوری طرح ان کے اعتقادات کو دل سے قبول کر لیتا ہے، اسکی صورت یہی ہوتی ہے کہ انکی محبت و دوستی میں اسے اتنا غلو ہو جاتا ہے کہ انکی دینی مجلسوں میں شرکت کرنے لگتا ہے ان کے عبادت خانوں میں بھی جانے لگتا ہے اور سماجی و معاشرتی تقریبات کی شرکت تو بے جھجک ہوتی ہے حالانکہ انکی کوئی بھی تقریب ایسی نہیں ہوتی جس میں ان کے مذہبی رسوم و رواج کی پابندی نہ ہوتی ہو اور یہ شخص رفتہ رفتہ ان چیزوں کو دلچسپی اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے دیکھتے ان کا معتقد بھی ہو جاتا ہے اور پھر انھیں کی پوشاک پہننا، انھیں لوگوں کے کھانے کھانا کھانے کیلئے وہی طریقے اختیار کرنا اور جو کام وہ کریں وہ کرنا جو کام وہ ناپسند کریں وہ ناپسند کرنا شروع کر دیتا ہے اور یہ سب ابتداءً تو یوں ہی دوستی میں اور تفریحاً ہوتا ہے اور یہ سوچ کر کیا جاتا ہے کہ آدمی وہ اچھا ہے جو ہر سوسائٹی میں اڈجیسٹ ہو کر ان میں گھل مل کر رہے اور آخر میں یہ گھلنا ملنا اس حد تک پہونچ جاتا ہے جیسے دودھ میں شکر گھل مل جاتی ہے کہ اسے دودھ سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

ہر مسلمان کے دل میں معاملہ کی خطرناکی کا پورا احساس ہونا چاہیئے اور ایسے طریقوں سے مکمل پرہیز کرنا چاہیئے جن سے فکری و اعتقادی اور عملی ارتداد کا خطرہ ہو کیوں کہ یہ اللہ تعالےٰ کے سخت غضب و عقاب کا سبب ہے۔

اس آگاہی کے بعد اللہ تعالےٰ اپنے مومن بندوں کی صفات بیان فرمائی ہیں یہ چند صفات ہیں۔

(۱) پہلی صفت تو یہ بیان کی گئی ہے وہ لوگ اللہ تعالےٰ کے محبوب بھی ہوتے ہیں اور محب بھی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتے ہیں وہ اللہ تعالےٰ سے محبت رکھتے ہیں۔

(۲) دوسری صفت انکی یہ ہے کہ وہ اہلِ ایمان کے حق میں نہایت نرم اور بڑے ہی مہربان ہوتے ہیں۔

(۳) یہ کہ کافروں کے مقابلہ میں وہ اتنے ہی شدت رکھنے والے ہوتے ہیں۔

اور یہ دونوں صفتیں (یعنی اہلِ ایمان کے ساتھ رحمت و شفقت کا معاملہ اور اہلِ کفر کے مقابلہ میں شدت اور سختی کا معاملہ) حضور صلے اللہ علیہ وسلم ور

آپ کے صحابۂ کرام کے بارے میں بتائی گئی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں کفار کے مقابلہ میں بہت شدت والے اور باہم بڑے مہربان رہتے ہیں۔

(۴) چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرنیوالے ہیں یعنی جب اور جہاں ضرورت پڑے تو وہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد بھی کرتے ہیں، اللہ کے دین کی سر بلندی کیلئے جو بھی حکم ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر کہیں ضرورت پڑتی ہے تو آلاتِ حرب جو بھی میسر ہوں سنبھال کر جہاد کیلئے نکل پڑتے ہیں اور اس سے انکا مقصد مال و دولت یا نام و نمود نہیں ہوتا بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا کے لئے کرتے ہیں کہ جس طرح بھی ہوسکے اللہ تعالیٰ کے دین اور دیندار۔ں کی مدد و نصرت کریں۔

(۵) پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ کسی بھی حق بات کا اعتقاد رکھنے میں یا حق بات پر عمل کرنے میں کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کی مطلق پروا نہیں کرتے نہ انھیں اس کی پروا ہوتی ہے کہ حق پر چلنے سے کوئی دشمن ہو جائے گا یا کسی سے مقابلہ کی نوبت آجائے گی وہ اپنے کام اور اپنی دھن میں لگے رہتے ہیں ان کو اپنے علم کی صحت اور ایمان کی قوت پر اعتماد و اطمینان ہوتا ہے (اہلِ ایمان میں پائی جانیوالی ان صفتوں اور نشانیوں میں سے یہ آخری صفت جس پر اللہ تعالیٰ نے صفات مومنین کے خاتمہ پر بیان فرمایا ہے، یہ صفت آج کل اگر بالکل ختم اور معدوم نہیں ہوتی ہے تو بے حد نادر و کمیاب ضرور ہو چکی ہے)

آیت کے خاتمہ پر اللہ تعالیٰ نے شاید اسی وجہ سے یہ فرمادیا ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

یہ اللہ تعالےٰ کی مہربانی اور اس کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے ان صفات سے نوازتا ہے، اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے اور بڑے علم والے ہیں

یہ مذکورہ بالا صفات یقیناً ایسی ہیں کہ خدا تعالےٰ کے سوا کوئی بھی کسی انسان میں یہ صفات پیدا نہیں کر سکتا اور ان صفات سے متصف اور ان کے مستحق صرف اللہ تعالےٰ کے خاص بندے اور اولیاء اللہ ہی ہوسکتے ہیں جن پر اللہ تعالےٰ کا

فضل ہو جائے اور اللہ تعالےٰ اپنا فضل ایسے ہی لوگوں پر متوجہ فرماتے ہیں جو صدق دل سے اور پورے شوق و رغبت کے ساتھ اسے طلب کریں اور اس کے لئے جو راستہ مقرر ہے اس پر چلیں۔ اب شاید آپ یہ سوال کریں کہ اللہ تعالےٰ کا یہ "فضل عظیم" کس طرح طلب کیا جائے؟ تو اس کا جواب نہایت مختصر اور صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ صدق دل سے اللہ و رسول پر ایمان لایا جائے کہ ایمان کے تقاضوں پر عمل بھی ہوسکے اور کفر و شرک اور شیطانی دلچسپیوں کا سختی سے انکار کیا جائے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

دین میں کوئی جبر و زبردستی نہیں ہے راہ یابی و ہدایت اور گمراہی ایک دوسرے سے ممتاز ہو چکے ہیں لہٰذا جو شخص شیطان سے بیزار ہو کر اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے بہت ہی مضبوط حلقہ مضبوطی سے پکڑ لیا جسے ٹوٹنا نہیں ہے اللہ تعالیٰ سننے والے جاننے والے ہیں۔

اللہ پر ایمان لانے اور شیطان سے بداعتقاد و بیزار ہونے کی صورت یہی ہے کہ وہ کلمۂ شہادت کا دل و زبان سے اقرار کرے اور اس کلمہ کے جو عملی و اعتقادی تقاضے ہیں ان کے مطابق اپنی زندگی گذار دے۔

اخیر میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت بیان کردی جائے جو آپ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو فرمائی تھی۔ تفسیر ابن کثیر میں مسند امام احمد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے خلیل صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے سات باتوں کا حکم دیا ہے:

مسکینوں سے محبت کرنا اور ان کے قریب رہنا (دنیاوی معاملات میں)

اپنے سے کم درجہ کے آدمی پر نظر رکھنا،

اپنے سے زیادہ درجہ کے آدمی کو نہ دیکھنا (کہ خدا تعالیٰ کا شکر کرنے کی توفیق ہوتی رہے) صلہ رحمی کرتے رہنا اگرچہ تم سے قطع رحمی کی جائے۔ کسی شخص سے کچھ مانگنا نہیں۔ ہمیشہ سچ بات کہنا چاہے کڑوی کیوں نہ لگے۔ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی کی ملامت کی پروا نہ کرنا۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کثرت سے

پڑھتے رہنا کہ عرش کے نیچے کے خزانہ کی دولت ہے۔

اب اگر کوئی شخص آیت میں بیان کی گئی صفات مومنین کو اپنانے اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو کی گئی اس وصیت پر عمل پیرا ہو جائے تو وہ کمال کی بلند چوٹی تک پہنچ گیا۔ وسلام علیك۔

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

(۳۶)
چھتیسویں نداء

اہلِ کتاب یا اور جو لوگ اللہ کے دین کا مذاق اڑاتے ہوں ان سے دوستی کا تعلق رکھنا حرام ہے

سورۂ مائدہ
آیات (۵۷-۵۸)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ○

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہے جو ایسے ہیں کہ انھوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے انکو اور دوسرے کفار کو دوست نہ بناؤ اور اللہ تعالےٰ سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

اور جب تم نماز کیلئے نداء دیتے ہو تو یہ اسے ہنسی کھیل بنا لیتے ہیں یہ سب اسی لئے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو بالکل ہی عقل نہیں رکھتے۔

تشریح وتفسیر

آپ کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالےٰ کی اس عظیم نداء کی رو سے اہلِ ایمان کا کافروں سے دوستی و محبت کا تعلق حرام قرار پاتا ہے چاہے وہ اہلِ کتاب میں سے ہوں جیسے یہود و

نصاریٰ یا غیر اہلِ کتاب میں سے ہوں جیسے مجوس و آتش پرست یا بت پرست مشرکین میں سے ہوں۔ اور اس موقع پر ان سے دوستی حرام ہونیکی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالے کے دینِ حق دینِ اسلام کو ہنسی مذاق اور کھیل کی چیز بنائے ہوئے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اس دینِ اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین کسی سے قبول ہی نہیں کریں گے جیساکہ فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا
فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

اور جو شخص دینِ اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اختیار کریگا تو وہ قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں سے رہے گا۔

اس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اس آیتِ شریفہ کا سببِ نزول یہود و نصاریٰ میں سے بعض کفار کے استہزاء اور مذاق اڑانے ہی سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ روایات میں یہ بات آئی ہے کہ منافقین اور یہود جب اذان سنتے تھے تو ہنستے اور مذاق اڑاتے تھے اور مؤذن کی آواز کی نقل اتار کر کھیلتے تھے، بعض بدبخت یوں کہتے کہ یہ نعوذ باللہ منہ گدھے کی آواز ہے اور بعضے اذان کیطرح آواز بلند کر کے مسخرہ پن کرتے اور کھلواڑ کرتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت نازل فرمائی اور اہلِ ایمان کو ان مسخروں کی دوستی سے منع فرمادیا جو شعائرِ اسلام (اذان) کے ساتھ اس طرح مسخرہ پن اور مذاق کرتے ہوں جب کبھی انھیں اس کا موقع مل جائے اور ان کے قریب کوئی ایسا مسلمان موجود نہ ہو جس سے وہ ڈرتے اور خوف کھاتے ہوں تو وہ یہ حرکتیں کر گذرتے تھے۔ اس موقع پر اللہ تعالے نے آیتِ بالا میں ایسے لوگوں سے دوستی کی ممانعت فرمادی اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ تم لوگ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ کا یہ تقویٰ ہی ایمان کی علامت و نشانی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے وہی ڈرے گا جو اللہ تعالیٰ پر ایمان و یقین رکھتا ہو اور اس کے احکام کی پابندی کرتا اور ممنوع و حرام چیزوں سے اجتناب بھی کرتا ہو۔

منجملہ ممنوعات و محرمات کے یہود و نصاریٰ کی دوستی و موالاۃ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کا تقویٰ رکھے گا وہ ان دشمنانِ خدا و رسول و دشمنانِ اسلام و اہلِ اسلام سے دوستی کیسے رکھے گا جو اس طرح اسلام اور شعائرِ اسلام کا مذاق اڑاتے ہوں۔

ان یہود و نصاریٰ کے علاوہ دوسرے مشرکین کفار سے دوستی بھی حرام ہے جیساکہ خود اس آیت میں بھی "وَالْكُفَّارَ" کا فقرہ شامل ہے اور اس سے پہلے سورۃ آلِ عمران کی آیت میں تو مستقل طور پر کفار کو دوست بنانیکی ممانعت آچکی ہے۔

اس کے بعد ہی آیت میں ان یہود و نصاریٰ کے اس مسخرہ پن کا بیان بھی کر دیا گیا ہے کہ "جس وقت تم لوگ نماز کیلئے لوگوں کو نداء (اذان) دیتے ہو تو یہ (شریر) لوگ اسے ہنسی کھیل بنا لیتے ہیں۔

اس طرح آیت میں اذان کے ساتھ ان کے مسخرہ پن کا ذکر کیا گیا ہے اور اذان دینِ اسلام کا ایک اہم شعار ہے اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرنا دین ہی کے ساتھ ہنسی مذاق ہے کیوں کہ اذان میں اللہ تعالیٰ کی توحید و کبریائی اور حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کا اعلان ہوتا ہے اور اسلام کی اشرف ترین عبادت کیلئے لوگوں کو بلایا جاتا ہے۔ ان میں سے کون سی بات ایسی ہے جس کا مذاق اڑایا جائے مگر یہ لوگ تو ان لوگوں میں سے ہیں جو بالکل ہی عقل نہیں رکھتے ان سے ایسی بے عقلی کی حرکتوں کا صدور بالکل موجبِ تعجب نہیں ہے۔

آخر میں یہ بات مناسب ہے کہ اسی موقع پر اذان کا حکم بھی بتا دیا جائے تو معلوم ہونا چاہیئے کہ اذان مطلق درجہ میں تو فرض کفایہ ہے کہ اگر کسی بستی میں جہاں مسلمان رہتے ہوں بالکل ہی اذان نہ دی جاتی ہو تو وہاں کے سب مسلمان گنہگار ہوں گے لیکن اگر کسی مسجد میں بھی اذان ہو جاتی ہو تو فرض کفایہ سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، ویسے احناف کے نزدیک اذان سنت ہے لیکن سنت ہونے کے ساتھ ساتھ اذان شعائرِ دین میں سے ہے، اور اگر کوئی شخص جماعت کے بغیر نماز ادا کر رہا ہو تو اذان مستحب ہے، لیکن حالتِ سفر میں اذان کا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث مؤطا میں مروی ہے آپ نے فرمایا کہ مؤذن کی اذان کی آواز جتنی دور تک جائے گی اتنی دور تک اذان کا سننے والا

خواہ انسان ہو یا جن ہو وہ اس مؤذن کیلئے روز قیامت گواہی دیگا۔

اور اقامت ہر نمازِ باجماعت کیلئے سنتِ موکدہ ہے اور مسئلہ تو یہی ہے کہ جو شخص اذان دے وہی اقامت بھی کہے لیکن اگر کوئی دوسرا شخص اقامت کہدے تو کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے تاہم بہتر یہی ہے کہ مؤذن سے اجازت لیکر دوسرا شخص اقامت کہے۔

اذان کے الفاظ یہ ہیں :-

اَللّٰہُ اَکْبَر ، اَللّٰہُ اَکْبَر ، اَللّٰہُ اَکْبَر ، اَللّٰہُ اَکْبَر
اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ، اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ
حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ
حَیَّ عَلَی الْفَلَاح ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح
اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

اقامت کے الفاظ یہ ہیں :-

اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر
اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ، اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ
حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح حَیَّ عَلَی الْفَلَاح
قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ
اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ آیت مذکورہ بالا میں "وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ" کا جو فقرہ آیا ہے اس میں صلوٰۃ سے مراد پنجوقتہ نمازوں کی اذان ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سینتیسویں (۳۷) ندا

اللہ تعالیٰ نے جو عمدہ و طیّب چیزیں حلال فرما رکھی ہیں انھیں زبردستی حرام ٹھہرا لینا حرام ہے

دین میں اس قسم کی زیادتی حرام ہے

سورۂ مائدہ
آیات (۸۷-۸۸)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ وَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ اَنْتُمْ بِہٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝

اے ایمان والو! اللہ تعالےٰ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان میں لذیذ چیزوں کو حرام نہ کرو اور حدود سے آگے نہ بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور خدا تعالیٰ نے جو چیزیں تمکو دی ہیں ان میں سے حلال و مرغوب چیزیں کھاؤ اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

تشریح و تفسیر

اس آیت میں دی ہوئی ہدایت کی تشریح کے لئے آیت کا شان نزول معلوم ہو جانا چاہیئے۔ ان دونوں آیتوں کا شانِ نزول صحیح بخاری شریف کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ حضراتِ صحابہ میں سے تین صاحبان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خدمت میں

یہ دریافت کرنے آئے کہ آپ کا گھر میں کیا معمول ہے پھر کتنی شب بیداری فرماتے ہیں؛ کتنی نمازیں پڑھتے ہیں، کتنے روزے رکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ) جب ان لوگوں کے آپ کے معمولات بتائے گئے کہ آپ ایسا ایسا کرتے ہیں تو اسے سن کر ان لوگوں نے اسے کم سمجھا کہ اتنی عبادت تو کچھ زیادہ نہیں ہے پھر خود ہی یہ بھی کہا کہ ہماری اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی کیا برابری؟ آپ کو تو اللہ تعالےٰ نے پہلے ہی معاف فرما کر آپ کی بخشش فرمادی ہے اسلئے ہمیں تو آپ سے زیادہ ہی عبادت کرنی چاہیئے تو اب ان میں سے ایک نے کہا کہ بھائی میں تو ساری رات نماز پڑھتا رہوں گا۔

دوسرے نے کہا کہ بھائی میں تو برابر زندگی بھر روزے رکھتا رہوں گا درمیان میں افطار نہ کروں گا۔ تیسرے صاحب بولے کہ میں اپنی بیویوں سے قربت نہیں کرونگا ان سے الگ ہی رہا کروں گا اور اب کوئی شادی بھی نہ کروں گا۔

ابھی وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر ہی تھے کہ آپ بھی تشریف لے آئے اور ازواج مطہرات سے ان لوگوں کے آنے کی غرض اور پھر انکی بات چیت سنی اس کے بعد ان سے اس کی تصدیق بھی چاہی کہ کیا تم لوگوں نے ابھی ایسا ایسا کہا ہے؟ اور اسکے بعد فرمایا کہ سنو! میں تم لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے خوف وخشیت رکھنے والا ہوں لیکن اس کے باوجود میرا معمول یہ ہے کہ روزے رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا ہوں افطار کرلیتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں (اور ان باتوں کو خدا کے خوف وخشیت کے خلاف بھی نہیں سمجھتا) لہٰذا جو شخص میرے طریقہ سے ہٹ کر کوئی طریقہ اختیار کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

اس موقع پر یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں کہ "اے وہ لوگو! جو اللہ تعالےٰ کو اپنا رب اور پروردگار سمجھتے ہو اور اسلام کو اپنا دین اور اپنی شریعت سمجھتے ہو جس کے سوا دوسرا کوئی دین یا شریعت اللہ تعالےٰ کے یہاں قابلِ قبول ہی نہیں ہے اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی و رسول سمجھتے ہو جن کے سوا کسی دوسرے کا اتباع اور اقتدار نہیں کیا جاسکتا۔ تم ایسی چیزوں کو جنھیں اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے حلال کر رکھا ہے کھانا، پینا، سونا، آرام کرنا، نکاح و شادی کرنا وغیرہ وغیرہ

انھیں اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ "طیبات" سے مراد صرف لذیذ وعمدہ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایسی تمام چیزیں جو شرعاً وطبعاً گندی، گھناؤنی یا بُری نہ ہوں وہ سب طیبات کا مصداق ہیں بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں میں سے نہ ہوں۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت پر ایمان رکھتے ہوئے یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ اس نے جس چیز کو ہمارے لئے حلال کیا ہے اس میں بھی ہماری بھلائی اور مصلحت پوشیدہ ہے اور جن چیزوں کو حرام کیا ہے اس میں بھی ہماری بھلائی اور مصلحت مضمر ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں ایک لفظ "مُعْتَدِین" بھی استعمال فرمایا ہے۔ یہ لفظ "اعتداء" کا اسم فاعل ہے، اعتداء کہتے ہیں مقررہ حدود سے تجاوز کرنے کو مثلاً چیزوں کی حرمت وحلت کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں لے لینا حالانکہ یہ کام قانون ساز حقیقی کا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہی کے اختیار میں ہے وہ جو چاہیں حلال کریں اور جو چاہیں حرام کریں ؎

کوئی ولولہ ہو نہ حوصلہ، یہی فیصلہ یہی مسئلہ
جو وہ اِذن دے تو حلال ہے جو وہ روک دے تو حرام ہے

اسلئے حلال چیز کو حرام کرلینا یا حرام چیز کو حلال کرلینا حدِ شرعی سے تجاوز ہے تجاوز کرنیوالوں کو اللہ تعالےٰ پسند نہیں فرماتے ہیں اسی طرح کھانے پینے، پہننے میں یا عورتوں سے دلچسپی لینے مباشرت ومجامعت میں حد سے بڑھ جانا، فضول خرچی کرنا وغیرہ یہ سب بھی اعتداء میں شامل ہے اسی لئے اللہ تعالےٰ نے جہاں کھانے پینے کی اجازت دی ہے اسراف وفضول خرچی کی ممانعت بھی فرمادی ہے۔ "كُلُوْا وَاشْرَبُوْا" جہاں کہا گیا ہے وہیں "وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ" بھی فرمادیا ہے کہ کھاؤ پیو اور اسراف وفضول خرچی نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنیوالوں کو پسند نہیں فرماتے۔ اسراف کا مطلب یہ ہے کہ نفع کی حد سے تجاوز کرکے نقصان کی حد تک پہنچ جائے اور حق سے تجاوز کرکے باطل کی حد تک پہنچ جائے۔

اللہ تعالےٰ نے جب یہ فرمادیا کہ وہ حد سے تجاوز کرنیوالوں کو پسند نہیں فرماتا تو ہم ایسی بات کیسے پسند کرسکتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں۔ ہم نے حلال چیزیں اپنے اوپر اسی لئے حلال کرنی چاہی تھیں کہ ہم اس طرح اللہ تعالیٰ کو راضی اور خوش کریں مگر یہی بات اس کی ناراضی کا سبب بن گئی۔

اس سلسلہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ذہن نشین رکھئے! کہ کھاؤ اور صدقہ بھی دو پہنو مگر اسراف و فضول خرچی اور اچھے لباس کا گھمنڈ ہرگز نہ ہو، اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کا اثر تم پر دیکھنا چاہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضؓ کی یہ روایت بخاری شریف میں ہے کہ جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو لیکن دو سری عادتیں تم میں نہ آنے پائیں ایک فضول خرچی، دوسری گھمنڈ اور غرور۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ سفید لباس پہنا کرو یہ صاف ستھرا ہوتا ہے اور مُردوں کو کفن بھی سفید کپڑوں کا پہناؤ۔ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طب کی پوری بات آدھی آیت میں بیان فرمادی "كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا"۔

اب اوپر مذکورہ آیت (۸۸) کے ان فقروں پر غور فرمایئے "وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا" یعنی جب ان حضرات نے اپنے آپ ہی اپنے اوپر عورتوں کو، اور کھانے اور سونے کو حرام کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرماتے ہوئے ان کی رہنمائی فرمائی اور از سرِ نو انھیں اجازت دینے کیلئے حکم کے الفاظ میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے اور وہ حلال بھی ہے تو تم اس میں سے جو کچھ کھانا چاہو کھاؤ۔

اس آیت میں جو کچھ حکم دیا گیا ہے یہ صرف ان لوگوں کیلئے نہیں ہے جنکے بارےمیں یہ آیت نازل ہوئی تھی بلکہ بعد کے تمام اہلِ ایمان (مرد و عورت) کیلئے یہی حکم ہے کہ وہ حدودِ شرع سے تجاوز نہ کیا کریں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں جس پر وہ ایمان بھی رکھتے ہیں۔

اس آیت میں ان نمائشی صوفیوں پر بھی رد ہے جو تصوف اسی کو سمجھتے ہیں کہ گدڑی اور ٹاٹ پہن لیں، شادی نہ کریں سادھو بن کر رہیں۔

یہ بات جان لینی چاہئے کہ اس طرح حلال چیزیں حرام کرلینے سے حرام نہیں ہوجاتیں ہاں بیوی سے اگر ظہار کرلے گا تو بیوی حرام ہوجائیگی کفارۂ ظہار ادا کرنا ہوگا اسکے بعد بیوی کو رکھ سکتا ہے۔

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اڑتیسویں (۳۸) نداء

شراب، جوا اور بُت وغیرہ اور قرعہ کے تیروں کی حُرمت کا بیان

{ سُورۂ مائدہ
آیات (۹۰-۹۱) }

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ
وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ
رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ
الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ
وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ
اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت، وغیرہ اور قرعے کے تیر، شیطانی کاموں میں سے یہ سب گندی باتیں ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح پاجاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعے سے تمہارے درمیان باہم عداوت اور بُغض واقع کردے۔ اور تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو کیا تم اب باز آجاؤ گے۔

تشریح و تفسیر

یہ بات گذشتہ صفحات میں بار بار مختلف انداز میں ذکر کی جاچکی ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ انسان کیلئے ایمان کی وہی حیثیت ہے جو اس کی روح کی ہے لہٰذا جو شخص صاحبِ ایمان ہوگیا تو سمجھئے کہ وہ زندہ ہوگیا اور اس بات کا اہل ہوگیا کہ اسے کچھ حکم دیا جائے تو وہ تعمیل حکم کرے، کسی چیز سے روکا جائے تو اس چیز سے باز رہے اور یہ بات اس کے کمالِ ایمان کیوجہ سے ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف کافر کا حال تو یہ ہوتا ہے جیسے وہ کوئی مردہ ہے جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا

ہے نہ سمجھتا ہے نہ عقل رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے اسی وقت احکام شرعیہ کا مکلف بنایا جاتا ہے۔ جب وہ ایمان لے آئے اور اس لائق ہو جائے کہ اسے شرعی احکام کا مخاطب و مکلف بنایا جا سکے۔

اب اس اڑتیسویں ندا کیطرف متوجہ ہوں! اللہ تعالیٰ نے اس ندا میں اپنے دوست و باایمان بندوں کو چار چیزوں کی حرمت بتا کر ان سے بچنے کی ذمہ داری ان پر ڈالی ہے یعنی شراب، جوا، بت وغیرہ اور قرعے والے تیر۔ اب ان چاروں کو علیحدہ علیحدہ ہم بیان کرتے ہیں۔

۱ ـــــ خمر (یعنی شراب) ہر وہ چیز خمر کا مصداق ہوگی جو عقل پر پردہ ڈال دے آدمی اپنے ہوش و حواس میں نہ رہ جائے، جو بولے اسے یاد نہ رکھ سکے، آئیں بائیں شائیں بکنے لگے، کبھی کبھی بری بری باتیں بولنے لگتا ہے اور غلط اور برے کام کرنے لگتا ہے۔

۲ ـــــ میسر۔ اس کی اصل صورت تو یہی ہے کہ تیروں کے ذریعہ جوا کھیلا جائے مگر عام جوے کو بھی میسر کہنے لگے۔ لہٰذا ہر کھیل جس میں ہار جیت کی صورت ہو وہ میسر ہے اور حرام ہے (آج کل لاٹری کی وبا اور انشورنس کی وبا بڑی طرح پھیل رہی ہے، بہت سے علماء بھی مسابلت و مداہنت کر کے جوے کے کاروبار میں تعاون دے رہے ہیں اللہ تعالےٰ سب کو محفوظ رکھیں)

۳ ـــــ انصاب۔ بتوں کی مورتیاں یا انکی تصویریں جو غیر مسلم پوجا کیلئے بناتے ہیں۔ عبادت کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں انکی عبادت کی جائے، انھیں ہاتھ لگا کر برکت حاصل کی جائے۔ ان کے پاس تعظیماً بیٹھا جائے، انکی قسم کھائی جائے، انکی نذر مانی جائے۔ یہ سب ہی باتیں حرام ہیں۔

۴ ـــــ ازلام۔ زلم کی جمع ہے۔ یہ تیر ہوتے تھے ان کے ذریعہ جاہلیت کے دور میں آپس میں قسمت کا حال معلوم کرتے تھے۔ یہ تین تیر ہوتے تھے ایک پر لکھا ہوتا تھا کہ "میرے رب نے حکم دیا ہے"۔ دوسرے پر لکھا ہوتا تھا کہ "میرے رب نے مجھے روکا ہے"۔ تیسرا تیر سادہ اور خالی ہوتا تھا۔

جب کوئی شخص کہیں سفر میں جانے کا ارادہ کرتا یا کسی عورت سے شادی کرنا چاہتا یا اور کسی کام کا ارادہ کرتا تو ازلام رکھنے والے کے پاس آتا تو اس سے اپنے کام اور قسمت دریافت کرتا تو وہ ان تیروں کو ایک تھیلی میں ڈال دیتا اور انھیں تھیلی کے اندر کر دیتا پھر ان میں سے ایک ایک تیر نکالتا تو اگر "اَمَرَنِیْ رَبِّیْ" (میرے رب نے مجھکو حکم دیا ہے) والا تیر نکل آتا تو وہ شخص وہ کام کر لیتا جس کا اس نے ارادہ کر رکھا ہوتا اور "نَھَانِیْ رَبِّیْ" (میرے رب نے مجھکو روکا ہے) والا تیر نکلتا یا سادہ مہمل تیر نکلتا تو اسے پھر تھیلی میں ڈال کر یوں بار بار اس وقت تک نکالتے رہتے جب تک اَمَرَنِیْ رَبِّیْ (مجھکو میرے رب نے حکم کیا ہے) والا تیر نہ نکلے۔

اسلام نے اس قسم کے تمام خرافات اور توہمات کو حرام کر کے انھیں جڑ سے ختم کر دیا، اسی قسم کا ایک علم "رمل" کے نام سے رائج تھا یا "قرعۃ الانبیاء" نام سے بھی کوئی طریقہ مروج تھا، یا تسبیح کے ذریعہ استخارہ اور فال نکالتے تھے (تسبیح کا استخارہ تو روافض میں اب بھی رائج ہے)

اسلام نے ان تمام باتوں کو حرام قرار دیا ہے۔ قرآن مجید نے ان سب چیزوں کو نجس اور گندگی قرار دیا ہے۔ یہ حرام چیزیں اگرچہ ظاہر میں گندی اور نجس نہ دکھائی دیتی ہوں لیکن حقیقت میں اور شریعت کی نظر میں یہ نجس اور گندی ہی ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے ہمیں ان سے بچنے اور دور رہنے کا حکم دیا ہے اور ان سے دور رہنے ہی پر ہمیں فلاح و کامیابی کی امید بھی دلا دی ہے اور اہلِ ایمان اس حقیقت سے خوب واقف ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا اس طرح امید دلا دینا دوسروں کی یقین دہانیوں سے کہیں بڑھ کر اور قابلِ اعتماد ہے پھر اللہ تعالےٰ کے یہاں حاصل ہونیوالی فلاح و کامیابی کا کیا پوچھنا؟ اس کامیابی کا مطلب مختصر طور پر صرف دو لفظوں میں سمجھ لیجئے کہ مومن دوزخ سے نجات پا کر جنت کے داخلہ میں کامیاب ہو جائے گا (یہانتک تو آیت نمبر ۹۰ کی تشریح تھی اب آیت نمبر ۹۱ کی تشریح ملاحظہ ہو)

دوسری آیت میں شراب نوشی کی ایک نہایت اہم برائی اور بڑا نقصان بتا کر جوے اور حرمت شراب کی علت کیطرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

شیطان تو یہی چاہتا ہی ہے کہ وہ اس شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان باہم بغض و عداوت پیدا کر دے تمہیں آپس میں لڑا دے اور خود تماشہ دیکھے اور

شراب میں بے ہوش و مست کر کے تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکدے۔ اب تم بتاؤ کہ کیا تم اِن چیزوں سے باز آجاؤ گے؟ اللہ تعالیٰ نے اس طرح ہمیں ان نجس چیزوں میں شیطان کے عمل تسویل و تزئین سے آگاہ و باخبر فرمادیا ہے کہ اس کا مقصد تمہارے درمیان عداوت و بغض پیدا کرنا اور تمہیں آپس میں لڑانا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے روکنا ہے۔

لہٰذا اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم شیطان لعین کو اس کے مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیں اور ان محرمات سے مکمل پرہیز برتیں، شراب نہ پیئیں، نہ تیار کریں، نہ اس کی تجارت کریں۔ اسی طرح جوے کی تمام صورتوں سے پرہیز کریں، بہت سے کھیلوں میں بھی جوے کی صورت اختیار کرلی جاتی ہے، نرد، شطرنج، چوسر، تاش، لوڈو، کیرم وغیرہ ان سب سے بھی اجتناب کریں۔

اسی طریقہ سے ہم شیطانی فتنہ سے بچ سکتے ہیں اور ہم میں باہم محبت و دوستی پروان چڑھ سکتی ہے اور ہم نماز و ذکر اللہ کے پابند ہو سکتے ہیں جو ہمارے دین کا ستون، مرکز کی قوت اور ہماری ہدایت کا مینار ہے اور جس کے ذریعہ فواحش و منکرات سے بچ سکتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں یقین دہانی کی گئی ہے آیت کا خاتمہ اس سوال پر ہے کہ تم لوگ کیا اب تو باز آجاؤ گے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو جواب میں پکار اٹھے تھے، ہاں ہاں اے ہمارے رب ہم رک گئے باز آگئے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

(۳۹)
انتالیسویں نداء

اللہ تعالیٰ اپنے محرم بندوں کو حج و عمرہ کے احرام کے موقع پر شکار ظاہر فرماکر اور ان کا شکار آسان فرماکر آزماتے ہیں

{ سورۂ مائدہ
(آیت ۹۴) }

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

اے ایمان والو! اللہ تعالےٰ کچھ شکار کے ذریعہ تمہاری آزمائش کریں گے جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکتے ہوں گے (یہ آزمائش اسلئے ہوگی) تاکہ اللہ تعالیٰ (تمہاری نظر میں بھی) یہ بات جان لے کہ کون اسے بے دیکھے ڈرتا ہے اس کے بعد جو حد سے بڑھے گا اسکے لئے دردناک عذاب ہے۔

تشریح و تفسیر

اس آیت شریفہ اور نداء رحمانی میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایک نہایت ہی اہم بات کی اطلاع دی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ اپنے مومن بندوں کا امتحان بھی کبھی کبھی لیتے رہتے ہیں اور وہ یہ دیکھتے ہیں کہ غائبانہ طور پر کون اللہ تعالیٰ سے واقعی ڈرتا

ہے جسے ایک دوسری آیت میں یوں فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ کَبِیْرٌ ۝

جو لوگ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں ان کیلئے بڑی بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

ان کے درجات بلند فرماتا ہے اونچے مقامات تک پہونچاتا ہے دنیا میں انکی بزرگی اور کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ یہی فرما رہے ہیں کہ وہ اپنے مومن بندوں کا امتحان لیں گے جس کی صورت یہ ہوگی کہ حالتِ احرام میں جبکہ شکار ان کے لئے حرام ہوتا ہے شکار ان کے ہاتھوں اور نیزوں کی پہنچ تک ان کے بالکل قریب پھرتے ہوں گے کہ اگر وہ چاہیں تو ہاتھ سے یا نیزے سے انھیں پکڑ سکتے ہیں لیکن احرام میں وہ شکار نہیں کر سکتے تو اللہ تعالےٰ یہی دیکھنا چاہتے ہیں کہ بن دیکھے کون لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔

صَید ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جنھیں لوگ اپنے کھانے کیلئے شکار کرتے ہوں جیسے ہرن، نیل گائے وغیرہ، یا ان سے چھوٹے جانور جیسے پرندے اور خرگوش وغیرہ، فرماتے ہیں:

اے وہ اہل ایمان جو اللہ تعالےٰ پر اور روز قیامت اس کی ملاقات پر اس کی کتاب اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ جو تمہارے رب اور تمہارے ولی بھی ہیں وہ کچھ شکار تمہارے قریب اور سامنے لا لاکر تمہاری آزمائش کریں گے۔ چنانچہ عمرۂ حدیبیہ کے احرام کے وقت اللہ تعالےٰ نے ایسا کیا بھی تھا کہ شکار ان کے چاروں طرف چھائے ہوئے تھے۔ اونٹوں کے کجادوں اور پالانوں میں گھسے رہتے تھے کہ وہ ہاتھ سے بھی پکڑے جا سکتے تھے یہ صورت کبھی دیکھی نہیں گئی تھی تو اللہ تعالےٰ نے انھیں حالتِ احرام میں شکار پکڑنے اور اسے قتل کرنے سے منع فرما دیا کہ جب تک احرام نہ کھل جائے شکار سے دور رہو۔ یہ جانور اتنے قریب تھے کہ اگر چاہتے تو اپنے ہاتھوں اور نیزوں سے انھیں بہت آسانی سے پکڑ سکتے تھے مگر یہ صرف آزمائش تھی جسکی وجہ خود ہی بتا دی کہ اللہ تعالےٰ یہ دیکھنا اور جاننا چاہتے ہیں کہ بن دیکھے اس سے کون ڈرتا ہے۔ چنانچہ حضراتِ صحابہ اس آزمائش میں کامیاب ہو گئے، انھوں نے ثابت کر دیا کہ وہ اللہ تعالےٰ سے بن دیکھے واقعی ڈرتے ہیں اور وہ لوگ اس بات کے اہل ہیں کہ ان پر بڑے بڑے کاموں کی ذمہ داریاں ڈالی جائیں کیونکہ آنے والے زمانہ میں انھیں دنیا میں قیادت وسیادت کرنی تھی۔

وہ لوگ بنی اسرائیل جیسے نہیں تھے جنھیں ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار سے روکا گیا تھا اور پھر اللہ تعالےٰ نے انھیں آزمایا کہ مچھلیاں اور دنوں میں غائب رہتیں اور ہفتہ کے دن دریا میں خوب آجاتیں اور ان کے منہ میں پانی آنے لگتا تو پانی کے قریب گڈھے کھود کر مچھلیاں ان میں روک لیتے اور اتوار کو پکڑ لیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے بھی انھیں پکڑ لیا اور صورت تبدیل کر کے بندر وخنزیر بنا دیئے گئے پھر مر گئے ان کا سلسلہ انھیں پر ختم ہو گیا تھا۔ اور اہل ایمان کا حال بنی اسرائیل جیسا نہ ہوا اللہ تعالےٰ کے فضل سے یہ حضرات جنھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ مبارکہ نصیب ہوئی تھی ان کا جب امتحان لیا گیا تو یہ لوگ بالکل کامیاب ہو گئے تھے لیکن اب کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو اللہ تعالےٰ کے محرمات کو مختلف حیلوں اور تاویلوں کے ذریعہ حلال کر دینا چاہتے ہیں (جیسا کہ سود اور انشورنس وغیرہ کے مسئلوں میں دیکھا جا رہا ہے اور اب وہ لوگ جو فی الحقیقت صلاحیت اجتہاد واستنباط سے بالکل عاری ہیں وہ صریح نصوص ووعیدات کو نظر انداز کر کے اجتہاد کی مشق کر رہے ہیں اور نصوص کے خلاف فتویٰ کی جسارت کر رہے ہیں) حالانکہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت کے خاتمہ پر یہ صاف وعید شدید بھی ذکر فرما دی ہے کہ ”اس اعلان حرمت کے بعد بھی اگر کوئی شخص حد سے تجاوز کرتا ہے تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔“ یہ عذاب کبھی دنیا میں ہوتا ہے اور کبھی آخرت میں ہوتا ہے اور کبھی دونوں جگہ ہوتا ہے جیسا جرم اور جیسا مجرم ہو ویسا ہی عذاب ہوتا ہے اور اگر کوئی مجرم قابلِ معافی ہوتا ہے تو اسے معاف بھی فرما دیتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ مسئلہ معلوم رہنا چاہئے کہ حرم کے اندر تو شکار محرِم (احرام والے) پر بھی حرام ہے اور غیر محرم پر بھی حرام ہے یہ حرمت تو

اس مقام کے احترام کے تقاضے سے ہے۔ یہ حرم دو ہیں۔ ایک حرم مکہ مکرمہ اور دوسرا حرم مدینہ منورہ ۔ حرم مکہ مکرمہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حرم مکہ کو حرام فرما دیا ہے تو اب قیامت تک حرام ہی رہے گا نہ اس کی گھاس چرائی جائے گی نہ وہاں پناہ لینے والے جانور کو بھگایا جائے گا نہ وہاں شکار کیا جائے گا اور حرم مکہ کے حدود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر مقرر ومتعین فرما دیئے تھے اور مدینہ منورہ کے حرم کی حد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرما کر مقرر فرمائی ہے کہ مدینہ عامر سے لیکر ثور تک حرام ہے نہ یہاں شکار کیا جائے نہ گھاس چرائی جائے حرم مکہ کی طرح برابر برابر۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ اسی سلسلے میں ہمیں یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ پانچ جانور ایسے ہیں جنھیں حل وحرم دونوں ہی جگہ اور محرم وغیر محرم دونوں کے لئے قتل کرنا اور مارنا جائز ہے اور وہ پانچ جانور یہ ہیں جو آپ کی اس حدیث میں مذکور ہیں جو بخاری شریف میں مروی ہے آپ نے فرمایا:

"خَمْسٌ فَوَاسِقُ یُقْتَلْنَ فِی الْحِلِّ وَالْحَرَمِ" پانچ شریر جانور ہیں جو حل وحرم دونوں ہی جگہ مارے جاسکتے ہیں، سانپ[۱]، کالا کوا[۲]، چوہا[۳]، کاٹنے والا کتا[۴] اور چیل[۵]"۔ اسی طرح وہ جانور بھی ہیں جنھیں ایذاء رسانی میں اشتراک کی وجہ سے انھیں کے ساتھ شامل کر لیا گیا ہے جیسے بچھو، شیر، چیتا، تیندوا، بھیڑیا فقہائے اسلام کا یہ متفقہ فتویٰ ہے۔

آپ حضرات کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش دونوں ہی طریقوں سے کرتے رہتے ہیں، کسی کام کو کرنے کا حکم دینے میں بھی آزمائش ہوتی ہے اور کسی کام کے منع کرنے اور روکنے میں امتحان ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو شرعی ذمہ داری قبول کرنے کیلئے ان کی تربیت اور تیاری بھی کراتے رہتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی دوستی اور محبت اس کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

لہٰذا ہمیں آپ کو اس کے ہر امتحان وآزمائش پر صبر کرنا چاہئے یہ آزمائش کبھی بھوک اور فاقہ کی شکل میں ہوتی ہے کبھی خوف اور ڈر کی صورت میں ہوتی ہے، کبھی صحت دیکر آزماتے ہیں، کبھی بیمار کر کے جانچتے ہیں، کبھی عزت دیکر امتحان لیتے ہیں کبھی ذلت دیکر آزماتے ہیں۔ ہمیں ہر آزمائش اور ہر ابتلاء پر تسلیم ورضا کے ساتھ صبر کرنا چاہئے، ہر حال میں اسے یاد رکھیں، اس کا شکر کرتے رہیں۔ کامیابی کا راستہ یہی ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

چالیسویں (۴۰) ندا

احرام کی حالت میں شکار کرنا حرام ہے
اور جو شخص حالتِ احرام میں دانستہ
شکار کرے اسکی جزا کا بیان

سورۂ مائدہ
آیت ۹۵

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ
وَاَنْتُمْ حُرُمٌ فَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ
مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ
یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْیًۢا بٰلِغَ
الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیْنَ
اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ
اَمْرِهٖ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ
عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ
عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ○

اے ایمان والو! شکار نہ مارو جبکہ تم حالتِ احرام ہو اور تم میں سے جو شخص جان بوجھ کر اسے مارے تو اس کی جزا میں اسی جیسا چوپایہ جانور دے جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں یہ ہدی کعبہ تک پہنچائی جائے یا کفارہ مسکینوں کو کھانا دے یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ اپنی حرکت کا مزہ چکھ لے۔ اللہ تعالےٰ نے گذری ہوئی بات معاف کردی اور جو شخص دوبارہ ایسی ہی حرکت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے زبردست انتقام لیں گے اور اللہ تعالیٰ اس سے زبردست انتقام لے سکتے ہیں۔

تفسیر و تشریح

ابھی ابھی اوپر انتالیسویں ندا میں اللہ تعالیٰ کی آزمائش کا ذکر ہوا ہے جس میں عمرۂ حدیبیہ کے موقع پر سامنے آنے والی آزمائش کا حال بھی آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ اس موقع پر کس طرح شکار کئے جانے کے لائق جانوروں کی افراط اور بہتات تھی مگر کیا مجال کہ ان حضرات میں سے کسی نے بھی کوئی جانور شکار کیا ہو، حضراتِ صحابہ کی وہ پوری جماعت اس وقت کے ہونیوالے امتحان میں کامیاب ہو گئی تھی اور اللہ تعالیٰ ان سب ہی سے راضی و خوش ہو گئے تھے لیکن یہ دین اسلام عارضی و وقتی دین تو نہیں ہے یہ تو قیام قیامت تک کے لئے آیا ہوا دین آسمانی ہے اس کی تعلیمات نہ تو اب منسوخ ہونیوالی ہیں نہ ان میں کوئی کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے علم قدیم و ذاتی کے طور پر اہل اسلام جس طرح قیامت تک اسلام سے وابستہ رہیں گے اور ان میں جیسا کچھ انحطاط و ضعف بھی آتا رہے گا ان باتوں سے پوری طرح باخبر تھے، اسے یہ بھی معلوم تھا کہ عنقریب ہی کچھ زمانے بعد ایک دن ایسا بھی آسکتا ہے جس میں اہلِ ایمان اپنا مقام و مرتبہ اور اپنی بزرگی و رتبہ بھول جائیں گے اور پھر انھیں کی نسلوں سے ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو حالتِ احرام میں شکار کرنے کی معصیت و فسق میں بھی مبتلا ہو جائیں گے اور یہ صورت صرف غفلت اور جہل کے غلبہ پا جانیکی وجہ سے اور جذبۂ ایمانی و محبتِ اسلامی کی کمی اور کمزوری کیوجہ سے ظہور پذیر ہوگی تو اللہ تعالےٰ نے اس چالیسویں ندا میں اہل ایمان کو اسی طرف متوجہ فرمادیا۔ ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! شکار کو نہ مارو درانحالیکہ تم حالتِ احرام میں ہو۔ اس طرح اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں حج و عمرہ کا احرام باندھنے والے پر شکار کرنا حرام قرار دیدیا خواہ حل میں ہو یا حرم میں دونوں کا ایک حکم ہے۔ حُرُمٌ کا مطلب یہ ہے کہ تم جب احرام کی حالت میں ہو۔

شکار حرام ہونیکی وجہ امتحان و آزمائش نہیں ہے بلکہ حرمت کی علت یہ ہے کہ شکار ایک لایعنی کام اور از قبیلہ لہو و لعب ہے اور جو شخص حج و عمرہ کا احرام باندھے ہوتے ہے وہ گویا ادائے عبادت میں لگا ہوا ہے تو حالتِ عبادت

میں لایعنی تفریحی کام اور لہو ولعب کی مشغولی کیسے روا رکھی جائے۔ یہ شخص جو احرام باندھے ہوئے ہے ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص نماز پڑھنے میں مشغول ہو تو وہ اس وقت نہ بول سکتا ہے نہ ہنس سکتا ہے نہ کھاپی سکتا ہے۔ کوئی بھی ایسا کام نہیں کرسکتا جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہو تو اسی طرح یہ محرم بھی ہے اس نے بھی احرام باندھنے کے بعد نماز احرام کا سلام پھیر کر جیسے ہی لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ بِحَجٍّ یا بِعُمْرَةٍ کہہ دیا تو اب اس کی بھی نیت بندھ گئی۔ جب تک حج وعمرہ سے فارغ نہ ہوگا کوئی ایسا کام نہ کرسکے گا جس سے احرام (یعنی حج یا عمرہ) کی نیت ٹوٹ جاتی ہو اور عمرہ یا حج فاسد ہوجاتا ہو۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے محرم کیلئے شکار حرام فرمادیا اور شکار کی تخصیص نہیں ہے بلکہ ہر لہو ولعب جو ناجائز وحرام ہو وہ سب محرم پر حرام ہیں، پھر شکار ہی کا ذکر کیوں کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ محرم حالتِ احرام میں ایک طرح کا مسافر ہی ہوتا ہے جسے کھانے پینے کا بندوبست خود ہی کرنا پڑتا ہے اس لئے یہ فطری بات ہوگی کہ وہ ایسی حالت میں شکار کو اپنا کھانا بنانا تجویز کرلے اس صورت کے پیشِ نظر شکار کی حرمت کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمادیا۔

لہٰذا کسی مسلمان مرد وعورت کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ کسی قسم کے بھی آلہ سے اور کسی بھی طرح کوئی شکار کرے۔

آگے اللہ تعالےٰ نے اس شکار کی سزا و جزا بھی مقرر فرمادی ہے کہ جو شخص کسی شکار کو مارے اور شکار کی جان لے لے تو اس کی جزا یہ ہے کہ اسی جیسا جانور خرید کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرے اور یہ قربانی حرم میں ہونی چاہئے مثلاً اگر کسی شخص نے شترمرغ کا شکار کیا ہے تو اس کے بدلہ اونٹ کی قربانی کرنی پڑے گی اور جس نے نیل گائے کا شکار کیا ہو تو اسے گائے کی قربانی کرنی ہوگی، جس نے ہرن شکار کیا ہو تو ایک بکری کی قربانی کرے اور جس جانور کا مثل پالتو جانوروں میں نہ ملتا ہو تو اس کی قیمت لگوا کر قیمت صدقہ کرے گا اور اس قیمت کا فیصلہ دو ایسے عادل اشخاص کریں گے جنھیں اس قسم کے معاملات کا تجربہ ہو۔

اور عادل کا مطلب یہ ہے کہ صاحبِ ایمان ہو، گناہِ کبیرہ سے تو بچتا ہی ہو عام طور پر گناہ صغیرہ سے بھی بچتا ہو۔

یہ شکار بھول کر کیا گیا ہو یا دانستہ. دونوں صورتوں کا ایک ہی حکم ہے ہاں اگر یہ صورت ہوئی کہ کسی اور چیز کو مار رہا تھا اور شکار کا جانور شکار ہوگیا یہ صورت خطاء کی ہے۔ اس کا بھی حکم صاحب معارف القرآن نے یہی نقل فرمایا کہ شکار دانستہ کیا جائے. غلطی سے ہوجائے یا بھول کر کیا جائے سب کا ایک ہی حکم ہے (معارفُ القرآن ص۲۳۴ جلد سوم)

یہ جزاء کا جانور حرم میں قربانی کیا جائے گا۔ کفارۂ صید ایک تو یہ ہوا چاہے تو یہ کفارہ ادا کرے۔ دوسری صورت کفارہ کی یہ ہے کہ اس جانور کی قیمت کا غلہ وغیرہ خرید کر محتاج اور فقیر لوگوں پر تقسیم کردے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ اس قیمت کا جتنا غلہ ہوا ہو اس کا حساب کرلے اور ہر نصف صاع غلہ کے بجائے ایک روزہ رکھ کر کفارہ ادا کردے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ ہم نے محرم کے شکار کرنے کی یہ جزاء اسلئے تجویز کی ہے کہ اسے اپنی حرکت کا مزہ بھی چکھنے کو مل جائے۔

آخر میں یہ لطف آمیز اعلان بھی ہے کہ اس سے پہلے جو کچھ غلطی ہوچکی ہے اللہ تعالیٰ نے پچھلی غلطیاں معاف فرمادی ہیں لیکن آئندہ ایسی غلطی معاف نہوگی اس کیلئے یہ وعید وتہدید بھی سن لو کہ جو شخص آئندہ ایسی حرکت دوبارہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے سخت انتقام لے لیں گے اور اللہ تعالیٰ تو سخت سے سخت انتقام لے سکتے ہیں۔

اس وعید شدید کے پیشِ نظر بعض حضرات نے یہانتک کہہ دیا کہ آئندہ اگر وہ ایسا کریگا تو فدیہ ادا کرنا بھی کام نہ دیگا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی بدلہ لیں گے لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک حکم مسئلہ یہی ہے کہ وہ جب جب شکار کریگا فدیہ واجب ہوگا اور اسکا معاملہ اللہ تعالےٰ کے سپرد رہے گا۔ اس لئے بات بہت ڈرنے کے لائق ہے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ہر معصیت ونافرمانی سے ڈرنا چاہئے چاہے وہ حرم اور احرام کا شکار ہو یا اور کچھ ہو“ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا وَقِنَا شَرَّ نُفُوْسِنَا حَتّٰی لَا نَعْصِیَكَ۔

وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اکتالیسویں (۴۱) ندا

بے فائدہ ولایعنی سوال کرنیکی ممانعت

اور

اسکے بُرے نتائج سے ڈرانا

{ سُوْرۂ مائدہ
(آیت ۱۰۱-۱۰۲) }

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْھَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَکُمْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھَا وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝ قَدْ سَاَلَھَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِکُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِھَا کٰفِرِیْنَ ۝

اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھو کہ اگر تم سے ظاہر کردی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں اور اگر تم نزولِ قرآن کے زمانہ میں پوچھو تو تم سے ظاہر کردی جائیں خیر اللہ تعالےٰ نے معاف فرمادیا اور اللہ تعالےٰ بخشنے والے مہربان ہیں تم سے پہلے ایک قوم ایسی ہی باتیں پوچھ چکی ہے تو اس کا حق وہ لوگ بجا نہ لائے۔

تشریح وتفسیر

اس ندائے الٰہی کا بھی ایک خاص شانِ نزول ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے آیتِ بالا میں اپنے مومن بندوں کو اس بات سے روکا ہے کہ وہ لایعنی اور بے فائدہ سوال نہ کیا کریں۔ وہ شانِ نزول حضرت امام بخاری کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت ہی عجیب خطبہ دیا ویسا خطبہ آپ سے سنا نہیں گیا تھا جس میں آپ نے یہ بات بھی بیان فرمائی تھی کہ "اگر تم لوگ بھی وہ سب کچھ جانتے ہوتے جو میں جانتا ہوں تو تم لوگ کم ہی ہنستے اور روتے زیادہ"

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ کا یہ ارشاد سنکر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے چادروں میں چھپالئے اور سب کے رونے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اسی دوران ایک شخص نے یہ سوال کرلیا کہ "میرا باپ کون ہے؟" آپ نے جواب میں بتادیا کہ فلاں شخص ہے۔

اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی ــ اور ابن جریر نے قتادہ کی روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے یوں روایت کی ہے کہ لوگوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ سوالات کئے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک روز مکان سے باہر تشریف لے آئے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ آج تم لوگ مجھ سے جو کچھ سوال کروگے میں اس کا جواب دوں گا تو آپ کے اصحاب ڈر گئے کہ آج کوئی نہ کوئی بات سامنے آکر رہے گی تو میں نے داہنے بائیں دیکھنا شروع کیا تو دیکھتا ہوں کہ ہر شخص اپنا سر کپڑے میں چھپائے رو رہا ہے تو ایک شخص کھڑا ہوا جسے لوگ اس کے باپ کے علاوہ کسی غیر کے نام سے منسوب کرتے تھے اور پوچھا کہ میرا باپ کون ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حذافہ۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کھڑے ہوئے اور بولے:

رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّ الْفِتَنِ۔

ہم لوگ راضی ہیں اللہ تعالیٰ کو رب مان کر اسلام کو اپنا دین پسند کرکے اور حضرت محمدؐ کو اپنا نبی تسلیم کرکے، میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں فتنے کی برائی سے۔

اس آیت کے شانِ نزول سے متعلق تفسیروں میں روایات کثرت سے موجود ہیں۔ ہم یہاں ان دو پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ممانعت کا حاصل یہ ہے کہ "اے اہلِ ایمان تم جو بات

پوچھا کرو سوچ سمجھ کر پوچھا کرو ایسی باتوں کے متعلق سوال نہ کیا کرو کہ اگر انکا جواب اللہ تعالے کیطرف سے آجائے تو تمہاری ناگواری کا سبب بن جائے۔

مثال کے طور پر اوپر مذکور روایت میں آیا ہوا سوال ہی دیکھ لیں کہ جس شخص نے سوال کر کے اپنی ولدیت کی تحقیق کرنی چاہی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا تھا کہ فلاں شخص باپ ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اس موقع پر اگر جواب میں کسی دوسرے شخص کا نام بتادیا جاتا تو اس شخص کی نسبی حیثیت سبب ذلت اور عار بن جاتی خود اس شخص کیلئے بھی بلکہ اس کی ماں اور اس کے خاندان کی بدنامی کا سبب بن جاتی اور یہ ذلت و عار اس وقت تو دور ہوسکتی جب تک اس وقت کے موجود سارے ہی لوگ دنیا سے اٹھ نہ جاتے بلکہ ایسی باتیں تو کبھی ایک سے دوسرے کیطرف منتقل ہو کر بہت دنوں تک چلتی رہتی ہیں۔

اور اسی قسم کا سوال ان لوگوں کا بھی تھا جنھوں نے حج کی فرضیت کا حکم آنے پر یہ سوال کر لیا تھا کہ یہ حج اسی ایک مرتبہ کیلئے فرض ہوا ہے یا ہر سال کے لئے فرض ہوا ہے تو آپ نے فرمایا کہ نہیں صرف ایک بار فرض ہے اور اگر میں اسوقت جواب میں یہ کہہ دیتا کہ ہر سال فرض ہے تو ہر سال فرض ہو جاتا اور جب فرض ہو جاتا تو پھر تم انکار اور کفر کرنے لگتے۔ آیت شریفہ میں اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ" کا مطلب یہی ہے۔ اس کے بعد فرمایا ہے:

وَاِنْ تَسْأَلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ	یعنی اگر تم لوگ زمانۂ نزول کے وقت سوال کروگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم سے بیان فرمادیں گے۔

وحی کے ذریعہ وہ بات تم کو بتادی جائیں گی، حضور صلے اللہ علیہ وسلم تم سے بیان فرمادیں گے۔ اور اگر تم لوگ قرآن کے نازل ہونے سے پہلے ہی سوالات شروع کردو تو اس صورت میں تم لوگ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ضیق اور تنگی میں ڈال دوگے جس سے آپ کو تکلیف ہوگی۔ آپ کو اذیت میں ڈالنا بھی سخت حرام ہے لیکن اب تک تم لوگ جو پوچھ گچھ کر چکے ہو اللہ تعالے نے اسے معاف فرمادیا ہے اس پر مواخذہ نہیں فرمارہا ہے اللہ تعالیٰ تو صاحب علم و بخشش

ہے ہی اس نے اپنے حلم و مغفرت سے درگذر فرمادیا ہے۔

دوسری آیت میں اللہ تعالے نے پچھلی قوموں کی اسی قسم کی غلطی کا ذکر فرمایا ہے کہ" تم سے پہلے بھی ایک قوم نے ایسی ہی لایعنی و بے فائدہ سوال کئے تھے۔ یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایسے سوالات کئے تھے اور انھیں پھر ایسے احکام دیئے گئے جو وہ کر نہ سکے اور نافرمانی پر آمادہ ہو کر اس کا انکار ہی کر بیٹھے اور پھر ہلاک ہو گئے، ان کی ایسی حرکتوں کی مثال میں ان کا یہ سوال ذکر کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ فرمائش کی تھی کہ" اللہ تعالیٰ کو ہمیں کھلم کھلا دکھلا دیجئے"۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے سوال کے جواب میں بجلی کا کڑکا ہوا اور وہ بس دیکھتے ہی رہ گئے۔ یا دوسری مثال قوم صالح کا سوال تھا کہ انھوں نے حضرت صالح سے فرمائش کی تھی کہ اس پہاڑ سے ایک گابھن اونٹنی نکالدیجئے تو ہم آپکو پیغمبر مان لیں گے چنانچہ ان کی فرمائش پوری کردی گئی اور اسی طور پر اونٹنی نکال دی گئی تو اسے ذبح کر ڈالا جس کی پاداش میں ہلاک کردیئے گئے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے حواریین کا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے مائدہ (خوان نعمت) آسمان سے اتارا کریں ہمیں کھانا پکانا نہ پڑا کرے تو اللہ تعالے نے جواب میں فرمایا کہ" اچھا ٹھیک ہے ہمیں تمہاری فرمائش منظور ہے ہم خوانِ نعمت تم پر نازل کردیا کریں گے لیکن اس کے بعد (پھر کیا ہوسکتا ہے وہ بھی سن لو کہ) اگر تم میں سے کسی نے بھی کفر اختیار کیا تو پھر میں اسے ایسا سخت عذاب دوں گا کہ سارے عالم میں سے کسی کو بھی ویسا عذاب میں نہ دونگا۔ (چنانچہ یہی ہوا کہ مائدہ نازل ہوا انھوں نے ہدایت کے خلاف بچا کر رکھ لیا جس کے نتیجہ میں بندر اور سور بنادیئے گئے اللہ تعالے کی پناہ چاہئے)

اس لئے ہمیں یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ اس قسم کا غلو، حد سے تجاوز اور بے فائدہ سوالات کرنا مسلمانوں کے شایانِ شان نہیں ہے۔ دیکھئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد، آپ فرمارہے ہیں کہ" مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی بات کی بابت مسئلہ دریافت کیا جو مسلمانوں پر حرام نہ تھی لیکن اس کے پوچھ لینے کے نتیجے میں حرمت کا حکم آگیا۔

حضور اقدس فداہ ابی و امی و جمیع المسلمین صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ باتیں حرام کی ہیں، ماں کی نافرمانی، بچیوں کو زندہ در گور کرنا (بچیوں کے جہیز دینے کے اندیشے میں فیملی پلاننگ کے تحت نس بندی کرالینا بھی اسی ذیل میں آتا ہے باقی بچوں کی تعلیم و تربیت کا فلسفہ بیان کرنا نفسانی حیلہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے)

اور اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے تین باتوں کو مکروہ قرار دیا ہے۔ قیل و قال کرنا (مذہبی احکام میں حجت کرنا) سوالات کی کثرت کرنا اور مال کو ضائع کرنا (اسراف و فضول خرچی کرنا)

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعلیم و تربیت اور انھیں دین کے آداب سکھانے کیلئے فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالےٰ تم پر کچھ فرائض (ضروری احکام) مقرر کئے ہیں تو انھیں اپنی بے عملی سے ضائع نہ کیا کرو اور اللہ تعالےٰ نے دینی احکام کی کچھ حدیں مقرر فرمادی ہیں، ان حدود سے آگے نہ بڑھا کرو اور اللہ تعالےٰ نے کچھ چیزیں حرام فرمادی ہیں تو ان کا ارتکاب کر کے ممانعت کو پامال نہ کیا کرو اور کچھ باتوں سے متعلق سکوت اختیار فرمایا ہے محض تم پر رحمت فرماتے ہوئے اللہ تعالےٰ ان چیزوں کو بھولے نہیں ہیں لہٰذا ان کے بارے میں سوال نہ کیا کرو (کہ مشقت میں پڑ جاؤ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ انسان کے اسلام کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ وہ بے فائدہ کوئی کام نہ کیا کرے۔

اخیر میں یہ بات یاد رکھئے کہ ہمیں اللہ تعالےٰ کے ساتھ ہر معاملہ میں ادب ملحوظ رکھنا چاہئے، جب تک اللہ تعالےٰ کا کوئی حکم نہ آئے سکوت اختیار کرنا چاہیئے۔

اور حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کا ادب ملحوظ رہنا چاہئے۔ آپ جن باتوں کی دعوت دے رہے ہیں آپکی دعوت قبول کرنی چاہئے اسے ہرگز رد نہ کریں۔

اسی طرح اہلِ علم و علماء کے ساتھ ادب کا معاملہ رکھنا چاہئے کہ ان سے

بے فائدہ سوالات نہ کریں، جو مسئلہ اچھی طرح معلوم ہے (ان کا امتحان لینے کی غرض سے) ان سے دریافت نہ کریں۔ اور جو کام کرنے کا ہم ارادہ ہی نہ رکھتے ہوں اس کے متعلق ان سے کچھ کیوں دریافت کریں۔ لوگوں سے روپئے پیسے کا سوال نہ کیا کریں نہ اور کوئی چیز کسی سے مانگیں، ان سے ایسا کام نہ کہیں جو وہ ٹھیک سے نہ کر سکتے ہوں، سکوت و صبر کے ساتھ ذکر و شکر میں مشغول رہیں۔ یہی ہدایت و کمال کا راستہ ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بیالیسویں (۴۲) نداء

مومن کو اپنے نفس کی اصلاح کا حکم اور ایمان وعملِ صالح کے ذریعہ اسکی تطہیر اور یہ بتا دینا کہ دوسروں کی گمراھی سے اسے نقصان نہ ہوگا اگر وہ خود ہدایت پر ہے

سورۂ مائدہ
آیت ۱۰۵

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ
لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ
اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُکُمْ
بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اے ایمان والو ! اپنی فکر کرو، جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے، پھر وہ تم سب کو جتلا دیں گے جو جو تم سب کیا کرتے تھے۔

تشریح وتفسیر

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالےٰ نے اپنے حقیقی اور مخلص بندوں کو جو اس پر اور اس کی تمام تعلیمات پر کامل ایمان رکھتے ہیں یہ ضروری واہم ہدایت فرمائی ہے کہ اے ایمان والو ! تم اپنی فکر کرو کہ تم راہ سے بے راہ نہ ہونے پاؤ، اپنے نفس کی اصلاح میں لگے رہو، گناہوں اور معاصی میں مبتلا ہونے سے اس کی حفاظت کرتے

رہو تاکہ تمہارا نفس پاک وصاف اور آراستہ رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا حاصل کر سکے ۔ تم دوسروں کی اصلاح کے چکر میں اس طرح نہ پھنس جاؤ کہ خود اپنا نقصان کر بیٹھو، تم تو یہ بات جان لو کہ جو شخص گمراہ رہنے ہی کا فیصلہ کر چکا ہے اس کی گمراہی سے تم کو کوئی نقصان ہرگز نہ پہنچے گا بشرطیکہ تم خود گمراہی سے بچتے ہوئے راہ ہدایت پر گامزن رہو کیوں کہ ہر شخص اپنے کیے کا پابند اور ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا اور کسی دوسرے کی برائی کوئی دوسرا نہیں اٹھائے گا، جو برا کرے گا اس کا بدلہ اسی کو ملے گا۔ اللہ تعالےٰ کے سوا وہ اپنا کسی کو حامی وناصر نہ پائے گا۔

لہٰذا اگر امر بالمعروف کے تقاضے پر عمل کریں گے تو جو شخص کوئی معروف چھوڑ رہا ہوگا اسے اس معروف کیطرف متوجہ بھی کریں یا اگر کوئی شخص کسی منکر کا ارتکاب کر رہا ہو تو ہم نہی عن المنکر کے تقاضے سے اس منکر پر نکیر بھی کرینگے اور اسے اس برائی سے روکیں گے بھی کہ یہ ان دونوں حکموں پر عمل بھی ضروریات دین سے ہے اس عمل کا ترک کرنے والا راہ یاب نہ کہا جائے گا کیونکہ ہدایت کامل کی صورت یہی ہے کہ ہم خود بھی ہدایت پر رہیں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ بھی انجام دیتے رہیں جیساکہ اللہ تعالےٰ نے سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا ہے :

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُھُمْ
اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُقِیْمُوْنَ
الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَیُطِیْعُوْنَ
اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ سَیَرْحَمُھُمُ
اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) دوست ہیں، نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں، نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں۔ ان لوگوں پر ضرور اللہ رحمت کریگا بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے حکمت والا ہے۔

تو کیا حقیقی دوستی جس کا تقاضا محبت ونصرت ہی ہوتا ہے وہ اس طرح بھی ہوسکتی ہے کہ کوئی مسلمان اپنے کسی بھائی کو دیکھے کہ وہ ایسے معروف کو چھوڑ رہا

ہے جس کے ترک پر اسے عذاب ہو سکتا ہے اور وہ اسے اس کے لئے امر بالمعروف کا فریضہ ادا کرکے اس کو عذاب سے بچانے کی تدبیر نہ کرے۔ اسی طرح نہی عن المنکر کا فریضہ بھی وہ ضرور ہی ادا کرے گا۔ خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَ ذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ۔

تم میں سے جو شخص کوئی بری بات دیکھے تو اگر ہاتھ سے اسے روک سکتا ہو تو روک دے اگر اسکی قدرت نہ ہو تو زبان سے روک دے اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے برا سمجھے یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور اہم بات قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بالکل ہی ترک کر دیا جائے تو ہماری اپنی ہدایت بھی مکمل نہ ہو سکے گی کیونکہ چاہے کوئی اپنے گھر میں ہو یا کسی عام مجمع میں ہو اور ہر جگہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ترک کیا جا رہا ہو تو زیادہ مدت نہ گذرنے پائے گی کہ ہر جگہ دین میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا اور سب ہی لوگ اللہ تعالے اور اس کے رسول کی اطاعت چھوڑ بیٹھیں گے اور یہ صورتِ حال جب زیادہ حد سے بڑھ جائیگی تو اللہ تعالے کا عذاب سب کو آلے گا اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔

چنانچہ اس حقیقت کو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں بیان فرمایا ہے کہ

اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الْمُنْكَرَ وَلَا يُغَيِّرُوْنَهٗ يُوْشِكُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ يَّعُمَّهُمْ بِعِقَابٍ۔

لوگ جب برائی دیکھیں اور اسکی اصلاح نہ کریں تو بہت قریب ہے کہ اللہ عز وجل سب کو عذاب میں مبتلا کر دے۔

اب امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حدیث شریف بھی کان کھول کر سن لیجئے وہ حضرت ابی امیۃ الشعبانی سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو ثعلبہ الخشنی رضؓ کے پاس حاضر ہوا اور میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ اس آیت سے متعلق کیا طرزِ عمل رکھتے ہیں؟ انھوں نے پوچھا کس آیت کے متعلق پوچھ رہے ہو؟ میں نے یہی آیت (مذکورہ بالا) پڑھ دی۔ وہ بولے: بخدا میں نے اس آیت کے متعلق حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا تو آپنے فرمایا تھا کہ تم امر بالمعروف و نہی عن المنکر برابر ہی کرتے رہو البتہ جب یہ دیکھو کہ ہوس و لالچ کے کہے پر لوگ چلنے لگے ہیں، خواہشاتِ نفسانی کی پیروی ہو رہی ہے دنیا کو دین پر ترجیح دی جانے لگی ہے اور ہر شخص اپنی ہی رائے کو ترجیح دیتا ہے اور اسی کو اچھا سمجھتا ہے تو ایسے وقت میں بس اپنی فکر کرو (دوسروں کے چکر میں نہ پڑو) عوام کو چھوڑ دو کیونکہ اس صورتِ حال کے بعد تو اور بھی برے دن آنیوالے ہیں جو شخص ان دنوں میں ان حالات کو برداشت کرے گا اسکی مثال ایسی سمجھو کہ آگ کی چنگاری ہاتھ میں لے رکھی ہے اسوقت دین پر عمل کرنے کا اجر ایک شخص کو اتنا ملے گا جتنا آج تم لوگوں میں سے پچاس آدمی کو ملتا ہے۔

اب اخیر میں ہم حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ایک روایت کیطرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان کے ارشاد سے بھی ہماری ان تشریحات و توضیحات کی تصدیق و توثیق ہو جاتی ہے جو اوپر سے ہم بیان کرتے آرہے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک روز خطبہ میں ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم لوگ یہ آیت (يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ الآية) پڑھتے ہو اور تم لوگ اس کا حقیقی مطلب چھوڑ کر دوسرا مطلب نکالتے ہو۔ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ، لوگ جب برائی ہوتے دیکھیں اور اس کی اصلاح نہ کریں تو بہت قریب ہے کہ اللہ تعالے سب کو مبتلائے عذاب فرما دے۔

آخر آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" (تم سب لوگوں کو خدا ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے یہاں تم لوگ جو کچھ کرتے رہے ہو وہ تمہیں بتا دے گا)

یہ آیت وعدہ بھی ہے اور وعید بھی ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کا مطیع اور اس کے رسول کا فرماں بردار ہے اس کے لئے وعدہ ہے اور جس نے خدا و رسول کی نافرمانی کی ہے اس کے لئے وعید ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تینتالیسویں (۴۳) نِدا

مرنیوالے کی وصیّت پر گواہ بنانا واجب ہے، اور وصیت پر غیر مسلم کی شہادت مانی جاسکتی ہے جب مسلمان گواہ موجود نہ ہو

سُوْرَۃُ مَائدہ
آیات ۱۰۶-۱۰۷-۱۰۸

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ
اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ
الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ
اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ
ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ
الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ
فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ
لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ
ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ
اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝ فَاِنْ
عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا

اے ایمان والو! تمہارے آپس میں دو شخصوں کا وصی ہونا مناسب ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے جب وصیت کرنے کا وقت ہو وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں اور تم میں سے ہوں یا غیر قوم کے دو شخص ہوں اگر تم کہیں سفر میں گئے ہو پھر تم پر واقعہ موت کا پڑ جائے اگر تم کو شبہ ہو تو ان دونوں کو بعد نماز روک لو پھر دونوں خدا کی قسم کھائیں کہ ہم کو اس قسم کے بدلہ کوئی نفع نہیں لینا چاہیے اگرچہ کوئی قرابت دار بھی ہوتا اور اللہ کی بات کو ہم پوشیدہ نہ کریں گے ہم اس حالت میں سخت گنہگار ہوں گے پھر اگر

فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ
الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ
فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ
مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ
اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ذٰلِكَ
اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى
وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ
اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

اسکی اطلاع ہو کہ دونوں وصی کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو ان لوگوں میں سے جن کے مقابلہ میں گناہ کا ارتکاب ہوا تھا اور دو شخص جو سب میں قریب تر ہیں جہاں دونوں کھڑے ہوئے تھے یہ دونوں کھڑے ہوں پھر دونوں خدا کی قسم کھائیں کہ ہماری یہ قسم ان دونوں کی اس قسم سے زیادہ مطابق حق ہے اور ہم نے ذرا تجاوز نہیں کیا ہے ہم اس حالت میں سخت ظالم ہوں گے یہ قریب ذریعہ ہے اس مقصد کیلئے کہ وہ لوگ واقعہ کو ٹھیک طور پر ظاہر کر دیں یا اس بات سے ڈر جائیں کہ ان سے قسمیں لینے کے بعد قسمیں متوجہ کی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سنو اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہ کریں گے۔

تشریح و تفسیر

یہ ندا تین آیات پر مشتمل ہے ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے اہلِ ایمان کی بعض ایسی مشکلات کا حل بیان فرمایا ہے جو کبھی کسی وقت بعض حضرات کے سامنے پیش آجاتی ہیں یہ حل تین آیات میں بیان ہوا ہے جنکی تفصیل اس طرح ہے۔

پہلی آیت جو "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ" سے شروع ہوتی ہے اس میں پہلا حکم یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ کوئی مسلمان اپنی موت کے قریب آجانے پر اگر کسی قسم کی کوئی وصیت کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس وصیت پر دو معتبر و نیک مسلم ثقہ و عادل آدمیوں کو گواہ بنالیا کریں یہ تو اس وقت ہے کہ مرنے والا ایسی جگہ ہو جہاں مسلم گواہ مل سکتے ہیں اور اگر وہ سفر میں ہے یا کسی ایسی بستی میں ہے جہاں مسلمان گواہ نہیں مل سکتا تو مجبورًا غیر مسلم ہی گواہ بنالے اور اگر کسی وجہ سے ان گواہوں کی شہادت مشتبہ و مشکوک ہو جائے تو انھیں بعد نمازِ عصر سب کے سامنے روک لیں اور

ان سے ان الفاظ میں قسم لی جائے کہ "خدا کی قسم ہم اپنی ان قسموں کا کوئی نفع اور فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں اور نہ ہم اللہ کی بات کو چھپا رہے ہیں اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو ہم گنہگار ہوں گے اور ہم اپنے لئے کسی قسم کا گناہ پسند نہیں کرتے۔ یہ صورت تو وہ ہوئی کہ گواہوں کے عادل و معتبر ہونے میں شک و شبہ رہ جائے تو اس طرح ان سے قسم لیکر شہادت کو قابلِ اطمینان و فیصلہ بنایا جائے گا۔

اور اگر کہیں ایسی صورت ہو جائے کہ ان گواہوں کی کوئی خیانت اور غلط بیانی سامنے آجائے جس کیوجہ سے انکی شہادت لائق اطمینان نہ ٹھہرتی ہو تو ان گواہوں کی جگہ دوسرے دو گواہ کھڑے ہوں اور وہ ایسی ہی قسم کے ساتھ اس معاملہ کی شہادت دیں اور اپنی شہادت میں اس بات پر بھی قسم کھائیں کہ ان کی شہادت پہلے دو گواہوں کے مقابلہ میں زیادہ مطابق حق ہے اور اس سے زیادہ صحیح اور سچی ہے اور ہم لوگ ان دونوں پر الزام لگانے میں کوئی زیادتی نہیں کر رہے ہیں نہ کوئی ناحق بات کہہ رہے ہیں اگر ہم نے ایسا کیا ہو تو ہم بھی ظالم ٹھہریں گے۔ آیت شریفہ میں دوسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ احکام و ہدایات (کہ تم اپنی وصیت پر گواہ بناؤ اور اگر گواہ غیر معتبر ہوں یا وصیت کے معاملہ میں ان کی کوئی خیانت ظاہر ہو چکی ہو تو ان کی جگہ دوسرے دو گواہ مقرر کرو اور ان گواہوں سے اس اس طرح قسم لے کر اپنے فیصلہ کو زیادہ سے زیادہ مطابقِ حق اور یقینی بنانے کی کوشش کرو) اس لئے دی ہیں کہ اس طرح حق کے مطابق ان کی شہادت حاصل کی جا سکتی ہے کیونکہ جب فیصلہ کا یہ مندرجہ بالا طریقہ رہے گا تو جو کوئی بھی گواہی دے گا اسے یہ ڈر بھی لگا رہے گا کہ اگر اس نے شہادت میں کچھ غلط بیانی یا خیانت کی تو اس کی شہادت رد کر دی جائے گی اور اس کی جگہ دوسرے گواہ شہادت دیدیں گے جو اس کی غلط بیانی و خیانت کا پردہ چاک کر دیں گے اس اندیشہ کیوجہ سے ہر گواہ صحیح اور سچی بات ہی گواہی میں بیان کرے گا اور معاملہ کا فیصلہ حق کے مطابق ہو سکے گا۔

اللہ تعالےٰ نے اپنی ہدایات کی یہ حکمت و مصلحت بھی اہلِ ایمان کو سمجھا دی اور آخر میں انھیں تقویٰ کا حکم بھی دے دیا کہ تم لوگ تو ہر معاملہ میں اللہ تعالےٰ سے ڈرتے ہی رہا کرو اس کی نافرمانی و معصیت میں مبتلا ہو کر فاسق نہ بنا کرو کیونکہ تم یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالےٰ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں فرماتے۔ ان پر راہ ہدایت بند کر دیتے ہیں جس کی راہِ ہدایت ہی بند کر دی جائے وہ کیسے راہ یاب ہو سکتا ہے اور کیسے فلاح و نجات پا سکتا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے یہاں فسق کا لفظ لغوی معنےٰ کے لحاظ سے استعمال فرمایا ہے یہاں اصطلاحی فسق مراد نہیں ہے بلکہ اس فسق میں کفر بھی شامل ہے اور گناہ کبیرہ بھی شامل ہے دونوں ہی صورتوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے راہ ہدایت مسدود کر دینے کی وعید بیان کی ہے۔

آخر میں ہم حدیث شریف میں آیا ہوا وہ واقعہ بھی بیان کئے دیتے ہیں جسے ان آیات شریفہ کا شانِ نزول سمجھ لیجئے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے (یہ حضرت تمیم پہلے عیسائی تھے بعد میں اسلام لے آئے تھے) کہ ایک شخص بدیل نامی جو مسلمان تھا تجارت کیلئے ملک شام گیا یہ تمیم اور عدیؔ (نصرانی) اس کے رفیقِ سفر تھے، شام پہنچکر بُدیل بیمار ہو گیا، اس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اپنے سامان میں رکھ دی، تمیم و عدی کو اس فہرست کی کچھ خبر نہ تھی اس نے اپنے ساتھیوں کو وصیت کر دی کہ میرا سامان میرے گھر پہنچا دینا وہ مر گیا تو ان دونوں نے اس کا سامان لاکر وارثوں کے حوالہ کر دیا مگر ایک چاندی کا پیالہ جس پر سونے کے نقش و نگار اور قلعی تھی اس کے سامان سے نکال لیا۔ بدیل یہ پیالہ شام کے بادشاہ کیلئے لے گیا تھا اور اس کے سامانِ تجارت میں یہ سب سے قیمتی سامان تھا۔

تمیم کہتے ہیں کہ جب وہ مر گیا تو ہم نے اسے ایک ہزار درہم میں بیچ لیا اور یہ قیمت میں نے اور عدی نے آدھی آدھی تقسیم کر لی۔ اور جب ہم لوگ واپس ہوئے تو اس کے گھر والوں تک اس کا سامان پہونچا دیا وہ پیالہ اس میں انھیں

نہ ملا تو ہم سے پوچھا۔ ہم نے کہہ دیا کہ اس نے اس سامان کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں چھوڑی تھی (ان لوگوں کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا وہ خاموش رہ گئے)

اسلام لانے کے بعد حضرت تمیم کو اپنی چوری کے گناہ کا احساس ہوا تو یہ اس کے گھر والوں کے پاس گئے اور انھیں پوری بات بتادی اور جو رقم ان کے حصہ میں آئی تھی یعنی پانچ سو درہم وہ انھیں دیدیئے اور یہ بھی بتادیا کہ میرے ساتھی کے پاس بھی اتنی ہی رقم ہے ان لوگوں نے اسے جاگھیرا اور اپنی رقم کا مطالبہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے کہا کہ اپنے دین و مذہب میں جس کو سب سے بڑا سمجھتے ہو اس کی قسم کھاؤ تو انھوں نے قسم کھائی۔ اس قضیہ کے موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ عمرو بن العاص اور ایک دوسرے شخص نے قسم کھائی تو بقیہ پانچ سو درہم اس شخص سے وصول کئے گئے۔

یہ روایت ابن جریر طبری اور ترمذی نے نقل کی ہے، امام ترمذی نے اپنے معیار روایت پر پوری نہ اترنے کی وجہ سے اس کی تضعیف کی ہے لیکن اس روایت کی تائید دوسرے شواہد سے ہوجاتی ہے اور آیات کے مضمون کے مطابق بھی ہے اس لئے روایت قابلِ قبول ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ

چوالیسویں ندار (۴۴)

راہ خدا میں جنگ کے موقع پر میدانِ جنگ سے بھاگ نکلنا حرام ہے، ایسا کرنا سخت قسم کا گناہ کبیرہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب و عذاب کا سبب ہے

سورۃ الانفال
آیات (۱۵-۱۶)

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ
الْاَدْبَارَ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ
دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا
اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَاۗءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ
وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

اے ایمان والو! جب تمہاری کافروں سے (جہاد میں) آمنے سامنے مڈبھیڑ ہو تو ان سے پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو اور جو شخص اس وقت پیٹھ پھیرے گا وہ اللہ کے غضب کا مستحق ٹھہرے گا سوا اس شخص کے جو لڑائی ہی کیلئے پینترا بدلنے میں ادھر سے اُدھر ہوجائے یا اپنی ہی فوج کی طرف انکی مدد لیئے آتا ہو۔

تشریح و تفسیر

اللہ تعالےٰ نے اس ندار کے ذریعہ اپنے مومن بندوں کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا ہے کہ اے اہل ایمان میرے بندو چونکہ تم ہی اپنے ایمان کی بدولت میرے خطاب کے اہل و مستحق ہو کہ جو سنتے ہو اس پر عمل کیلئے آمادہ بھی ہوجاتے ہو اس لئے تم سے ہی یہ

خطاب کیا جارہا ہے کہ میدانِ جہاد میں جب کبھی کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہورہی ہو گھمسان کی لڑائی ہورہی ہو تو لڑائی کی شدت اور خوفناکی سے گھبرا کر کافروں کے مقابلہ سے پیٹھ نہ پھیرنا کیونکہ یہ بہت بڑا عیب ہے اور بڑی ذلت و رسوائی کا سبب بنتی ہے جو کسی صاحبِ ایمان کو زیب نہیں دیتی جو اللہ تعالے سے دوستی اور تعلق کا دم بھرتا ہو۔

چونکہ اللہ تعالے کو یہ بات مطلوب ہے، کہ وہ اپنے اولیاء کو شجاعت و بہادری اور وقتِ جنگ و مقابلہ انھیں اقدام و پیش قدمی کی تربیت فرمادے اس لئے اس آیت میں میدانِ جنگ میں بزدلی دکھانے اور پیٹھ پھیرنے کی حرمت و ممانعت بیان فرمادی تاکہ وہ کسی وقت بھی مشرکین و کفار کے مقابلہ میں ضعف و کمزوری نہ دکھائیں۔

اور چونکہ مقابلۂ دشمن سے بھاگنے اور فرار اختیار کرنیکے اثرات بہت ہی زیادہ برے ہوتے ہیں خاص کر جبکہ گھمسان کی لڑائی ہورہی ہو کہ اس کے نتیجہ میں کافر دشمن مومن بھائیوں پر غلبہ پا جائے گا اور اس میں یہ بھی نقصان ہے کہ کچھ لوگوں کے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانے سے اہلِ اسلام مجروح و زخمی بھی کثرت سے ہوں گے اور شہید بھی زیادہ ہوں گے، نیز کافر دشمن مسلمانوں کے اسلحہ جات اور ساز و سامان پر قبضہ بھی کرلیں گے جس کا انجام یہاں تک پہنچے گا کہ اسلامی دعوت اسی مرحلہ میں رک جائے گی آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کیلئے اسے نصرت و حمایت نہ مل سکے گی۔

انھیں وجوہ کی بناء پر "تولی یوم الزحف" (صف مقاتلہ و جہاد سے پیٹھ پھیرنا) گناہِ کبیرہ قرار پایا ہے اس کے گناہِ کبیرہ ہونے کے ثبوت میں اللہ تعالے کا اسی موقع پر یہ فرمانا بہت کافی ہے کہ ایسا شخص اللہ تعالے کے غضب کا مستحق ہوگا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا جو بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جنگ کے وقت میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا ہلاکت کرنے والی حرکت ہے چنانچہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سات ہلاک کرنے والی حرکتوں سے

بہت دور رہو۔

اللہ تعالے[۱] کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، جادو[۲] کرنا، بے[۳] وجہ و بے قصور کسی کو قتل کرنا، سود[۴] کھانا، یتیم[۵] کا مال کھانا، لڑائی[۶] کے وقت (کفار کے مقابلہ سے) بھاگ جانا، پاک[۷] دامن بھولی سیدھی عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔

لہٰذا ان بڑے بڑے گناہوں کے ساتھ میدانِ جنگ سے بھاگنے کو بھی شمار کیا گیا ہے، اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتنا بڑا گناہ ہوگا؟

آیتِ شریفہ میں اللہ تعالے نے میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے کیلئے جو وعید شدید بیان فرمائی ہے کہ ایسا شخص اللہ تعالے کے غضب کا مستحق ٹھہرتا ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اس وعید سے دو حالتوں میں اپنی جگہ چھوڑ دینے کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے ان دو حالتوں میں اجازت ہے کہ کوئی شخص اپنی جگہ سے ہٹنا چاہے تو ہٹ سکتا ہے اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا کیونکہ یہ دونوں صورتیں موت سے فرار کی بناء پر نہیں ہیں بلکہ اسلام اور اہلِ اسلام کی نصرت و مدد کی نیت سے صرف جگہ بدلی جارہی ہے میدان نہیں چھوڑا جارہا ہے۔ وہ دو صورتیں یہ ہیں:

پہلی[۱] صورت تو یہ ہے کہ کوئی مسلمان کافروں کو مغالطہ میں رکھنے کے لئے کوئی داؤں کرنے یا پینترا بدلنے کیلئے اِدھر سے اُدھر ہو جاتا ہے اور پھر موقع پا کر دشمن پر حملہ کر دیتا ہے۔

دوسری[۲] صورت یہ ہے کہ یہ مجاہد دشمنوں کے درمیان کہیں گھر گیا ہے اور قریب ہی اہل اسلام کے مجاہدین بڑی تعداد میں موجود ہیں تو یہ مجاہد ان مجاہدین کے ساتھ مل جاتا ہے کہ اسے ان سے یا انھیں اس سے تقویت حاصل ہو جائے۔

ان دو صورتوں کو اللہ تعالے نے "اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ" کے فقرہ میں اس وعید شدید سے مستثنیٰ فرما دیا ہے کہ درحقیقت یہ دونوں صورتیں "تولی یوم الزحف" کا مصداق اور میدانِ جنگ سے فرار نہیں ہیں۔

ان دو صورتوں کے سوا اجازت نہیں ہے کہ کوئی مجاہد موقع جہاد پر وہاں سے بھاگ نکلے یا میدان جنگ سے باہر ہو جائے اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے

تو وہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے پھر اگر اس گناہ سے توبہ نہیں کرتا تو یقیناً وہ وعید کا مصداق ٹھہرے گا۔ اللہ تعالے ہمیں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔

بعض علمارِ سلف نے یہاں پر یہ بات کہی ہے کہ میدانِ جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگنے پر یہ وعید شدید صرف اسی خاص غزوۂ بدر ہی سے تعلق رکھتی ہے جس موقع پر یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تھی لیکن اصول کا قاعدہ مشہور ہے "العِبْرَۃُ بِعُمُومِ اللفظ لا بخصوصِ المورِدِ" کہ الفاظ کا عموم ہی معتبر ہوتا ہے کسی خاص واقعہ سے تعلق کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اس کے علاوہ اوپر بخاری شریف کی حدیث گذر چکی ہے جس میں سات ہلاک کرنے والی حرکتوں کا بیان فرمایا گیا ہے۔ جن میں سے ایک میدانِ جنگ سے فرار بھی شمار کیا گیا ہے۔ باقی جو شخص توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔

وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

---

(۴۵)
پینتالیسویں ندار

اللہ و رسول کی اطاعت واجب اور ان دونوں کی نافرمانی حرام، منافقین کی مشابہت اختیار کرنا اور انھیں جیسی باتیں کرنا حرام ہے۔

سُوْرَۂ انفال
(آیات ۲۰-۲۱-۲۲-۲۳)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ
رَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ
تَسْمَعُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ قَالُوْا
سَمِعْنَا وَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ شَرَّ
الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ
الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ عَلِمَ
اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ
وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ
مُّعْرِضُوْنَ ۝

اے ایمان والو! اللہ کا کہنا مانو اور اس کے رسول کا اور اس کا کہنا ماننے سے منہ مت پھیرو درانحالیکہ تم (دل سے) سن تو لیتے ہی ہو اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو یہ کہتے تو ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں بے شک بدترین مخلوق اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں، گونگے ہیں کہ ذرا نہیں سمجھتے اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتے تو انھیں سننے کی توفیق دیتے اور اگر انھیں سنا دیں تو ضرور منہ پھیر لیں گے بے رخی کرتے ہوئے۔

تشریح و تفسیر

یہ آیات سورۂ انفال کی بیسویں سے تیئیسویں تک کی چار آیات ہیں جن میں اللہ تعالے نے اپنے اہلِ ایمان بندوں کو مخاطب فرمایا ہے جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لا کر انکی تصدیق

کر چکے ہیں جنھوں نے اس کے ان وعدوں کی بھی تصدیق کی ہے جو اس نے اپنے خاص بندوں اور دوستوں کے متعلق فرمائے ہیں اور ان وعیدوں پر بھی ان کا ایمان و یقین ہے جو اس نے اپنے دشمنوں کے حق میں بیان فرمائی ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دے رہے ہیں اور انھیں اطاعت سے روگردانی کرنے کی ممانعت فرما رہے ہیں درانحالیکہ وہ لوگ اللہ تعالےٰ کی آیات سنتے رہتے ہیں جو ان پر تلاوت کی جاتی رہتی ہیں اور ان موعظتوں اور نصیحتوں کو بھی سنتے رہتے ہیں جو برابر کتاب اللہ کے ذریعہ یا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان کے ذریعہ ان تک پہنچتی رہتی ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے ان آیات میں اللہ و رسول کی اطاعت کی ہدایت اس لئے فرمائی ہے کہ اللہ تعالےٰ کیطرف سے ان کی نصرت و مدد ان کے ایمان و اطاعت ہی کے نتیجہ میں ہو سکتی ہے، اگر وہ اس سے روگردانی کرتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی دوستی اور نصرت و مدد سے محروم ہو جائینگے اور جس طرح دوسرے اہلِ کفر اور اہلِ فسق و معصیت اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد اور ولایت سے محروم ہیں یہ بھی اسی طرح محروم ہو جائیں گے۔

دوسری بات جو دوسری آیت میں ارشاد فرمائی گئی وہ یہ کہ انھیں ایسے منافق لوگوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا گیا ہے جو صرف زبانی جمع خرچ کے طور پر یہ تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے اللہ و رسول کی بات سن لی مگر حقیقت یہی ہے کہ وہ سنتے سناتے کچھ بھی نہیں ہیں صرف زبانی دعویٰ کرتے ہیں۔ اور ایسی صورت میں ان کا سننا نہ سننا بالکل برابر ہے جبکہ وہ اپنی سنی ہوئی ہدایات و تعلیمات پر عمل ہی نہیں کرتے۔ حق بات کے دیکھنے اور سننے کے معاملہ میں چاہے منافقین ہوں یا مشرکین و کافرین ہوں دونوں ہی اندھے، بہرے اور گونگے بن جاتے ہیں اہل ایمان کو ان لوگوں کی مشابہت و نقل سے منع فرمایا گیا ہے کہ تم لوگ ان جیسے نہ بنو کہ صرف زبان سے دعویٰ کرتے رہو کہ ہم نے سن لیا اور ان پر عمل ندارد۔ سننے سے مقصد تو عمل ہی ہے، جب عمل نہیں تو سننا کس کام کا؟

اسی آیت میں اللہ تعالےٰ نے کافروں کی صورتِ حال پر اس طرح روشنی ڈالی ہے کہ اے اہلِ ایمان! تم ان کافروں کے حال سے باخبر رہو یہ سب بدترین خلائق ہیں جنھیں انسان کہنا بھی صحیح نہیں ہے بلکہ یہ بدترین چوپائے ہیں کہ انھیں کیطرح سے یہ بھی گونگے بہرے بنے ہوئے ہیں اسلئے تم ان کے معاملہ میں کسی مغالطے میں نہ رہو یہ تمہاری دعوتِ اسلام نہ سنیں گے نہ قبول کرینگے۔

ان کفار و مشرکین اور منافقین کو ”شر الدواب“ بدترین خلائق اور چوپایہ کیوں کہا گیا ہے، اسکی وجہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ ان کا کفر و انکار کا معاملہ ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و معبودیت کا انکار کر کے اس کے ساتھ بتوں کو شریک بنالیا غیر اللہ کی عبادت و بندگی کرنے لگے اس لئے گمراہ ہو کر ایسے مجرم قرار پائے کہ ”شر الدواب“ کا استعمال ان کے حق میں بالکل بجا اور برمحل ٹھہرا۔

یوں بظاہر نظر تو اس آیت میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کا روئے سخن کفار و مشرکین اور منافقین ہی کیطرف ہے لیکن بغور دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ضمناً خود اہلِ ایمان کو بھی چوکنا کرنا اور متنبہ کرنا بھی منظور ہے کیونکہ جیسا اوپر کہا گیا کہ اس زجر و تنبیہ کا منشاء ان لوگوں کی ذات سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس کا اصل تعلق ان کے کفر و شرک اور نفاق و عصیان سے ہے لہٰذا جہاں بھی یہ امور متضمنِ فساد و شرور پائے جائیں گے وہاں اسی طرح زجر و توبیخ اور تنبیہ و تہدید کی جائے گی لہٰذا اہلِ ایمان کو بھی اسی ضمن میں بتادیا گیا کہ اگر نعوذ باللہ منہ تم نے یہی روش اختیار کی تو تم سے بھی ولایت کا تاج چھین کر تمہیں بھی ”شر الدواب“ کا مصداق قرار دیدیا جائے گا۔

تیسری آیت میں اللہ تعالےٰ نے انکی ازلی شقاوت و بدبختی ظاہر فرمائی ہے کہ اگر یہ بات فرض بھی کر لی جائے کہ اگر اللہ تعالےٰ کو ان میں کسی قسم کی بھلائی کا علم ہوتا تو اللہ تعالےٰ انھیں اپنی آیات سنا بھی دیتے اور جب انھیں آیات سنا دی جاتیں تو پھر یہ اس سے اعراض اور روگردانی کرتے۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے علم ازلی سے یہ بات پہلے ہی سے معلوم تھی کہ یہ ان آیات کو سننے کے بعد اس پر عمل نہ کریں گے اسلئے اللہ تعالیٰ نے انھیں ان آیات کے سننے ہی سے

بہرہ کردیا کیونکہ اگر اللہ تعالےٰ وہ آیات انھیں سناتے اور یہ بھی مسلمانوں کی طرح انھیں سنتے بھی تو یہ انجام کار اعراض و روگردانی ہی کرتے۔

اب یہ نکتہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ سننے کے بعد یہ روگردانی و اعراض کیوں کرتے ہیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کا طریقہ ہی یہ ہے کہ انسان جب شر و فساد میں بہت زیادہ گہرائی میں ڈوب جاتا ہے تو پھر وہ خیر و صلاح، عدل و پاکیزگی قبول کرنے کے لائق ہی نہیں رہ جاتا ہے اس کی حالت ایسی ہوجاتی ہے کہ دعوت حق سنتا ہے، اہلِ حق سے متعلق بشارت سنتا ہے، اسے دوزخ سے ڈرایا جاتا ہے وہ ڈر کے مضامین سنتا ہے لیکن اپنے شر و فساد اور ظلم و خباثت میں ڈوبے ہونیکی وجہ سے اس کا نفس ان باتوں کو کلیۃً قبول ہی نہیں کرتا اسی بنا پر قرآن مجید و احادیث میں بہت تحذیر آئی ہے کہ کسی بھی معصیت و گناہ سے توبہ کرنے میں تاخیر نہ کرنی چاہئے اور اس بات سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص کسی گناہ میں اس قدر زمانے تک مبتلا رہا کہ وہ گناہ اس کی طبیعت و عادت کیطرح جڑ پکڑلے تو پھر وہ اس کے ترک پر قادر ہی نہ ہوگا اور ہلاک ہوجائے گا۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ان آیات میں یہ چند ہدایات فرمائی گئی ہیں کہ اہلِ ایمان پر اللہ و رسول کی اطاعت واجب ہے اور مشرکین و کافرین کا انداز اختیار کرنا حرام و معصیت ہے، ایسے لوگ تو کتے بندر اور سور سے بھی بدتر ہیں جیساکہ اللہ تعالےٰ نے سورۂ بینہ میں ایسے ہی لوگوں کو "شر البریہ" "بدترین مخلوق" فرمایا ہے۔ اسی طرح معصیت پر توبہ میں ہرگز تاخیر نہ ہونی چاہئے کہ پھر گناہ و معصیت ہماری طبیعت و عادت بن جائے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اپنی حفاظت میں رکھے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

چھیالیسویں (۴۶) نداء

اللہ و رسول کی پکار کا جواب دینا واجب ہے

جو کچھ بھی حکم دیں، منع فرمائیں، خوشخبری دیں،
ڈرائیں اس کے مطابق عمل واجب ہے۔
جن طریقوں سے فتنوں سے بچا جاسکتا ہو
بچنا واجب ہے

○

سورۂ انفال
آیتان (۲۴-۲۵)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالایا کرو جبکہ تمہیں رسول ان چیزوں کیطرف بلاتے ہیں جو تم کو زندگی بخشتی ہیں اور جان رکھو کہ اللہ تعالےٰ آڑ بن جاتا ہے آدمی اور اس کے قلب کے درمیان اور بلاشبہ تم سب کو اسی کے پاس جمع ہونا ہے اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص تمہیں لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ تعالےٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

تشریح وتفسیر

اللہ تعالےٰ نے اپنی اس ندا میں اپنے دوست بندوں کو مخاطب فرما کر اپنی اور اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم دیا ہے فرماتے ہیں:

اے ایمان والو! تم سب اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے حکم کی تعمیل کیا کرو، اللہ تعالےٰ جو کچھ تمہیں حکم دیں اسے بجالایا کرو، جس اعتقاد کا پابند بنائیں اس اعتقاد کو دل وجان سے قبول کرو، جس اچھی بات کا حکم دیں اسے کہو، جس نیک کام کی دعوت دیں اس پر عمل کرو کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو — اور اسی قسم کا معاملہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی رکھا کرو — تم کو یہ حکم اس لئے دیا جارہا ہے کہ اللہ ورسول تمہیں ایسی ہی باتوں کی طرف دعوت دیتے ہیں جن میں تمہاری حیاتِ ابدی کا راز پوشیدہ ہے ان کے احکام کی تعمیل کر کے تم کامیاب وخوشگوار ابدی زندگی حاصل کرسکتے ہو۔

اور یہ بات جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اور اس کے دلی ارادے کے درمیان آڑ بھی بن جایا کرتے ہیں۔ لہٰذا جب کبھی کسی نیک کام کے کرنے کا یا کسی برے کام کے چھوڑنے کا ارادہ دل میں پیدا ہو تو فوراً اس کے تقاضے پر عمل کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ یہ موقع ہاتھ سے نکل جائے کیونکہ اللہ تعالےٰ دل کے بدلنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں اور جس طرف چاہتے ہیں اسے پھیرتے رہتے ہیں۔

حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث شریف تم نے سنی ہی ہوگی جس سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"اَللّٰھُمَّ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ" (اے اللہ! دلوں کو پلٹ دینے والے اللہ میرے قلب کو اپنے دین پر جما دیجئے)

اسی طرح ایک دوسری دعا میں آپ نے یوں فرمایا ہے:

"اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا اِلٰی طَاعَتِکَ" (اے اللہ! دلوں کو پھیر دینے والے اللہ ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کیطرف پھیر دیجئے)

پہلی آیت کا خاتمہ اس جملہ پر فرمایا ہے "وَاَنَّہٗٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ" (یہ حقیقت واقعہ ہے کہ تم سب اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے) اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ایک ایسی حقیقت کی اطلاع دے رہے ہیں جس سے اہل ایمان کو کسی وقت بھی غافل ہونے کی گنجائش ہے نہ اسے فراموش کیا جانا چاہئے وہ یہ کہ سب لوگ روزِ قیامت اللہ تعالےٰ ہی کے پاس جمع ہوں گے جہاں ان کے ایک ایک عمل کا بدلہ دیا جائے گا، عبادات وطاعات کا بدلہ بھی ملے گا اور معاصی وارتکابِ محرمات کا بھی بدلہ دیا جائے گا۔

اسی لئے اہلِ ایمان کو چاہئے کہ وہ اللہ ورسول کی استجابت اور تعمیلِ حکم میں ذرا بھی کوتاہی نہ کریں، انھیں جب بھی ایسے امور کی دعوت دی جائے جو انھیں زندگی بخشتے ہوں تو یہ پوری دلچسپی وشوق کے ساتھ اس کی بجاآوری کریں انھیں اللہ تعالےٰ کی شفقت ورحمت پر پورا اطمینان ہونا چاہئے کہ وہ انھیں صرف انھیں امور کا مکلف بنائے گا جو ہر اعتبار سے ان کے حق میں مفید وموجب سعادت ہوں۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک بہت اہم بات کیلئے خبردار کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ تم لوگ اس فتنہ سے ڈرو جو کہ صرف ان لوگوں ہی تک محدود نہ رہیگا جو کہ گنہ گار ہوں بلکہ وہ اس وقت موجود رہنے والے سب ہی لوگوں کو پہونچے گا جو گنہ گار ہوں گے ان کو بھی اور جو بے گناہ ہوں گے ان کو بھی پہونچے گا اور یہ بات جان لو کہ اللہ تعالےٰ بڑی سخت سزا دینے والے ہیں۔

اللہ تعالےٰ کیطرف سے یہ آگاہی وتحذیر قیامت تک کیلئے ہر زمانہ کے لئے اور ہر ملک اور ہر بستی وآبادی کے لئے ہے کہ اگر کہیں کے لوگ کسی بھی زمانے میں اللہ ورسول کی طاعت میں بجاآوری کا معاملہ نہ رکھیں گے اور فرائض وواجبات کی ادائیگی اور محرمات وممنوعات کا ترک اختیار نہ کریں گے تو اس کے نتیجہ میں جو انتشار اور فساد رونما ہوگا وہ اللہ تعالےٰ کے غضب کو بھڑکا کر عام عذاب کی صورت پیدا کردے گا۔

خلاصۂ کلام یوں سمجھئے کہ اس آیت میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اہلِ ~~ایمان اللہ ورسول کی اطاعت واستجابت کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابندی بھی لازمی رکھیں ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ فتنہ ظہور پذیر ہو جائے~~

جس میں اللہ تعالےٰ کا عذاب صرف ظالموں اور گنہگاروں تک محدود نہ رہے اور سب لوگ مبتلائے عذاب ہو جائیں کیونکہ یہ صورت کہ فتنہ صالح و بدکار سبھی کو اپنی لپیٹ میں لے لے اسی وقت ہوتی ہے جب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو بالکل ہی ترک کر دیا جائے (آج کل عام طور پر امر بالمعروف کا کچھ حصہ زیر عمل ہے نہی عن المنکر کے ساتھ معاملہ شریعت منسوخہ کا کر لیا گیا ہے یہ پہلو اہلِ علم کے لئے قابلِ غور رہے) چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آیتِ بالا کی تفسیر ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ اہلِ ایمان منکر اور برائی کو اپنے درمیان باقی نہ رکھیں ورنہ اللہ تعالےٰ کا عام عذاب آجائے گا۔

مسلم شریف میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ بات مروی ہے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ کیا ہم لوگ ایسے وقت میں بھی ہلاک ہو جائیں گے جبکہ ہمارے درمیان نیک لوگ موجود ہوں گے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہو جائے جبکہ دین میں بگاڑ بہت زیادہ ہو جائے گا۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ اپنی مسند شریف میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب میری امت میں معاصی کا ظہور ہو جائے، کھلم کھلا لوگ گناہ کرنے لگیں تو اللہ تعالےٰ اپنا عذاب ان سب پر عام فرما دیں گے۔ کہتی ہیں میں نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا ان میں نیک لوگ بالکل ہی نہ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں نیک لوگ کیوں نہ ہوں گے میں نے پوچھا وہ لوگ کیا کئے جائیں گے۔ آپ نے فرمایا جو عذاب لوگوں پر آئے گا ان نیک لوگوں پر بھی آئے گا پھر انکی مغفرت فرما دی جائے گی اور اللہ تعالےٰ ان سے راضی ہو جائیں گے (گھر گھر میں ٹی، وی، عورتوں کی بے حجابی و بے پردگی، عریانیت پسندی کیا سب گناہ کھلم کھلا نہیں ہو رہے ہیں؟ غور کیجئے اور فکر کیجئے)

بلائیں کیسے نہ نازل ہوں اور امت کو عذاب کیسے نہ پہنچے گا جبکہ امت نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بالکل ہی چھوڑ دیا ہے اس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔ اندلس کا حشر کیا ہوا؟ ہند کی اسلامی حکومت کہاں

گئی اور کیوں گئی؟ مشرقی یورپ کے مسلمان کہاں گئے جن کی بستیاں اب کھیل کود کی بستیاں بن گئیں اور یہ سب صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینے کا نتیجہ ہے لہٰذا اس ضروری و اہم فریضہ کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سینتالیسویں (۴۷) ندار

اللہ و رسول کے ساتھ خیانت اور امانات میں خیانت حرام ہے مال و اولاد فتنہ ہیں ان سے چوکنّا رہنا ضروری ہے

○

{ سُوْرَۃُ الْاَنْفَال
آیتان (۲۷-۲۸) }

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ وَّاَنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے حقوق میں خلل نہ ڈالو اور نہ اپنی قابلِ حفاظت چیزوں میں خلل ڈالو درانحالیکہ تم (اس کا نقصان) جانتے ہو اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد امتحان کی چیز ہیں اور اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ کے پاس بڑا بھاری اجر ہے۔

تشریح و تفسیر

یہ بات آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں ایسی ندا ماتِ رحمانیہ آئی ہیں ان سب میں ہم سب اہلِ ایمان کیلئے یا تو کسی کام کا حکم دیا گیا ہے یا ہمیں کسی ایسی بات سے روکا گیا ہے جس سے تقاضائے ایمان پورا نہ ہوتا ہو اور ہمارے قلوب کی طہارت و صفائی آلودگی و گندگی سے تبدیل ہو جاتی ہو۔

چنانچہ یہاں اس آیتِ شریفہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو ایک بڑی ہی اہمیت رکھنے والی تعلیم دی ہے اور انھیں ایک بڑی ہی خطرہ والی بات سے ممانعت فرماتے ہوئے انھیں اسی کے ارتکاب سے روکا ہے۔ وہ خطرناک بات اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت کا ارتکاب ہے وہ خیانت اس طرح ہو گی کہ ہم ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری ظاہر کریں اور اندرونی طور پر معصیت و نافرمانی کا طریقہ اپنائیں جو صریح خیانت اور کھلا نفاق ہے جو اہلِ ایمان کے شان کے بالکل خلاف اور طریقۂ منافقین ہے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بڑے اہتمام و تاکید کے ساتھ اس کی نہی و ممانعت بیان فرمائی اور جس طرح یہ خیانت اللہ و رسول کی دی ہوئی تعلیمات و ہدایات کے معاملہ میں جائز نہیں ہے اسی طرح انسانوں کی جو امانات ہوں ان میں بھی کسی قسم کی خیانت جائز نہیں ہے۔ اس حکم کے پیش نظر بات کو یوں سمجھ لیا جائے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے امانات کی حفاظت کا حکم اور ان میں خیانت کو حرام و ناجائز ٹھہرایا ہے۔ اور یہ امانات دو طرح کی ہوتی ہیں ایک امانتِ خاصہ، دوسری امانتِ عامہ۔

امانتِ خاصہ:۔ وہ امانتیں ہیں جو دوسرے انسانوں کیطرف سے کسی انسان کے پاس بقصدِ حفاظت رکھی جائیں جیسے مال و سامان یا کوئی راز کی بات وغیرہ

امانتِ عامہ:۔ وہ شرعی احکام ہیں جن کا اہلِ ایمان کو مکلف بنایا گیا ہے یہانتک کہ بول و براز سے استنجاء اور طہارت حاصل کرنا یا جنابت پر غسل بھی امانتِ شرعیہ ہیں۔

ان امانات میں خیانت کی حرمت و ممانعت بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے اہلِ ایمان! تم لوگ اس جرم خیانت کی خطرناکی و سنگینی تو جانتے ہی ہو کہ اس جرم کے برے اثرات انفرادی طور پر کیسے کچھ تمہارے اپنے نفس پر پڑ سکتے ہیں اور اجتماعی طور پر بھی اس کے برے اثرات سے پورا اسلامی معاشرہ کتنا کچھ متأثر ہو سکتا ہے۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ

وَ اَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ٥ (یہ جان رکھو کہ یہ بات شک سے بالاتر ہے کہ تمہارے مال واولاد تمہارے لئے زبردست آزمائش ہیں اور اجر عظیم تو اللہ تعالےٰ ہی کے پاس ہے)

غور وفکر کے بغیر اگر صرف آیت کے ظاہری الفاظ پر سرسری نظر ڈالی جائے تو شاید وہ عظیم حقیقت اور دقیق نکتہ سمجھ میں نہ آئے کہ خیانت کی ممانعت کے ساتھ مال واولاد کے فتنہ ہونے کا بیان کیوں فرمایا جارہا ہے؟ لیکن جب آپ غور کریں گے اور عام لوگوں کے اور خود اپنے حالات پر گہری نظر ڈالیں گے تو آپ پر یہ عظیم حقیقت اور دقیق نکتہ بھی منکشف ہو جائے گا کہ اکثر وبیشتر حالات میں ان ہی مال واولاد کے باعث انسان دوسروں کے اموال میں خیانت کا مرتکب ہو جاتا ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے تنبیہ فرمادی کہ اے اہلِ ایمان تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے بہت بڑی آزمائش ہے ان دونوں کی فطری محبت تمہیں جرم خیانت کا مرتکب بنادیتی ہے کیوں کہ یہ دونوں چیزیں زبردست فتنہ ہیں اور فتنہ وہی چیز کہلاتی ہے جو انسان کو اللہ تعالےٰ کی طاعت و فرمانبرداری سے روک دیتی ہے۔ اس تنبیہ کے بعد انسانی طبیعت میں جو طمع وہوس کا مادہ ہے اسے دبانے کیلئے ارشاد فرمایا" وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ٥ (کہ بڑا اجر وثواب تو اللہ تعالےٰ ہی کے یہاں ملے گا)

اس مختصر سے فقرہ میں انھیں یوں تسلی دیدی کہ تم لوگ اگر اپنے نفس کے تقاضے پر عمل ترک کرکے خیانت کا ارتکاب نہ کروگے تو اللہ تعالےٰ کے یہاں اس کا اجر وثواب بہت بڑا ملے گا۔ اس وقت تم کو معلوم ہو جائیگا کہ تم نے جرم خیانت سے پرہیز کرکے دنیا میں اگر کچھ مال ودولت حاصل نہیں کیا تھا تو یہ کوئی نقصان کا سودا نہیں رہا اب دیکھو اس کے عوض یہاں کتنا زبردست اجر وثواب حاصل کر رہے ہو۔ اللہ تعالےٰ کا یہ اجر وثواب جنت اور اس کی نعمتوں کی شکل میں وہاں ملے گا۔

جس شخص نے دنیا میں اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کیا ہوگا اور جنگ لڑی ہوگی، دینی احکام کی ادائیگی میں ہونے والی تکالیف کو برداشت کرتے ہوئے صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا ہوگا تو اللہ تعالےٰ اسے اس پر بہترین اجر مرحمت فرمائیں گے۔

اللہ تعالےٰ کا یہ اجر کبھی اچھے عمدہ اور پاک رزق کی شکل میں دنیا میں بھی مل جایا کرتا ہے۔ یہ دنیاوی اجر آخرت کے موعود اجر پر "زیادہ" انعام اور بونس کے طور پر ہوتا ہے اس کی وجہ سے ثوابِ آخرت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ کیونکہ حدیث شریف میں یہ صراحت وارد ہے کہ اگر کوئی بندہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کیلئے کوئی چیز چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کا بدلہ اس سے کہیں اچھا اسے آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی مرحمت فرماتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر وہ حدیث شریف نقل کردی جائے جو آیتِ مذکورہ بالا کے شانِ نزول کے سلسلہ میں عبدالرزاق نے حضرت امام زہری سے روایت کی ہے کہ یہ آیت شریفہ حضرت ابی لبابہ بن عبدالمنذر سے روایت کی ہے جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں بنو قریظہ کے پاس اپنا پیغام رساں بناکر بھیجا تھا کہ وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رضا مند ہوکر اسے قبول کرلیں وہ لوگ اس وقت اہلِ اسلام کیطرف سے محصور تھے کیونکہ انھوں نے خیانت اور عہد شکنی کی تھی، جب یہ (حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ) ان کے یہاں پہنچے تو ان لوگوں نے ان سے مشورہ کیا کہ ہمیں اس معاملہ میں کیا کرنا چاہئے تو انھوں نے مشورہ دیا کہ تم لوگ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ وحکم قبول کرلو اور اس جواب کے ساتھ ساتھ اپنے ہاتھ کو اپنے حلق پر پھیرتے ہوئے یہ اشارہ بھی کردیا کہ اگر نہ مانوگے تو یوں قتل کردیئے جاؤ گے۔ حضرت ابولبابہ یہ اشارہ کرنے کو تو کرگئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ انھیں فوراً یہ احساس بھی ہوگیا کہ اس طرح اشارہ کرکے انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خفیہ منصوبہ کا راز فاش کردیا ہے جو یقیناً اللہ ورسول کے ساتھ خیانت ہی کی ایک صورت ہے۔

اپنے کام سے فارغ ہونیکے بعد یہ وہاں سے اپنے گھر لوٹ آئے اور گھر پہنچکر اپنی خیانت ورزی کی سزا خود ہی یہ تجویز کرلی کہ قسم کھا بیٹھے کہ اب مرتے دم تک کوئی چیز چکھوں گا بھی نہیں اور اسی طرح بھوکا پیاسا رہ کر جان دے دوں گا

یا پھر اللہ تعالےٰ کیطرف سے میری توبہ کی مقبولیت کی وحی آجائے۔

یہ فیصلہ کرکے مسجد پہونچ گئے اور مسجد میں اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا۔ وہ ستون آج بھی ستونِ ابولبابہ (یا ساریۂ ابولبابہ) کے نام سے مشہور ہے۔ مسجد میں اسی طرح وہ نو دن تک ستون سے بندھے رہے اور کھانا پینا بھی بند رہا، ضعف و کمزوری کیوجہ سے بیہوش ہوکر گر جاتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے توبہ کی مقبولیت کی وحی حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی اور لوگ انھیں یہ خوشخبری سنانے کیلئے آنے لگے ان لوگوں نے چاہا کہ انھیں کھول دیں تو انھوں نے قسم کھالی کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہ کھولے، یہ آپ ہی کے دستِ مبارک سے کھولے جائیں، آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی تشریف لائے اور اپنے متبرک و مقدس ہاتھوں سے انھیں کھول دیا۔ حضرت ابولبابہ نے آپ سے عرض کیا کہ میں نے یہ نذر مان لی تھی کہ میں اپنا مال راہِ خدا میں صدقہ کردوں گا، آپ نے فرمایا صرف تہائی مال کا صدقہ ہی تمہارے لئے کافی ہے، انھوں نے تہائی مال خیرات کردیا۔

یہ وہ واقعہ ہے جو اسی آیت کا شانِ نزول ہے لیکن قاعدہ مقررہ کیوجہ سے یہ حکم کہ "خیانت حرام ہے" یہ حکم عام ہے ہمیشہ اس پر عمل درآمد ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید تو تمام مومنین کو اللہ و رسول کے ساتھ خیانت کرنے سے منع فرمایا اور رد کا ہے۔ اور اگلے فقرہ میں دوسری امانتوں میں بھی خیانت سے منع فرمایا ہے کہ اپنی امانتوں میں بھی خیانت نہ کیا کرو۔

حضرت ابولبابہ کا واقعہ اپنے اندر ہمارے لئے کیسی عبرت و نصیحت رکھتا ہے کہ انھوں نے جیسے ہی اپنے جرم کو محسوس کیا فوراً ہی اس کی تلافی و توبہ کیلئے اپنے آپ کو اپنے ہی ہاتھوں سزا بھی دے لی۔ اس واقعہ سے ہمیں یہ بھی عبرت حاصل ہوتی ہے کہ شیطان لعین ہر وقت گھات میں لگا رہتا ہے ذرا بھی مومن اس کی طرف سے غافل ہوا کہ اس نے مبتلائے لغزش کردیا۔

۱۸: لہٰذا اہلِ ایمان کو ہر لمحہ شیطان کیطرف سے چوکنا رہنا چاہئے اور جب بھی غفلت و بے خیالی میں کوئی لغزش اور جرم و قصور ہو جائے فوراً ہی

اللہ تعالےٰ کیطرف رجوع کرے اس سے اظہارِ ندامت اور تضرع و دعا کرے اپنی غلطی کا اعتراف کرے، کسی کا حق دبایا ہو تو فوراً اس کو واپس کرے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے خیر خیرات بھی کرے۔

چنانچہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے غفلت میں ایک غلطی ہو جانے پر سب کچھ کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور انھیں بھی خوش کردے۔

وسلامٌ علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین

* * *

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گئے اور وہ بھی اللہ سے خوش ہو چکے

اڑتالیسویں (۴۸) ندار

اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب

اور

تقویٰ کا دنیا و آخرت میں کیا پھل ملے گا؟

سورۂ انفال
آیت (۲۹)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّیُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝	اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالےٰ سے ڈرتے ہوئے (فرمانبرداری کرتے) رہے تو وہ تمہیں (صلاحیت) فیصلہ عطا فرما دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالےٰ تو بڑے ہی فضل والا ہے۔

تشریح وتفسیر

اہل ایمان کے لئے مسرت ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس آیتِ مبارکہ میں اپنی ایک ایسی عظیم الشان عطائے نورانی کی خوشخبری دی ہے جس سے بڑھ کر شاید ہی کوئی دوسری عطا ہو۔ جو کوئی بھی اللہ تعالےٰ کی اس عظیم عطا سے محروم رہ گیا وہ واقعۃً محروم ہی رہا۔ اور چونکہ یہ اللہ تعالےٰ کا ایک وعدہ ہے جو کبھی "وعدہ خلافی" نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں سے یہ وعدہ فرمایا ہے جو اس سے ڈریں اور تقوےٰ شعاری اختیار کریں یعنی اس کے احکام کی تعمیل، اس کے رسول کے احکام کی

تعمیل اور ان دونوں ہی کی ممنوع قرار دی ہوئی چیزوں سے اجتناب کرتے رہیں بلکہ جو چیزیں مشکوک ومشتبہ ہوں صراحت کے ساتھ ان کی حلت اور انکا جواز معلوم نہ ہو اور یہ شبہ ہو کہ شاید یہ چیز حلال نہیں ہے ان سے بھی ازراہِ احتیاط وتقویٰ و پرہیز اختیار کریں کہ کہیں دھوکہ میں حرام کے مرتکب نہ ہو جائیں ان کے دلوں میں اخلاصِ نیت بھی موجود ہو جس کے نتیجہ میں ان کے اعمال لائق قبول ہوتے رہیں، ان کے اعضائے جسم اور جوارح اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری میں مشغول رہیں۔

جو شخص اس قسم کے تقوے سے متصف ہو گا وہ اپنے اس تقویٰ کی بدولت تقویٰ کے جو ثمرات ونتائج دنیا وآخرت میں حاصل کرے گا انکی اجمالی فہرست آئندہ سطور میں پیش کی جا رہی ہے۔

پہلا ثمرہ ——— "فرقان" کا حصول جس کے لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے: "یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا" یعنی اللہ تعالےٰ تمہیں حق وباطل میں فرق وامتیاز کرنیوالا "نورِ حق" عطاء فرمادیگا جس کیوجہ سے تم میں منجانب اللہ "صلاحیتِ فیصلہ" پیدا ہو جائے گی اور تم خود ہی حق وباطل میں فرق وامتیاز کرنے لگو گے۔

"فرقان" کے لغوی معنیٰ تو صرف فرق وامتیاز کرنے ہی کے آتے ہیں لیکن یہاں فرقان سے مراد وہ نور ہے جو خدا تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے سے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ جس شخص کو یہ نور حاصل ہو جاتا ہے وہ اس وقت بھی راہ نجات پر ہوتا ہے جبکہ دوسرے لوگ جو اس نور سے محروم ہیں ہلاک ہو رہے ہوں اور ایسا شخص اس وقت منصور ومظفر ہوتا ہے جبکہ اس نور سے محروم لوگ شکست وہزیمت سے دوچار ہوتے ہیں۔ ایسے شخص کو حق وباطل، معروف ومنکر، خیر وشر کے درمیان فرق وامتیاز خود بخود ہو جاتا ہے۔ نافع اور نقصان دہ چیزیں، اچھی اور بری باتیں جب دوسرے لوگوں پر واضح نہ ہو رہی ہوں۔ "صاحب فرقان" کیلئے یہ امور اور یہ باتیں بالکل صاف وواضح اور غیر ملتبس ہوتی ہیں اور صاحبِ فرقان میں یہ نورِ حق اس کے تقویٰ کا ثمرہ ونتیجہ ہوتا ہے۔

اس حقیقت کو اس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ لفظ "فرقان" فرق سے

بنایا گیا ہے لہٰذا تقویٰ اختیار کر کے جو شخص متقی بنتا ہے اس کا نفس اور دل پوری طرح صاف اور روشن ہو جاتا ہے وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا وہ نور ہی میں زندگی گذار رہا ہو اور اس کے چہار طرف نور ہی نور چھایا رہتا ہے اسی نور اور روشنی حق سے اسے یہ "فرقان" حاصل ہو جاتا ہے جسکی وجہ سے وہ ملتبس اور مشتبہ چیزوں کو علیحدہ ممیز و ممتاز طور پر دیکھ لیتا ہے یہانتک کہ اس کی نظر بہت کم خطا کرتی ہے اور وہ جو نظریہ بھی رکھتا ہے یا جو بات بھی کہتا ہے اس میں غلطی کا امکان بہت ہی کم رہتا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بات سنئے! وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد (حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ) جس چیز کے بارے میں یوں فرما دیتے کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ چیز ایسی ہو گی تو دیکھا گیا کہ وہ چیز ان کے گمان کے مطابق ہی نکلتی تھی۔ ان کی اس صحیح فراست و فرقانِ قلب و نظر کا راز یہی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا تقوےٰ بہت ہی راسخ اور شدید تھا ایسا لگتا تھا کہ انکی روح کسی نور کے طاق میں مانند شمع رکھی ہوئی ہے اور وہ اس کی روشنی میں سب کچھ دیکھتے رہتے ہیں۔

اس بات کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عمر جس راستہ سے چلتے ہیں شیطان وہ راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ چلنے لگتا ہے اور یہ سب ان کی بصیرت باطن کی شدت کیوجہ سے تھا جو انھیں اللہ تعالےٰ کے شدید تقویٰ کے ثمرہ اور نتیجہ میں حاصل تھی۔

آپ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ "اگر میری امت میں محدث لوگ ہوتے جن سے فرشتے گفتگو کیا کرتے ہیں تو عمر بھی ان لوگوں میں سے ہوتے۔

دوسرا ثمرہ۲ — دوسرا ثمرہ تکفیر سیئات (گناہوں کی معافی) تقوے کا دوسرا ثمرہ اور نتیجہ گناہوں کی معافی اور گناہوں کے نتیجہ میں نفس و قلب میں پیدا ہو جانیوالی آلودگی و گندگی اور ظلمت و کدورت کا ازالہ ہے۔ "سیئات" سیئہ کی جمع ہے سیئہ کے معنیٰ برائی اور معصیت کے ہوتے ہیں، جو بھی معصیت و نافرمانی کی جاتی ہے اس کا اثر یہی ہوتا ہے کہ وہ نفس انسانی کو آلودہ و گندہ کر دیتی ہے جو تقویٰ کی بدولت دور ہو جاتی ہے۔ سیئہ سے بظاہر یہاں وہی معصیت و سیئہ ہے جو تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے سے پہلے ہوئی ہو لیکن ہم یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ بالفرض کسی وقت اگر متقی شخص سے بھی لغزش ہو جائے تو اس کی متقیانہ زندگی اس کا اثر آنے نہیں دیتی اور وہ اس لغزش کے اثر سے گویا محفوظ ہی رہ جاتا ہے۔

تیسرا ثمرہ۳ ——— تقویٰ کا تیسرا ثمرہ و نتیجہ "مغفرتِ ذنوب" ہے۔ ذنوب، ذنب کی جمع ہے۔ ذنب کے معنیٰ گناہ ہیں۔ تقویٰ کا یہ ثمرہ (گناہوں کی بخشش) آخرت میں ظاہر ہو گا جس کا وعدہ اللہ تعالےٰ نے اپنے اہل ایمان بندوں سے کر رکھا ہے، مغفرت کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں پر مواخذہ و سزا نہ ہو انھیں بخش دیا جائے یہ بات دنیا و آخرت دونوں جگہ بھی ہو سکتی ہے کیونکہ بعض گناہ ایسے بھی ہوتے ہیں جنکی سزا گنہگاروں کو آخرت سے پہلے دنیا ہی میں دینی ہوتی ہے اور کبھی کسی معصیت پر دونوں جگہ عذاب ہوتا ہے، اللہ تعالےٰ محفوظ رکھیں۔ آمین

چوتھا ثمرہ۴ ——— جو ان سب ثمرات میں بڑا ثمرہ ہے" وہ جنت اور اسکی نعمتیں ہیں اسی کو اللہ تعالےٰ نے کہیں فضل عظیم اور کہیں اجر عظیم سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ ثواب اور اجر ایک ہی ہیں۔ اسی معنیٰ میں جزا کا لفظ بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر جنت کا لفظ صراحۃً ذکر نہیں فرمایا ہے مگر مراد جنت ہی ہے کیونکہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو جو کچھ اجر و ثواب اور جزا دیں گے وہ اور اس کی نعمتیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے سوا کچھ اور ہو گا ہی نہیں اسلئے یہاں جب اجر کہدیا تو سمجھ لیا جائے کہ اجر سے مراد جنت اور اسکی نعمتیں ہیں۔

اب ہم آپ اللہ کی بتائی ہوئی اس عظیم نفع بخش تجارت اور اس کے منافع حاصل کرنے کی جان توڑ کوشش کریں کہ ایسا عمدہ اور اتنے فائدے والا تجارتی معاملہ ہمارے ہاتھ سے جانے نہ پائے اسلئے ہم اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کا ہر دم لحاظ رکھیں اور اس کی پوری کوشش کریں کہ کسی بھی معاملہ میں تقاضہ نظر انداز نہ ہونے پائے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(۴۹)
انچاسویں ندا

جہاد کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد کے اسباب کیا ہیں؟ خدا و رسول کی اطاعت، نزاع باہمی سے اجتناب، صبر و اخلاص کا اہتمام

⁂

سورۂ انفال
آیات (۴۵-۴۶-۴۷)

وَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ○

اے ایمان والو! جب (جہاد میں) کسی جماعت سے تمہاری مڈبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور خوب کثرت سے اللہ تعالےٰ کا ذکر کرو امید کہ تم مقابلہ میں کامیاب ہو اور اللہ رسول کی اطاعت کرتے رہو باہم نزاع نہ کرو کہ کم ہمت ہو جاؤ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر کرو (برداشت سے کام لو) بیشک اللہ تعالےٰ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہیں اور ان لوگوں جیسے نہ بنو جو اپنے گھروں سے تو اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلاتے ہوئے نکلے اور حال یہ تھا کہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک رہے تھے اور اللہ تعالیٰ ان سب باتوں کا احاطہ رکھتے ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔

تشریح و تفسیر

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کے بعد کفار سے غزوہ و جنگ کیلئے جو "سریہ" (جماعتِ مجاہدین) جنگ کیلئے روانہ ہوا وہ سریہ عبداللہ بن جحش کہلاتا ہے یہ سریہ غزوۂ بدر سے پہلے اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے نکلا تھا ضرورت تھی کہ اسلام کے ان نئے مجاہدین کو کچھ آدابِ جہاد بھی بتا دیئے جائیں چنانچہ ان آیات میں چند آداپ جہاد کی تعلیم دی گئی ہے کہ جب کبھی کفار سے جہاد کی نوبت آئے اور معرکہ درپیش ہو تو خاص طور پر یہ باتیں ملحوظ رکھی جائیں جو ان آیات میں بیان کی گئی ہیں، وہ تعلیمات یہ ہیں:

۱ــــ دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری ہے۔ مجاہدین میدان کارزار میں اس طرح ثابت قدمی کے ساتھ ڈٹ کر اور جم کر مقابلہ کریں کہ گویا وہ کوئی بلند چوٹی والے پہاڑ یا سیسہ پلائی دیوار ہیں فرمایا گیا کہ جب کسی لڑنے والی جماعت سے مڈبھیڑ ہو تو پوری ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرو میدانِ جنگ سے بھاگو نہیں۔

۲ــــ مقابلہ کے وقت اللہ تعالےٰ کا خوب کثرت سے ذکر ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو، تضرع اور عاجزی کے ساتھ گریہ و زاری کرتے ہوئے اس سے نصرت و مدد کیلئے دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ اہل اسلام کی مدد فرمائیں اور دشمنوں کو ہزیمت و شکست ہو، اہلِ اسلام دنیا میں نصرتِ خداوندی اور آخرت میں جنت اور اس کی نعمتوں سے سرفراز و سرخرو ہوں، اہلِ کفر کو دنیا میں ہزیمت و ذلت اور قیامت میں عذابِ دوزخ نصیب ہو۔

۳ــــ اللہ تعالےٰ کی نصرت و مدد کیلئے سب سے اہم شرط اللہ و رسول کی مکمل اطاعت ہے اس لئے مجاہدین کی پوری زندگی اطاعت و فرمانبرداری کی ہونی چاہئے اور میدانِ جنگ میں بھی کسی موقع پر خدا و رسول کی نافرمانی و معصیت کا ارتکاب نہ کیا جائے اور اسی کے ساتھ ساتھ اہل ایمان کے اولوالامر اور قائد معرکہ امیر جہاد کی بھی پوری فرمانبرداری ضروری ہے، اللہ تعالےٰ کی مدد حاصل کرنے کیلئے اطاعت امیر کی شرط بہت اہمیت رکھتی ہے۔

۴ــــ نزاع باہم اور اختلاف باہم نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس اختلاف و نزاع

سے کم ہمتی و بزدلی پیدا ہوتی ہے اور اتحاد کی کمی کے باعث بے قوتی و ناطاقتی کا احساس بڑھ جاتا ہے جسکی وجہ سے ذلت و شرمندگی اور ہزیمت و شکست کی صورت ہو جاتی ہے اللہ تعالے محفوظ رکھیں۔

اس آیت میں ایک فقرہ "وَتَذْهَبَ رِیحُكُمْ" بھی آیا ہے کہ نزاع باہم کے نتیجہ میں تمہاری ہوا خیزی ہوگی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی۔ "ریح" کے معنے قوت و غلبہ اور نصرت و مدد کے بھی آتے ہیں جیسا کہ عربی کا ایک شعر ہے ؎

اِذَا صَبَّتْ رِیَاحُكَ فَاغْتَنِمْهَا   فَاِنَّ لِكُلِّ خَافِقَةٍ سُكُوْنُ

(جب تم کو قوت و غلبہ حاصل ہو تو اسے غنیمت سمجھو کیونکہ جو چیز بھی متحرک ہوتی ہے وہ پھر سکون پذیر بھی ہوتی ہے)

"رِیحُ" کے جو معنیٰ ہم نے بیان کئے ہیں جو شخص اسے کسی مثال کے ذریعہ سمجھنا بھی چاہتا ہو تو وہ کاروں اور موٹروں کے راستوں میں کھڑا ہو جائے اور ذرا دیر انتظار کرے یہانتک کہ کوئی تیز گاڑی اس کے پاس سے گذر جائے تو وہ کار اس شخص کو ایسی طاقت و قوت کے ساتھ زور سے دھکا دے گی جیسے بڑی شدید آندھی آگئی ہو۔ اس طور پر آیت میں آئے ہوئے لفظ ریح کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں اس سے مراد وہ قوت ہے جو دشمن کو پیچھے ڈھکیل دیتی ہے اور پسپا ہونے پر مجبور کر دیتی ہو کیونکہ مجاہدین جب باہم مجتمع و متحد ہو کر شیشہ پلائی ہوئی دیوار کیطرح صف بستہ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوں جو ان میں بڑی زبردست قوت و طاقت ہوگی جو تیز و تند آندھی سے زیادہ زوردار ہوگی اس طرح وہ دشمن کی قوت کو پوری شدت کے ساتھ توڑ کر ختم کر دیں گے اور اسے پسپا کر دیں گے۔

۵۔۔۔ نزاع و مخالفت کے برے نتائج:- یہی ہیں کہ اہلِ اسلام میں کم ہمتی، بزدلی پیدا ہو جاتی ہے اجتماع و اتحاد کے ذریعہ حاصل ہونے والی قوت جاتی رہتی ہے، ہوا اکھڑ جاتی ہے۔

۶۔۔۔ اللہ تعالے نے اس آیت میں اہل ایمان کو صبر و برداشت کی تعلیم دی ہے کہ جنگ میں خلاف طبیعت بہت سے مواقع آئیں گے ان پر صبر کرو برداشت سے کام لو، ہمت نہ چھوڑو اور چونکہ یہ کام ذرا مشکل ہے اس لئے اپنی معیت کی

خوشخبری بھی سنا دی کہ صبر کرو اللہ تعالے اپنی نصرت و کامیابی کے ساتھ تمہارے ساتھ ہیں۔

۷۔۔۔ جہاد میں اخلاص نیت بھی بہت ضروری ہے جیسا کہ اور دوسری عبادات میں اخلاص شرط ہے کیونکہ جملہ عبادات کی روح اخلاص ہے اگر اخلاص نہیں تو عبادت بے جان رہے گی اسی وجہ سے " تعالے نے اہلِ ایمان کو ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرنے سے روکا ہے جو لوگوں کے دکھلانے کی نیت سے اکڑتے ہوئے نکلے تھے دل سے شرکتِ جہاد کا ارادہ ہی نہیں تھا بلکہ لوگوں کو داخلۂ اسلام سے روکنا مقصود تھا اسلئے راستہ ہی سے واپس لوٹ گئے۔

M. Imp

جہاد اسلامی کرنے والوں کو یہ چند ضروری تعلیمات دی گئی ہیں جو آج بھی لائقِ عمل ہیں مگر یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ کفار سے جہاد کیلئے امامتِ شرعی اور امارت شرعی ضروری ہے۔ امام شرعی کے بغیر کسی جماعت یا کسی فرد کو جہاد کی اجازت نہیں ہے۔

Imp

(اثنائے جہاد ذکر اللہ کا جو حکم ہے یہ ذکر سِرًّا آہستہ آہستہ زبانی و قلبی ہونا چاہئے جہر کے ساتھ ذکر صرف آغازِ جہاد میں پہلے حملہ کے وقت کیا جائے گا اور اللہ اکبر، اللہ اکبر کا نعرہ بلند آواز سے لگایا جائے گا کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ تین موقعوں پر خاموشی پسند فرماتے ہیں تلاوت قرآن کے وقت، جہاد کے وقت، اور جنازہ لیجاتے وقت اسلئے یہ ذکر جس کا یہاں حکم ہے یہ آہستہ آہستہ دل و زبان سے ہوگا) حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث شریف صحیح طور پر منقول ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرا پورا بندہ وہ ہے جو اس وقت بھی میرا ذکر کرتا ہو، جبکہ وہ اپنے مدمقابل سے جنگ کر رہا ہو لڑائی میں اسکی مشغولی بھی میری یاد سے غافل نہ کر رہی ہو۔

بعض علمائے ربانیین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالے نے اگر کسی کو بھی ذکر ترک کرنے کی اجازت دی ہوتی تو وہ حضرت زکریا علیہ السلام ہی ہو سکتے تھے مگر ان کے حق میں بھی ارشاد ہوا تو یوں ہوا:

اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا

لوگوں سے تین دن تک بات نہ کرو صرف اشارے سے بات کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر خوب کثرت سے کرو۔

اس سے ذکر کی اہمیت کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے اسی وجہ سے مجاہد کے لئے بھی ذکر کا حکم دیا گیا ہے (افسوس کہ ہم لوگوں کی ذکر سے غفلت اور دوری اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ بعض لوگ تو ایسے بھی ہیں جو جہاد و جنگ کے وقت ذکر کے اہتمام کا مذاق بھی اڑانے لگتے ہیں)

اے اللہ! اگر ہمیں اپنے گھر میں اپنے بستر پر ہی موت آجائے تو بھی ہمیں آرزوئے جہاد کی وجہ سے جہاد کا ثواب مرحمت فرمائیے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

* * *

12/5/2000
7/2/1421
5.45A.M FRI

پچاسویں (۵۰) ندا

جو رشتہ دار ایمان کے مقابلہ میں کفر ہی کی حالت پر رہنا پسند کریں ان سے دوستی کا تعلق حرام ہے

سورۂ توبہ
آیت (۲۳)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

اے ایمان والو! اپنے باپ، بھائی کو اپنا دوست و سرپرست نہ بناؤ اگر وہ لوگ ایمان کے مقابلہ میں کفر ہی کو پسند کرتے ہوں اور جو شخص بھی ان لوگوں سے دوستی رکھے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

تشریح و تفسیر

یہ بات اوپر متعدد بار ذکر ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ان ندارات میں کہیں اہل ایمان کو کسی کام کا حکم دیتے ہیں یا کسی بات سے روکتے ہیں یا کوئی خوشخبری دیتے ہیں یا کسی بات سے ڈراتے اور دھمکی دیتے ہیں۔ آیت بالا میں ایک بات پر انذار اور تحذیر فرمائی جا رہی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! تم اپنے باپ اور بھائی سے بھی ولایت و موالات دلی دوستی کا تعلق نہ رکھو اگر وہ لوگ اپنے کفر پر اڑے ہوئے اور ایمان کے مقابلہ میں کفر ہی پر جمے ہوئے رہنا چاہتے ہیں تو تم بھی

ان سے پوری طرح علیحدہ رہو ان سے دوستی کا تعلق نہ رکھو۔

آیت شریفہ میں اگرچہ باپ، بھائی دو ہی رشتہ داروں کا ذکر ہے لیکن مراد سب ہی رشتہ دار ہیں سب کی دوستی، انکی نصرت و حمایت سے انھیں اپنا راز بنانے سے منع فرما دیا گیا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اس ممانعت کی خلاف ورزی کرنے والوں کو یہ وعید بھی سنا دی ہے کہ جو شخص ایسے کافروں سے دوستی کا تعلق رکھے گا وہ اللہ تعالےٰ کے یہاں ظالم قرار پائے گا کیونکہ کفر و شرک ہی سب سے بڑے جرم اور سب سے بڑے گناہ ہیں اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ کفر کے بعد پھر کوئی گناہ نہیں ہے کفر و شرک عصیان و معصیت میں انتہا کو پہونچے ہوئے ہیں جو شخص کفر میں مبتلا ہے وہ اس سے چھوٹے بہت سے گناہ اپنے اندر لئے ہوتے ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اس موالات کو ظلم قرار دیا اور موالات کرنے والوں کو ظالم فرمایا ہے اس کی وجہ صاف ہے کہ ظلم کی حقیقت ہی یہ ہے کسی چیز کا بیجا اور بے محل استعمال کیا جائے لہٰذا جو شخص ایسے لوگوں سے جن سے اسے نفرت کا تعلق رکھنا چاہئے تھا ان سے اس نے محبت و دوستی کا تعلق رکھا تو یہ دوستی کا بے جا اور بے محل استعمال ہوا ہے جو ظلم ہے جس کا مرتکب ظالم ہی کہا جائے گا۔ محبت تو اس شخص سے کی جائیگی جو شخص اللہ تعالےٰ پر ایمان رکھتا ہو اور شرک و بت پرستی سے انکار کرتا ہو طاغوت سے کفر کرتا ہو۔ اللہ تعالےٰ کے سوا جس چیز کی بھی عبادت کی جائے (چاہے انسان ہو، جن ہو، ستارہ ہو، پیڑ ہو، پتھر ہو) سب طاغوت کا مصداق ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہو۔ اللہ والوں سے محبت رکھتا ہو۔ لہٰذا جو شخص ایمان کے مقابلہ میں کفر کو پسند کرتا ہو اور توحید چھوڑ کر شرک پسند کرتا ہو، اہل ایمان کو چھوڑ کر کفار کا دوست ہو اس سے موالات اور دوستی کیسے جائز ہو سکتی ہے یہ تو صریح اور کھلم کھلا ہوا ظلم ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے اس اِنذار و تحذیر اور اس وعید و تہدید کو ایسے اعلان پر ختم فرمایا ہے جس کا تحمل طاقتِ بشری سے باہر ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یوں حکم فرمایا گیا کہ آپ لوگوں سے یوں فرما دیجئے کہ "اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ

تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور گھر جن (میں رہنے) کو تم پسند کرتے ہو (اگر یہ چیزیں) تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو تم ذرا انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (ترک ہجرت کی سزا سے متعلق) بھیج دیں" اور اللہ تعالےٰ نافرمان لوگوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہونچاتا۔

ایسے فاسقوں کو توبہ کی بھی توفیق نہیں ہوتی کیونکہ ایسے لوگ اپنے فسق و کفر ظلم و شر میں بری طرح منہمک اور ڈوبے ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی سنت و عادت یہی ہے کہ جو شخص بھی کسی چیز کا عادی ہو جاتا ہے بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ آیت میں انھیں فاسقین کہہ کر یہی بتانا مقصود ہے کہ یہی لوگ کفر و فسق اور ظلم و فجور میں بالکل غرق ہیں ان چیزوں سے نکلنا مشکل ہے۔

آیت شریفہ مذکورہ (پچاسویں نداء) کی ضروری تشریح و تفسیر بیان ہو گئی اسی سلسلے کی بعض ضروری تنبیہات مزید بیان کی جاتی ہیں جنھیں محفوظ و ذہن نشین رکھنا ضروری ہے۔

۱ —— اس آیتِ شریفہ میں موالاتِ کفار کی حرمت بیان کی گئی ہے چاہے وہ اپنے بہت ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں۔ اور یہ حکم امتِ مسلمہ پر ہمیشہ کیلئے واجب کیا گیا ہے قیامت تک اسی کے مطابق عمل درآمد رہے گا، مخصوص شانِ نزول کیوجہ سے یہ حکم اس وقت تک کیلئے مخصوص نہ رہے گا۔

۲ —— جو شخص مشرکین و کفار سے دلی دوستی رکھے گا خدا اور رسول کی نظر میں وہ گویا مشرک ہی ہو جائے گا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا ہے۔ "مَنْ تَوَلَّاهُمْ فَهُوَ مُشْرِكٌ مِثْلُهُمْ" (جو ان مشرکین سے دوستی رکھے تو وہ بھی انھیں جیسا مشرک ہے) کیونکہ شرک و کفر پر راضی ہونا بھی کفر و شرک ہی سمجھا جائیگا۔ کفار سے علیحدہ رہنے کے حکم سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ انھیں کچھ دیدیا جائے، ان کے ساتھ کچھ سلوک کر دیا جائے جیسا کہ حضرت اسماءؓ نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ میری ماں میرے پاس شوق و رغبت کے ساتھ آئی تھیں اور وہ مشرکہ ہیں تو کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی

کا برتاؤ کروں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو۔

٣ــــــ اللہ و رسول سے محبت رکھنا سارے فرائض سے بڑھکر فرض ہے، جو شخص اللہ و رسول سے محبت نہیں رکھتا وہ مومن ہی نہیں ہے چاہے وہ ایمان کا دعویٰ کرتا ہو۔ اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد قابلِ عمل ولائق توجہ ہے آپ نے فرمایا:

تین چیزیں جس شخص میں ہوں گی وہ ایمان کا مزہ (حلاوت) پائے گا۔ پہلی بات یہ کہ اللہ و رسول اسے ان دونوں کے سوا تمام چیزوں سے محبوب اور پیارے ہوں۔ دوسری بات یہ کہ وہ جس شخص سے بھی محبت رکھے صرف اللہ کے لئے رکھے۔ تیسری بات یہ کہ وہ کفر سے نکل کر اسلام قبول کر لینے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف جانے کو اتنا ہی بُرا سمجھے جتنا وہ دوزخ میں ڈالے جانے کو بُرا سمجھتا ہے۔

حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ ہی فرمایا ہے جو لوگ ایمان کا مزہ پالیتے ہیں وہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔

وسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

۵۱ اکیاونویں ندا

حرمین شریفین میں مشرکین کا داخلہ حرام ہے
انھیں داخلہ سے روکنا اہل اسلام پر واجب ہے
اہل کتاب سے بھی قتال واجب ہے
جب تک ادائے جزیہ قبول نہ کریں

{ سُوْرَۂ توبہ
آیات (٢٨-٢٩) }

وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝

اے ایمان والو! مشرک لوگ نرے ناپاک ہیں سو یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس (یعنی حرم میں بھی) نہ آنے پائیں اور اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو خدا عنقریب تم کو اپنے فضل سے اگر چاہے گا محتاج نہ رکھے گا بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے، ان لوگوں سے لڑو جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جنھیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں، ان لوگوں سے یہانتک لڑو کہ وہ رعیت بنکر جزیہ دینا منظور کرلیں۔

تشریح وتفسیر

اس ندائے رحمانی میں دو مہتم بالشان حکم بیان فرمائے گئے ہیں اور ان دو حکموں کا مخاطب ان اہلِ ایمان کو بنایا گیا ہے جو اپنے کمالِ ایمان وتقویٰ کیوجہ سے اللہ تعالےٰ کے خاص بندے اور اس کے دوست ہیں۔

پہلا حکم :- جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آیتِ شریفہ کے نزول کے بعد اگلے سال سے مشرکین کا داخلہ مسجدِ حرام میں اور حرمِ مکہ میں حرام قرار دیدیا گیا ہے۔ لہٰذا اس وقت سے کوئی بھی مشرک. کافر خواہ اہلِ کتاب میں سے ہو یا ان کے علاوہ ہو نہ تو مسجدِ حرام میں داخل ہو سکے گا نہ حرمِ مکہ میں داخل ہو سکے گا۔

اور یہی حکم مسجدِ نبوی اور حرم مدینہ کا ہے کہ کوئی مشرک وکافر مسجدِ نبوی اور حرم مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرام قرار دیا اور میں مدینہ کو حرام قرار دیتا ہوں۔ اور جس طرح مشرکین وکفار کا داخلہ حرمین شریفین میں ناجائز وحرام ہے اسی طرح مسلمانوں پر یہ بات واجب ہے کہ وہ انھیں حرمین میں داخلہ سے روکیں اور کسی حال میں وہاں داخل نہ ہونے دیں۔

آیتِ شریفہ کے پہلے ٹکڑے کی تفصیل وتفسیر اوپر ذکر ہوئی۔ اب اسی موقع پر یہ بھی بتا دیا جائے کہ مشرکین کے حق میں داخلہ مسجدِ حرام وحرمِ مکہ کی حرمت کا یہ اعلان کب ہوا ہے؟ یہ اعلان نویں ہجری کے آخری مہینہ ذی الحجہ میں حج کے موقع پر ہوا ہے اس سال امیر الحج حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھے جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔

یہ آیت جب نازل ہوئی تو آپ نے کسی کے ذریعہ مکہ، منیٰ اور عرفات میں جہاں تمام حج کرنے والے موجود تھے جن میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم ومشرکین بھی تھے یہ اعلان کرا دیا کہ ”اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ! اب آئندہ اس سال کے بعد نہ تو کوئی ننگا شخص بیت اللہ کا طواف کرے گا اور نہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے آئے گا“۔

اس وقت ان لوگوں میں ایسا ہی رواج تھا کہ اگر حج وطواف کے موقع پر حلال کمائی کا کوئی لباس ان کے پاس نہ ہوتا تو ننگے ہو کر طواف کر لیا کرتے تھے۔

کافروں کے داخلہ حرم کی ممانعت سے بہت سے غریب مسلمان متفکر ہو سکتے تھے کہ موسمِ حج میں تجارتی کاروبار بھی ہوتے تھے اب کافروں کے داخلہ پر پابندی لگ جانے کی وجہ سے کچھ کاروباری نقصان کا بھی اندیشہ تھا اسلئے اللہ تعالےٰ نے اہلِ اسلام کے اس خوف واندیشہ کو آیت میں یہ ارشاد فرما کر دور فرما دیا کہ:

”اگر تم کو کاروباری نقصان کا اور مفلسی کا کوئی خطرہ واندیشہ ہو تو (اپنے دل کو یہ سمجھا کر مطمئن رکھو کہ) خدا تعالیٰ عنقریب تم کو اپنے فضل سے اگر چاہے گا تو محتاج نہ رکھے گا۔

اہلِ اسلام کے خطرۂ مفلسی کو دل سے دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انھیں اطمینان تو دلانا چاہا ہے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ ”اِنْ شَآءَ“ کی شرط بھی لگا دی ہے کہ اگر اللہ نے چاہا تو وہ تم کو ان کا محتاج نہ رکھے گا۔ اس موقع پر یہ شرط لگانے میں نکتہ یہ ہے کہ اہلِ اسلام کے دل بالکل بے فکر ہو کر خدا تعالیٰ کیطرف سے غافل نہ ہونے پائیں بلکہ دل سے وہ پوری طرح اللہ تعالےٰ کیطرف متوجہ ہی رہیں اسی سے لو لگائیں اور اسی سے امیدوار رہیں۔

آیت کا خاتمہ اللہ تعالےٰ کے علیم وحکیم ہونے کی اطلاع پر ہے، مقصد یہ ہے کہ وہ ہر بات اور ہر صورتِ حال سے باخبر ہے اور وہ جو کچھ بھی کرتا ہے یا آئندہ کرے گا وہ خالی از حکمت نہ ہو گا لہٰذا جو شخص بھی اللہ تعالےٰ کے لطف وفضل کا امیدوار ہو وہ اپنے ایمان وعمل کے ذریعہ اپنے آپ کو مستحق لطف وفضل بنانیکی پوری کوشش بھی کرے۔

دوسرا حکم :- آیت میں دوسرا حکم یہ ہے کہ۔ اے اہل ایمان! ”ان اہلِ کتاب سے برابر لڑتے رہو جو نہ تو واقعۃً اللہ تعالےٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، نہ ہی یہ لوگ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ و رسول نے حرام کر رکھی ہیں اور نہ ہی یہ لوگ دینِ حق دینِ اسلام کو اختیار کرتے ہیں ان سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک کہ پوری ماتحتی قبول کر کے اور رعیت بن کر جزیہ دینا قبول کر کے جزیہ نہ دینے لگیں۔

ان دونوں حکموں کا ربط اور باہم تعلق اس طور پر سمجھا جا سکتا ہے کہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین و کفار کیلئے مسجد حرام اور حرم مکہ میں داخلہ پر پابندی لگائی تاکہ وہ اسلامی حکومت و اقتدار کی پوری ماتحتی میں آجائیں اب اس دوسری آیت میں اہلِ کتاب کو بھی اسی طرح اسلامی حکومت و اقتدار کا پورا ماتحت بنا کر رکھنے کی ہدایت کی جا رہی ہے کہ اب یہ لوگ یوں کھلے آزاد نہ رہیں گے انھیں بھی جزیہ کی پابندی قبول کرکے بطور رعیت رہنے کا اظہار کرنا پڑے گا۔

ممکن ہے کسی کو یہ خیال آئے کہ اہلِ کتاب تو اللہ تعالےٰ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں پھر ان کے لئے اس ایمان کی نفی کیسے کر دی گئی۔ یہ خیال بالکل سطحی اور سرسری ہے اگر بات کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش ہوتی تو یہ خیال ہی نہ آتا کیونکہ اللہ پر ایمان یا قیامت پر ایمان تو وہی معتبر ہو گا جو اللہ تعالےٰ کے حکم اور اس کے منشاء کے مطابق ہو۔ اللہ پر صحیح ایمان تو وہی ہے جو توحید خالص کے ساتھ ہو اور توحید کی جگہ تثلیث اور شرک موجود ہو وہ ایمان اللہ پر ایمان کہاں ہے؟ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کو قبول ہی نہیں فرمایا اور انھیں غیر مومن کے زمرہ میں شمار کیا۔ اگر یہ لوگ اللہ پر اور روزِ قیامت پر صحیح ایمان لائے ہوتے تو پھر یہ ایسے کام بھی کرتے جو انھیں دوزخ سے نجات دلا کر جنت میں داخلہ کا سبب ہوتا۔

اللہ تعالےٰ نے ان اہلِ ایمان کی یہ کمی بھی صاف لفظوں میں ظاہر فرما دی ہے کہ ”یہ لوگ دینِ حق (دین اسلام) کو قبول و اختیار نہیں کرتے کیونکہ یہود تو یہودیت کی بدعت کو دین بنائے ہوئے ہیں اور نصاریٰ نصرانیت کی بدعت اپنائے ہوئے ہیں حالانکہ دینِ حق تو وہ دین ہے جس کے سوا دوسرا کوئی دین اللہ تعالےٰ کے یہاں مقبول ہی نہیں ہے یہ دین دینِ اسلام ہے جس سے یہ یہود و نصاریٰ مقابلہ و محاربہ کرتے رہتے ہیں اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ دینِ باطل کو دین بنائے ہوئے ہیں۔

آیتِ شریفہ میں ان اہلِ کتاب سے جنگ و مقابلہ کا حکم اس وقت تک کے لئے دیا گیا ہے جب تک یہ لوگ اسلام کی ماتحتی قبول کرکے رعیت بن کر جزیہ دینا قبول نہ کرلیں۔ جزیہ کی ادائیگی کے بعد ان کے مال و جان کا تحفظ اسلامی حکومت کے ذمہ ہو جائے گا، اس کے تمام شروط اور ضروری تفصیلات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سرکاری مراسلہ میں ہے جسے مفسر ابن کثیر نے ذکر کیا ہے۔

آخر میں یہ چند باتیں اور قابلِ ذکر ہیں جن پر آیتِ بالا دلالت کرتی ہے۔

۱ــــ مشرکوں کو یہاں نجس کہا گیا ہے، عام اور مشہور قول کے مطابق یہ نجاستِ معنوی ہے شرک کی نجاست کی بناء پر انھیں نجس کہا گیا ہے اگرچہ ظاہری طور پر بھی یہ لوگ عموماً نجس ہی ہوتے ہیں۔

۲ــــ مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کے علاوہ دوسری عام مساجدِ مسلمین میں مسلمانوں کی اجازت سے کافر داخل ہو سکتا ہے۔

۳ــــ اہلِ کتاب سے بھی جہاد اس وقت تک کرتے رہنا فرض ہے جب تک اسلام کا اقتدار قبول کرکے جزیہ نہ دیں یا اسلام قبول کرکے سعادتِ دارین کے مستحق بن جائیں۔

۴ــــ محض فقر و مفلسی کے خوف سے اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل نہ کرنا قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے یہاں اپنے حکم کے ساتھ یہ وعدہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ اگر حکم کی تعمیل کروگے تو اللہ تعالےٰ تمہیں محتاج نہ رکھیں گے چنانچہ حضرات صحابہ نے حکم کے مطابق مشرکین کو حج اور داخلہ حرم سے روک دیا تو اللہ تعالےٰ نے فتوحات و غنیمت کے ذریعہ انھیں مستغنی فرما دیا۔ جزیہ میں ملنے والی رقوم عطا فرما کر ان کی ضروریات پوری فرما دیں۔

لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ حرام چیزوں کی خرید و فروخت (جیسے ٹی وی وغیرہ) اور سود کا لین دین بند کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے مالا مال فرما دینگے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

باونویں ندا (۵۲)

ناجائز اور بے جا طور پر لوگوں کا مال کھانا حرام ہے، اور جو شخص سونا چاندی کی ذخیرہ اندوزی کرے اور انکی زکوٰۃ نہ ادا کرے اسکے لئے سخت وعید آئی ہے

{ سورۂ توبہ
آیت (۳۴-۳۵) }

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ۝ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ۝

اے ایمان والو! اکثر احبار و رہبان (یہودی و نصرانی علماء) لوگوں کے مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں یہ لوگ اللہ کی راہ سے (لوگوں) کو باز رکھتے ہیں اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ انکو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ انکو دوزخ کی آگ میں (اول) تپایا جائے گا پھر ان سے لوگوں کی پیشانیوں اور انکی کروٹوں اور انکی پشتوں کو داغ دیا جائیگا (اور یہ جتلا دیا جائیگا کہ) یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھا تھا سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

تشریح و تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے عالموں کے بعض غلط کردار بیان فرما کر اہلِ اسلام کو آگاہ فرمایا ہے کہ دیکھو تمہارے یہ دشمن جو اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانے کے درپے ہیں یہ کیسے غلط قسم کے لوگ ہیں اور ان کا یہ حوصلہ ہے کہ وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کا اتمام فرما کر رہے گا چاہے ان مشرکوں اور کافروں کو کتنا ہی کچھ ناگوار گذرے۔ ان کے دینی و مذہبی عالموں کا یہ حال ہے کہ یہ لوگ خالص قسم کے مادہ پرست اور مال و دولت کے لالچی ہیں، جس دین کے یہ لوگ حامل ہیں وہ اپنے عوام اور جاہلوں کی فریب دہی کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔

اس آیت میں یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ کے لئے دو لفظ آئے ہیں "احبار" اور "رہبان"۔ احبار کا لفظ علمائے یہود کیلئے آیا ہے یہ "حبر" کی جمع ہے بمعنی عالم۔ دوسرا لفظ رہبان ہے جو راہب کی جمع ہے۔ یہ لفظ نصاریٰ کے درویش اور عبادت گذار بزرگوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ نصاریٰ کے علماء کے لئے قسیس کا لفظ آتا ہے جس کی جمع "قسیسین" آتی ہے اور قرآن مجید میں چھٹے پارہ کے ختم پر قسیسین اور رہبان دونوں ہی لفظ ایک ساتھ آئے ہیں لیکن یہاں اس آیت مذکورہ بالا میں طبقہ یہود کے علماء کا اور طبقہ نصاریٰ کے درویشوں کا لفظ استعمال کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ لوگ دوسروں کا مال ناجائز و ناحق طور پر کھاتے اور اڑاتے ہیں ان کے اس طریقہ کو ناجائز اسلئے کہا گیا کہ وہ اپنے عوام سے کچھ غلط بیانی کر کے جھوٹ بول کر یا کچھ حیلہ حوالہ کر کے ان سے مال ہڑپ لیا کرتے تھے. کسی بات پر رشوت لے لیتے یا آخرت میں مغفرت کیلئے انھیں کوئی سرٹیفکیٹ اور سند دیکر بہلا دیا کرتے اور ان سے رقم حاصل کر لیتے تھے۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ اپنے معتقدین کو اسلام سے روکتے رہیں اور انھیں اپنے جال میں پھنسائے ہوئے انکے ذریعہ اپنی شکم پری کرتے رہیں (آپ چاہیں تو آج بھی علماء سو میں یہود و نصاریٰ کے ان علماء و مشائخ کی تصویریں دیکھ سکتے ہیں۔ مترجم) کیونکہ اگر ان کے ماننے والے اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں تو یہ لوگ ان کی سرداری و آقائیت سے بھی محروم ہو جائیں گے اور ان کے ذریعہ ملنے والے نذرانوں کی رقوم اور حلوے

ماڑے کی لذتوں سے بھی محروم ہو جائیں گے اور پھر انھیں کوئی پوچھنے والا نہ رہے گا نہ کہیں ان کا کوئی ذکر و تذکرہ باقی رہ جائے گا۔

اور ان لوگوں کا یہی حال آج بھی ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے اسلام کی مخالفت اور اہل اسلام سے جنگ آزمائی کرتے رہتے ہیں۔

اگلی آیت میں اللہ تعالےٰ نے ایک دوسری وعید شدید اور تہدید ان لوگوں کے حق میں بیان فرمائی ہے جو خدا اور رسول کے حکم و منشا کے خلاف مال کی ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں، فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ	جو لوگ سونا چاندی جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور اسے
وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ	اللہ کی راہ میں (زکوٰۃ) نہیں دیتے تو آپ انھیں
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝	دردناک سزا کی خوشخبری سنا دیجئے۔

اوپر کی آیت میں " احبار و رہبان " کی ہوس مال اور اسے ناجائز طریقوں سے حاصل کرنے کا ذکر تھا اب اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنے اہلِ ایمان بندوں کو خبردار فرمایا ہے کہ وہ چوکنا ہو جائیں اور ان احبار و رہبان کے طریقوں سے دور رہیں فرماتے ہیں کہ " جو لوگ بھی سونا چاندی (مال و دولت) جمع کر کر کے رکھتے ہیں چاہے وہ مشرکین و کافرین میں سے ہوں یا مسلمانوں میں سے ہوں کوئی بھی ہو سب کے لئے یہ وعید ہے، ان سب کو آگاہ و خبردار کیا جا رہا ہے کہ وہ مال کی ہوس اور اس کی ذخیرہ اندوزی سے پرہیز کریں کیونکہ مال جمع کرنا حرام ہے۔ کیونکہ یہ مال ہی اعمال کا قوام ہے اسی کے ذریعہ اور اسی کی بدولت انسان کو دنیا میں عیش پرستی اور خرمستی سوجھتی ہے اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں ایسے لوگوں کو وعید سنا دی کہ جو اللہ تعالےٰ کی راہ میں زکوٰۃ و خیرات نکلالے بغیر صرف مال کی ہوس میں مال جمع کرتے رہتے ہیں انھیں بڑی دردناک سزا دی جائے گی۔

(احبار و رہبان کا یہی طریقہ (مسلمانوں کے درمیان رہنے والے خلفائے یہود) علمائے روافض بھی اپنائے ہوئے ہیں اور ان کے پیش نماز (امام) و مجتہدین اپنے عوام سے کچھ رقم لیکر نجات و بخشش کا سرٹیفکیٹ دیدیتے ہیں

جیسا کہ کویت میں ان کے ایک آدمی نے مجھ کو (مصنفِ کتاب شیخ ابوبکر جابر الجزائری عمت افاداتہم) بتایا ہے۔)

اگلی آیت میں اللہ تعالےٰ نے قیامت میں دی جانے والی سزا کی تفصیلی کیفیت بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ قیامت میں سونا، چاندی، روپیہ، پیسہ، ڈالر، پونڈ اور ریال وغیرہ دھات کی تختیوں کی شکل میں تبدیل کر دیئے جائیں گے اور انھیں دوزخ کی آگ میں تپایا اور گرم کیا جائے گا یہاں تک کہ ان میں سے شعلے نکلنے لگیں گے پھر ان تختیوں سے ان کے چہرے، پیشانی، پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی یعنی جسم کا کوئی حصہ باقی نہ رہے گا جسے ان تختیوں سے داغ نہ دیا جائیگا اس حسی عذاب کے ساتھ ساتھ انھیں معنوی اور ذہنی عذاب بھی دیا جائے گا جب ان سے یوں کہا جائے گا کہ:

هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا	یہ ہے وہ مال جسے تم نے اپنے لئے جمع کر کر کے
مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝	رکھا تھا سو اب اس مال کا مزہ چکھو۔

یہ اسی قسم کی سزا ہے جیسی ابوجہل کو جہنم میں دی جائیگی اور اس سے بھی اسی طرح یوں کہا جائے گا۔ " ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ "

یہ ایک طرح کا استہزاء ہو گا اور ذہنی عذاب کے طور پر ارشاد فرمایا جائے گا یہ ذہنی اور معنوی عذاب تو جسمانی عذاب سے زیادہ موجب تکلیف ہو گا۔

روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو مسلمانوں کو یہ دھمکی بہت زیادہ محسوس ہوئی اور ان میں یک گونہ اضطراب پیدا ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ مسئلہ کو حل کرنے کیلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی آپ کے اصحاب پر یہ آیت بہت گراں محسوس ہو رہی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے زکوٰۃ اسی مقصد سے فرض کی ہے تاکہ بقیہ رقم پاک صاف ہو جائے اور میراث اس لئے فرض کی ہے کہ بعد میں رہنے والوں کو حصہ مل جائے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے خوشی میں نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اللہ اکبر کہا اس کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو انسان کے بہترین خزانہ سے باخبر نہ کر دوں؟ بہترین خزانہ

سے باخبر نہ کروں ؟ بہترین خزانہ نیک عورت (بیوی) ہے جسے جب شوہر دیکھے تو وہ خوش کر دے اور جب کچھ کہے تعمیل کر دے اور جب شوہر کہیں باہر جائے تو شوہر کے مال و آبرو کی حفاظت کرے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی زبانی یہ حدیث سنکر مسلمانوں کے دل و دماغ سے اس گرانی کا احساس ختم ہو گیا جو مال کی ذخیرہ اندوزی کی ممانعت سن کر پیدا ہو گیا تھا اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اگر ذخیرہ اندوزی حرام اور ممنوع ہی ہوتی اور کسی کے پاس کوئی رقم پس انداز نہ ہوتی تو میراث کا حکم ہی کیوں نازل ہوتا اور وارثوں میں ترکہ کیسے تقسیم ہوتا ہے۔ وارثوں میں ترکہ کی تقسیم کا اجمالی بیان یوں ہے :- ذکور وارثوں کو دوہرا۔ اناث کو اکہرا حصہ ملے گا، ماں باپ میں سے ہر ایک کو $\frac{۱}{۶}$ جبکہ بیٹا مر جائے اور صرف ایک بیٹا چھوڑ جائے اور اگر بیٹے نے کوئی اولاد (پوتا) نہیں چھوڑا ہے تو ماں کو تہائی $\frac{۱}{۳}$ اور وارثوں سے جو کچھ بچے سب باپ کو ملے گا۔ بیوی کو چوتھائی جبکہ شوہر نے اولاد نہ چھوڑی ہو اور اگر اولاد چھوڑی ہے تو بیوی کو آٹھواں حصہ $\frac{۱}{۸}$ ملے گا شوہر کو چوتھائی حصہ $\frac{۱}{۴}$ ملے گا جبکہ اولاد ہو، اولاد نہ ہونے پر شوہر کو نصف میراث (ترکہ) ملے گا۔ اور اگر مرد و عورت میں سے کوئی بھی مر جائے اور وارثوں میں ماں باپ کوئی نہ ہوں بلکہ صرف بھائی یا بہن ہو اور کچھ وصیت ہو تو بھائی بہن کو چھٹا حصہ $\frac{۱}{۶}$ ملے گا اور بقیہ وصیت کے مطابق دیا جائے اور اگر ایک بھائی یا ایک بہن سے زائد ہوں تو ایک تہائی میں وہ سب شریک رہیں گے اور بقیہ وصیت کے مطابق دیا جائے۔ اور جس شخص نے صرف ایک بہن چھوڑی ہو کوئی بیٹا نہ ہو تو بہن کو نصف ترکہ ملے گا اور اگر بہن مر گئی ہو اور اس کا کوئی بچہ نہ ہو صرف ایک بھائی ہی ہو تو بھائی کو کل ترکہ مل جائیگا اور اگر کوئی بھائی مرے اور دو بہنیں چھوڑ جائے تو دونوں بہنوں کو $\frac{۲}{۳}$ دو ثلث دیئے جائیں گے اور بقیہ عصبات میں تقسیم ہو گا جیسے چچا وغیرہ ہوں اور ان بھائی بہن میں سے جس نے کچھ بھائی بہن ذکور و اناث چھوڑے ہوں تو بھائیوں کو دوہرا بہنوں کو اکہرا ملے گا۔

ترکہ کی یہ تقسیمیں بعد میں ہوں گی پہلے وصیت اور قرض کی ادائیگی کی جائے گی۔ اللہ تعالےٰ نے مرنے والے کا مال اس طرح تقسیم فرمایا ہے اگر مال کا بچا کر

رکھنا بالکل ہی حرام ہوتا تو میراث کی یہ تقسیم قرآن مجید میں کیوں بتائی جاتی۔ اسی وجہ سے امت کا اجماع ہے کہ مال کی زکوٰۃ اگر دی جا رہی ہے تو مال جمع کر کے رکھنے کو حرام نہ کہا جائے گا جس کے رکھنے والے پر عذاب ہو لیکن جو شخص سالانہ زکوٰۃ نہ نکالتا ہو تو اس پر تو ضرور ہی عذاب ہو گا۔ چنانچہ مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص بھی اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے گا اسکے مال کی تختیاں آگ سے بنائی جائیں گی اور اس کے پہلو اور پیشانی اور پیٹھ کو ایسے دن پھر داغا جائے گا جس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہو گی یہ عمل اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک سب کا فیصلہ نہ ہو جائے اس کے بعد وہ جہاں کا مستحق ہو گا وہ جگہ اسے بتا دی جائے گی جنت ہو یا دوزخ۔ جو شخص جانور رکھتا ہو اس کی زکوٰۃ دینا بھی ضروری ہے نہ دینے پر وہ بھی ایسے ہی عذاب کا مستحق ہو گا۔

M.M.

دین کے یہ ضروری مسائل ہمیں خود بھی سیکھنے چاہئیں اور دوسروں کو بھی سکھانا چاہئے اور ان پر عمل کے لئے انھیں متوجہ بھی کرنا چاہئے تاکہ آخرت میں نجات کے حق دار ہو سکیں۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ترپنویں نداء

جب نفیرِ عام کے وقت امام دعوتِ جہاد دے مسلمانوں کو جہاد کیلئے نکلنا ضروری ہے اور گھر میں بیٹھے رہنا حرام ہے

سورۂ توبہ
آیات (۳۸-۳۹)
39+38

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ وَلَا تَضُرُّوْہُ شَیْئًا وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

اے ایمان والو! تم کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کیطرف گرنے لگتے ہو کیا تم نے آخرت کے بدلہ دنیاوی زندگی پسند کرلی سو دنیاوی زندگی کا فائدہ آخرت کے مقابلہ میں تو بہت تھوڑا ہے۔ اگر تم اس جہاد کیلئے نہ نکلو گے تو اللہ تم کو دردناک سزا دیگا اور تمہارے بدلہ دوسری قوم پیدا کردیگا اور تم اللہ کو (یا اس کے دین کو) کوئی نقصان نہ پہنچا سکو گے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

تشریح وتفسیر

آیتِ مذکورہ میں اہلِ ایمان کو اس روز مخاطب کیا گیا ہے

جس دن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ روم کے بادشاہ ہرقل نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے جنگ کے لئے اپنی تمام فوج جمع کرلی ہے۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے "اسلامی جہاد" کا عام اعلان فرمادیا ایسے عام اعلان کے وقت معذوروں کو چھوڑ کر ہر مسلمان کا جہاد میں نکلنا فرض ہوجاتا ہے یہ زمانہ سخت گرمی کا تھا ملک میں خشک سالی اور قحط پڑا ہوا تھا بہت سے لوگ فاقہ کشی میں مبتلا تھے شوال سـ۹ھ کا زمانہ تھا صورتِ حال کے پیشِ نظر اس غزوہ کو "غزوۃ العُسرۃ" (تنگی والا غزوہ) کا نام دیدیا گیا تھا۔ ان حالات میں اللہ تعالےٰ نے اہل ایمان کو جہاد کیلئے تیاری کا حکم دیدیا کہ اہلِ ایمان حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان دشمنانِ دین سے جنگ وقتال کیلئے نکل کھڑے ہوں جنھوں نے بڑے ساز وسامان کے ساتھ اہل اسلام سے لڑنے کا ارادہ کرلیا ہے۔

اس وقت یہ آیتِ بالا نازل ہوئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو جہاد پر ابھارا ہے فرمایا کہ اے اہلِ ایمان! تم کو یہ کیا ہوگیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں جہاد کیلئے نکلنے کو کہا جارہا ہے تو تم سے چلا ہی نہیں جارہا ہے، تم زمین پر گرے جارہے ہو جیسے تم پر بہت بھاری بوجھ ہو؟ تم اپنے گھر اپنے بیوی بچے چھوڑ کر جہاد میں جانا ہی نہیں چاہتے ہو۔ آگے استفہامِ انکاری کے طور پر ان سے یہ سوال فرمایا گیا: اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ "(کیا تم نے آخرت کی پر مسرت دائمی زندگی کے مقابلہ میں یہ دنیوی ہی عارضی زندگی پسند کرلی ہے)

اس وقت حضرات صحابہ کی اکثریت بہر حال حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پر جاں نثاری کا جذبہ رکھتی تھی ایسے لوگ تھوڑی ہی تعداد میں رہے ہوں گے جنھوں نے جہاد میں نکلنے سے گریز کرنا چاہا ہوگا اور حیلے بہانے کئے ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے چند لوگوں کو مخصوص طور پر مخاطب کرنے کے بجائے تمام اہل ایمان ہی کو مخاطب فرمایا ہے تاکہ سب ہی لوگ اپنے ارادوں میں پختہ ہوجائیں۔ ان صحابہ کرام میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے ابتداءً کچھ پس وپیش اور تردد کیا تھا

کہ اس وقت کے مجموعی حالات ہی پوری طرح سازگار نہ تھے لیکن بعد میں وہ بھی پوری طرح تیار ہو گئے تھے پھر ان میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جنھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ضرورت و عذر کیوجہ سے گھروں پر رکنے کی اجازت دیدی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے اہل ایمان کو یہ فرما کر تنبیہ فرمائی ہے "فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ" کہ یہ بات اچھی طرح جان لو کہ آخرت کی ابدی و دائمی زندگی کے مقابلہ میں دنیا کی یہ زندگی تو بالکل ہی تھوڑی اور مختصر ہے۔ تو تم لوگ دنیا کی زندگی کو اور یہاں کے کھانے پینے اور پہننے کو اور یہاں کے عارضی آرام و لطف کو آخرت کی زندگی وہاں کی جنت اور اس کی نعمتوں کے مقابلہ میں کیسے ترجیح دے رہے ہو؟ کثیر باقی و دائمی کے مقابلہ میں قلیل فانی و عارضی کو کیسے پسند اور اختیار کر رہے ہو؟ تمہارا یہ طرز عمل تو بہت ہی قابل تعجب ہے۔

اس کے بعد اُن سے فرمایا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اسوقت بنی الاصفر نے تم سے مقابلہ کا ارادہ کیا ہے اگر تم لوگ بنی الاصفر (اہل روم) سے مقابلہ اور جہاد فی سبیل اللہ کیلئے نہیں نکلتے ہو تو اس کا انجام بڑا سخت ہوگا اور اللہ تعالےٰ تمہیں دردناک سزا دیں گے جسے تم برداشت نہ کر سکو گے۔ اور ایک سزا یہ بھی ہوگی کہ اللہ تعالےٰ تمہیں دنیا سے ختم کر کے اپنے نبی کی نصرت و مدد کے لئے تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو پیدا کر دے گا اللہ تعالےٰ کو ہر بات پر پوری قدرت ہے۔ ان آیات میں جو احکام و ہدایات بیان کئے گئے ہیں یہ ہر زمانے میں اور ہر جگہ واجب العمل ہیں ان کی تفصیل یہ ہے

(۱) جہاد فی سبیل اللہ تمام اعمال سے افضل ہے (جیسا کہ آگے ایک حدیث شریف میں بتایا گیا ہے) اور یہ جہاد اس وقت تک باقی رہے گا جب تک دنیا میں شرک و مشرک باقی رہیں گے۔ اللہ تعالےٰ کا حکم ہے کہ ان مشرکین سے اس وقت تک قتال جاری رکھو جب تک کہ اللہ تعالےٰ کا دین اور اس کا کلمہ غالب نہ آجائے اور شرک کا فتنہ دنیا سے ختم نہ ہو جائے۔ اللہ کا دین پہلے جزیرۂ عرب میں پھیلے گا۔ کیونکہ امتِ اسلامیہ دین کی دعوت و تبلیغ کے معاملہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نائب ہے اسے دعوت کا یہ کام بہر صورت انجام دینا ہے۔

M. Imp

(۲) یہ حق صرف امام المسلمین کو ہے کہ وہ جب ضرورت محسوس کرے جہاد عام اور نفیر عام کا اعلان کرے دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔

(۳) جہاد جو کہ افضل الاعمال ہے یہ فرض عین بھی ہوتا ہے اور فرض کفایہ بھی ہوتا ہے، فرضِ عین تین صورتوں میں ہوتا ہے۔

(ا) نفیر عام کے وقت جب امام کی طرف سے سب کیلئے جہاد میں نکلنے کا اعلان ہو جائے۔

(ب) یا امامِ وقت کسی شخص یا جماعت کو جہاد کیلئے مقرر و مامور کر دے تو انکے حق میں جہاد فرض ہے۔

(ج) یا دشمنانِ اسلام کہیں آمادۂ جنگ ہو جائیں تو انکی مدافعت اور ان سے مقابلہ فرض ہے۔

(۴) جہاد میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی کی نیت ہونی چاہیئے، سلطنت و حکومت یا شہرت و نام آوری کی نیت نہ ہونی چاہیئے۔

(۵) آیت میں آخرت کی جنت و نعمت و راحت کے مقابلے میں دنیا اور اس کی عارضی زندگی کی حقارت بیان فرمائی گئی ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی زندگی کی حقیقت یوں بیان فرمائی ہے کہ کوئی شخص اپنی شہادت کی انگلی پانی میں ڈال کر نکالے تو جتنا پانی انگلی میں لگا ہوگا آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت بس اتنی ہی ہے۔

(۶) جہاد کی فضیلت اسی حدیث سے سمجھئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہر نیکی کا بدلہ ایک ہزار نیکیوں سے دیتے ہیں مگر جہاد کا بدلہ ایک لاکھ نیکیوں سے دیا جاتا ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

چونویں (۵۴) نداء

اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنیکا حکم اور نیت اور قول وعمل میں سچائی اختیار کرنیکا حکم

سورۂ توبہ
آیت (۱۱۹)

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰایُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو لوگ ایمان وعمل میں سچے ہیں انکے ساتھ رہو۔

تشریح وتفسیر

چونکہ اہل ایمان ہی اپنے ایمان کی بدولت ایسی حیات سے بہرہ ور ہیں کہ وہ اللہ تعالے کی ندارات کو توجہ سے سننے اور ان پر عمل کرنے کو آمادہ وتیار رہتے ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ ان اہلِ ایمان ہی کو اپنی ہدایات واحکامات سے نوازتے ہیں چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو عظیم ہدایات ارشاد فرمائی ہیں۔ اللہ تعالے کا تقویٰ اور صدقِ نیت وصحبت صادقین۔

(۱) تقویٰ اللہ کا ذکر گذشتہ صفحات میں بھی گذر چکا ہے آئندہ بھی آئے گا۔ آپ تقویٰ کی حقیقت سے واقف ہی ہوں گے کہ تقویٰ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مامورات ومنہیات میں مکمل اطاعت کی جائے جن باتوں کا حکم دیا ہے ان پر عمل ہو اور جن چیزوں سے روکا ہے ان سے پورا پرہیز و اجتناب ہو کیونکہ اللہ تعالے کے غضب وعتاب اور عقاب وعذاب سے بچانے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ صرف تقویٰ ہے جو اللہ تعالے کے غضب وعقاب سے بچانے کیلئے وقایہ اور آڑ بن سکتا ہے۔

اللہ تعالے جب بھی کوئی حکم فرماتے ہیں تو اس کا یہ حکم مومن کیلئے موجب مسرت ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کا سب سے عظیم و اعلیٰ اور باعزت واشرف مقصد اللہ تعالے کی ولایت حاصل کرنا ہے اور یہ ولایت صرف تقویٰ ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ تقویٰ نفس انسانی کے تزکیہ وطہارت کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے اور نفس کا تزکیہ اسی وقت ممکن ہے جب جملہ مامورات ومنہیات میں اللہ ورسول کی کامل اطاعت کی جائے، جب اس اطاعت کے نتیجہ میں طہارتِ نفس حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنا ولی بنا کر اس سے راضی ہو جاتے ہیں اور اس سے دوستی ومحبت فرمانے لگتے ہیں۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے جس سے اختلاف وانکار ممکن نہیں ہے کہ اللہ ورسول کے مامورات پر عمل اور ان کے منہیات سے پرہیز کیلئے ہمیں ان مامورات ومنہیات کا پورا اور صحیح علم بھی ہونا چاہئے جس کا حاصل یہ ہوا کہ ہماری اسس زندگی کیلئے مامورات ومنہیات کا علم حاصل کرنا بھی ایک اہم اور بنیادی فرض ہے اور اسے صرف زبان سے فرض کہہ دینا کافی نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنا اور علم دین کو طلب کر کے حاصل کرنا بھی فرض ہے (اس فریضہ کی ادائیگی میں ہم بہت بڑی کوتاہی کر رہے ہیں جو قابلِ معافی نہیں قرار دی جاسکتی ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ فجر کی فرض نماز کیلئے تو بیدار نہیں ہو سکتے لیکن اپنے بچوں کو کفر والحاد اور بے دینی کی تعلیم دلانے کیلئے صبح تڑکے سے اٹھ کر ان کی تیاری کراتے اور انھیں اسکول پہنچا دیتے ہیں)

(۲) دوسری بات جو دو چیزوں کا مجموعہ ہے وہ یہ ہے کہ صدق وخلوص نیت کے ساتھ سچے اہلِ ایمان کی صحبت ومعیت اختیار کی جائے کیوں کہ اللہ تعالے نے "اِتَّقُوا اللّٰہَ" کے ساتھ ساتھ "کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ" بھی فرمایا ہے یعنی صادقوں کے ساتھ ہی رہا کرو کسی بھی حالت میں ان سے علیحدہ نہ رہو۔

انکی نیتوں جیسی تمہاری نیتیں ہوں، ان کے اقوال جیسے تمہارے اقوال ہوں، ان کے اعمال جیسے تمہارے اعمال ہوں، انکی آرزوؤں جیسی تمہاری آرزوئیں ہوں۔ اگر ایسا ہوگا تو پھر آخرت میں بھی تم کو انکی صحبت ومعیت نصیب ہوجائے گی جہاں وہ ہوں گے وہیں تم بھی ہوگے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث غور و توجہ سے ملاحظہ فرمائی جائے۔

آپ نے فرمایا:

عَلَیْکُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ یَھْدِیْ اِلَی الْبِرِّ وَالْبِرُّ یَھْدِیْ اِلَی الْجَنَّۃِ وَلَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَصْدُقُ وَیَتَحَرَّی الصِّدْقَ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰہِ صِدِّیْقًا۔

سچ بولنا اختیار کرو کیوں کہ سچائی نیکی تک پہنچاتی ہے اور نیکی جنت تک پہنچاتی ہے اور انسان سچ بولتا رہتا ہے اور سچ بولنے کی کوشش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کے یہاں صدیق لکھ لیا جاتا ہے۔

(صدیق لکھ لئے جانے کا مطلب سمجھ لیجئے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں شمار ہو جائیگا جنھیں یہ صدیق کا لقب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اور قرآن مجید نے بھی انھیں کیطرف اس آیت میں اشارہ کیا ہے۔

وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

اور وہ ذات جو سچائی لیکر آئی اور وہ شخص جس نے اسکی تصدیق کی یہی لوگ متقی ہیں۔

سچائی لانیوالے سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور "جس نے تصدیق کی" سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں)

اور ان "صدیقین" کی معیت حاصل ہونیکا ایک طریقہ اور بھی ہے وہ یہ کہ ہر صورت اور ہر معاملہ میں اللہ ورسول کی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے، ظاہر میں بھی باطن میں بھی، علانیہ بھی پوشیدہ بھی، تنگی وپریشانی میں بھی، آرام وفراخی میں بھی، ہر حال میں انکی اطاعت کی جائے تو صدیقین کی معیت حاصل ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ

مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیْمًا ۝

اور جو لوگ اللہ ورسول کی اطاعت کرتے ہیں تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن لوگوں پر نبیین وصدیقین اور شہداء وصالحین میں سے اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے اور یہ لوگ بہترین رفیق ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہی کافی ہے۔

یہ بات بہتر ہوگی کہ ہم یہاں اس آیت کے شانِ نزول کا بھی کچھ بیان کردیں تاکہ سچائی کی قدر وقیمت کا بھی اندازہ ہو جائے اور پھر اس پر عمل کر کے اس صفت کے ساتھ ہم لوگوں کے درمیان پہچانے جا سکیں۔

صورت واقعہ یہ ہوئی تھی کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے بنی الاصفر یعنی روم کا ارادہ جنگ معلوم ہونیکے بعد مدینہ شریف میں جہاد کا عام اعلان فرمادیا اس وقت بہت سے منافقین لچر اور واہیات قسم کے اعذار آکر بیان کرنے لگے اور جھوٹے حیلے بہانے کرنے لگے کیونکہ جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ غزوہ بہت سخت گرمی اور خشک سالی وقحط کے زمانے میں ہو رہا تھا چنانچہ بہت سے لوگ غزوہ میں شریک نہ ہوئے اور اپنے گھروں میں کیسے بیٹھے رہ گئے۔

غزوہ ختم ہونے پر جب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمان واپس آگئے تو کچھ لوگوں نے آکر اپنا اپنا عذر بیان کیا، آپ نے انکی معذرت قبول فرمالی لیکن تین صاحبان (کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، مرارہ بن ربیع) نے حیلے بہانے کے ساتھ حاضری نہیں دی بلکہ سچ سچ بات بتا کر اپنی کوتاہی وغلطی کا اعتراف کرلیا، آپ نے عام صحابہ کو ان سے مقاطعہ کا حکم دیدیا کہ جب تک انکی توبہ قبول نہ ہو کوئی شخص ان سے تعلق نہ رکھے نہ سلام کرے نہ کلام کرے، یہاں تک کہ بیوی سے بھی زن وشوہر کے تعلقات رکھنے کی ممانعت فرمادی گئی۔ یہ سزا پچاس دن تک جاری رہی جب اللہ تعالےٰ نے انکی سچائی وثابت قدمی کا پورا امتحان لے لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول ہو جانے کا اعلان بذریعہ وحی فرمادیا اور یہ آیات نازل ہوئیں:

وَّعَلَی الثَّلٰثَۃِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْھِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْھِمْ اَنْفُسُھُمْ

اور تین شخصوں کے حال پر بھی (اللہ نے توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی تھی اور

وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

وہ خود بھی اپنی جان سے تنگ آگئے اور انھوں نے سمجھ لیا کہ خدا کی گرفت سے کہیں پناہ نہیں ہے سوا اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے پھر ان کے حال پر بھی خاص توجہ فرمائی تاکہ وہ آئندہ بھی رجوع رہا کریں بیشک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے رحم والے ہیں۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور عمل میں سچوں کے ساتھ رہو۔

اس آیت سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان تینوں حضرات کو صرف انکی سچائی کی بدولت نجات دی اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے جملہ اہلِ ایمان کو تقویٰ وصدق اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

(۵۵)
پچپنویں ندا

کفار کو سعادت وکمال کی تحصیل کیلئے اِسلام میں انھیں داخل کرنیکے لئے ان سے قتال وجہاد واجب ہے

سورۂ توبہ
آیت (۱۲۳)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

اے ایمان والو! ان کفار سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس رہتے ہیں اور انکو تمہارے اندر سختی پانا چاہئے اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالےٰ (کی امداد) متقیوں کے ساتھ ہے۔

تشریح وتفسیر

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے قریب ہو جانے کا اشارہ قرآن مجید کی مختلف آیات سے سمجھا گیا ہے منجملہ ان آیات کے یہ آیت مذکورہ بالا بھی ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ جب جہاد میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شرکت بھی ہو اکرتی تھی تو اللہ تعالےٰ جہاد کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی تبعیت میں حضرات صحابہ کو بھی دیا کرتے تھے جیسے ایک جگہ یہ فرمایا گیا ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کفار و منافقین سے جہاد فرمائیں اور ان پر سختی کریں۔

یہ بات یقینی ہے کہ آپ کے اصحاب بھی آپ کے ساتھ جہاد کیا کرتے تھے لیکن اس آیت مذکورہ بالا میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمانے کے بجائے مومنین کو مخاطب فرمایا اور ان سے ارشاد فرمایا "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِّنَ الْکُفَّارِ" (کہ اے ایمان والو! ان کفار سے قتال کرتے رہو جو تمہارے آس پاس رہتے ہیں)

یعنی جب جزیرۂ عرب شرک اور مشرکین سے پاک ہو گیا اور پورا جزیرۃ العرب دارالاسلام بن گیا اور جزیرۂ عرب کی شرک سے یہ پاکی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان حضرات صحابہ کو یہ حکم دیا کہ جہاد فی سبیل اللہ کی یہ مہم وہ لوگ آپکی وفات کے بعد بھی جاری رکھیں اور اسے جاری رکھنے کا یہ طریقہ بھی بتا دیا کہ وہ اس کے بعد دعوۃ وجہاد کا یہ سلسلہ آس پاس کے کفار سے شروع کریں جو جزیرۂ عرب کی سرحدوں سے ملے ہوئے ہیں جیسے اردن ہے، شام ہے، عراق ہے وغیرہ وغیرہ وہ اپنے قریبی علاقہ پر لشکر کشی کریں اور انھیں ان تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کرنے کو کہیں پہلی بات تو اسلام میں داخلہ جو کہ عدل وانصاف اور عزت ورحمت کا دین ہے تم اسے قبول کرلو — دوسری بات: اگر وہ لوگ پہلی بات (اسلام میں داخلہ) قبول نہ کریں تو مسلمانوں کی حفاظت وحمایت میں انکی رعایا بن کر رہنا قبول کرلیں۔ مسلمان ان پر اپنی شریعت کے مطابق قانونی کارروائی کریں گے اور ان کی حفاظت وحمایت کی ذمہ داری قبول کرلینے کے عوض ان پر جزیہ (اسلامی ٹیکس) مقرر کردینگے، یہ جزیہ صرف ان کے مردوں پر لگے گا، معذور، بوڑھے، عورتیں اور بچے جزیہ سے مستثنیٰ رہیں گے۔

اس طرح جب کفار اسلامی حکومت میں اہلِ اسلام کے ساتھ رہیں گے اور ان کے اسلامی اخلاق اور انکی رحمت وشفقت کا معاملہ دیکھیں گے تو یقیناً وہ لوگ اسلامی تعلیمات کی خوبی اور اسلام کے عدل وانصاف سے متأثر ہوکر خودبخود

اسلام قبول کرلیں گے یہی اسلام کا مقصد بھی ہے، جہاد کا مقصد انسانوں کی خونریزی ہرگز نہیں ہے وہ تو بدرجہ مجبوری آخری درجہ میں رکھا گیا ہے۔

تیسری صورت:- اگر مشرکین وکفار اوپر کی دونوں صورتوں پر راضی نہ ہوں تو پھر تیسری اور آخری صورت جہاد وقتال ہے یہانتک کہ وہ لوگ شکست قبول کرلیں اور اسلامی لشکر فاتحانہ انداز میں ان کے علاقہ میں داخل ہو جائے اور اب وہ علاقہ اسلامی قلمرو میں شامل ہو جائے وہاں کا مال وزر مسلمانوں کی ملک قرار دیا جائے۔ اس کے بعد اسی طرح اس کے قریبی علاقہ میں بھی یہی تین صورتیں ان کے سامنے رکھی جائیں۔ اسی طرح یہ لشکر کشی آہستہ آہستہ آگے کے علاقے تک بڑھتی رہے یہانتک کہ ہر جگہ اللہ تعالے کا دین غالب وسربلند ہوتا رہے اور ایسے لوگ باقی نہ رہنے پائیں جو اللہ کے دینِ اسلام کو قبول نہ کریں۔ آیتِ بالا کا امتثال اسی طرح سے ہوگا۔

اللہ تعالے نے یہ بھی فرمایا ہے "وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَةً" کہ کفار کے ساتھ یہ مقابلہ وجنگ اس انداز میں ہو کہ وہ لوگ تم میں سختی وشدت کا انداز دیکھیں کہ تم سے مرعوب وخوف زدہ رہیں اور تمہارے مقابلہ میں شکست ہی کھائیں، ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ اللہ تعالے متقیوں کے ساتھ رہتا ہے یعنی جو لوگ کفر وشرک سے اور گناہوں سے تقویٰ اختیار کرتے ہوں اور جنگ میں فتح وشکست کے معاملہ اللہ تعالیٰ کی جو سنت ہے اس سنت الٰہیہ کی خلاف ورزی سے بھی بچیں تو اللہ کی مدد ان کے شاملِ حال رہے گی۔

یہ بات صرف وعدہ تک محدود نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ سچا اور یقینی ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرکے دکھلا بھی دیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام نے حضور کی وفات کے بعد جب اللہ تعالیٰ کے امر وحکم کا امتثال کیا تو اللہ تعالے کیطرف سے انکی نصرت ومدد بھی ہوئی۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی ارتداد کا سلسلہ شروع ہو گیا ان مرتدوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ کا ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ انھوں نے صلیب کی پرستش کرنیوالے نصاریٰ سے جنگ کیلئے

اپنا لشکر اسلام روم کیطرف روانہ کیا اور آتش پرست ایرانیوں سے جنگ کے لئے ایک لشکر ایران کیطرف بھیجا اللہ تعالےٰ نے انکی برکت سے فتح عطا فرمائی۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ وفات پاگئے اور حضرت عمر فاروق امیر المومنین قرار پائے انھوں نے یہ جہادی سرگرمیاں مسلسل جاری رکھیں اور مشرق و مغرب کے علاقوں تک حکومت قائم کرلی یہاں تک کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محراب میں شہید کر دیئے گئے جنھیں ابولولو مجوسی نے شہید کیا اس کا یہ اقدام اس بات کا انتقام تھا کہ حضرت عمر فاروق کے ذریعہ ایرانی سلطنت کا بالکل خاتمہ ہو گیا تھا پھر حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالےٰ عنہ خلیفہ ہوئے انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے امتثالاً تعمیل میں جنگ و جہاد کا یہ سلسلہ جاری رکھا جس کیوجہ سے اسلامی سلطنت کا دائرہ بہت دور تک وسیع ہو گیا اور بہت سے علاقے اور شہر اللہ کے دین میں داخل ہو گئے اس طرح جہاد کا یہ سلسلہ ان تین قرنوں تک جاری رہا جنھیں زبانِ رسالت پر خیر القرون کہا گیا ہے۔

ابھی اسلام کا یہ عہد زریں ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ اسلام کی دشمن تین طاقتیں (یعنی یہود و نصاریٰ اور مجوس) متحد ہو گئیں اور انھوں نے مکرو فریب اور سیہ کاری سے ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کو بالکل پارہ پارہ کر دیا انکی فوجی طاقت منتشر ہو گئی، شہر ویران اور برباد ہو گئے اور اسلامی سلطنت کے حدود سمٹ کر بالکل محدود ہو گئے اور اسلامی مدوجزر بالکل شہر ہو گیا ہے۔

آج بھی دنیائے انسانیت کی نگاہیں اسلام ہی کیطرف لگی ہوئی ہیں کہ آج انسانیت کو جو پریشانیاں اور مصائب درپیش ہیں دنیا میں جو فتنہ و فساد برپا ہے اس کا صحیح علاج اگر ہو سکتا ہے تو اسلام ہی کر سکتا ہے کاش اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حالت پر رحم و کرم کے ساتھ متوجہ ہو جائیں اور اسلامی قوت و طاقت پھر مجتمع و متحد ہو جائے اور تمام اہل اسلام اس فریضۂ جہاد کی ادائیگی کے لئے کمربستہ ہو جائیں اور یہ چھوٹا ہوا سلسلہ قریبی علاقوں سے پھر شروع ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرما دیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے غلبۂ اسلام کی تکمیل فرما کر رہیں گے کوئی گھر بھی

باقی نہ رہے گا جہاں اسلام داخل نہ ہو چاہے اسلام کا یہ غلبہ کسی کو پسند ہو یا ناپسند ہو اسلام ہر جگہ پہنچ کر رہے گا۔

ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ امت مسلمہ پر اس فریضہ کی ادائیگی ضروری ہے اور ہم لوگ اس کے ترک کی وجہ سے گنہگار ہیں۔

5/6/2000
1/3/1421H
00:15AM THU

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

* * *

چھپنویں (٥٦) ندا

نماز کو باقاعدہ قائم کرنے، زکوٰۃ دینے، جہاد کرنے کا حکم اور اسلام کو اپنے لئے لازم کر لینے اور پکڑے رہنے کا حکم

○

سُوْرَۃُ الحج
آیتان (٧٧-٧٨)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ

اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو، اور خیر کے کام کرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ اور اللہ کی راہ میں جہاد کر کے جہاد کا حق ادا کرتے رہو اسی نے تم کو منتخب کیا ہے اور تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو اور اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی تاکہ اللہ کے رسول تمہارے لئے گواہ ہوں اور

عَلَی النَّاسِ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ھُوَ مَوْلٰکُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ○

تم لوگ تمام انسانوں کیلئے گواہ رہو لہٰذا تم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو مضبوط پکڑے رہو وہ تمہارا کارساز ہے اور کیسا اچھا کارساز اور کیسا اچھا مددگار ہے۔

تشریح وتفسیر

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی تعلیم میں بھی ایک ترتیب ملحوظ رکھی ہے نبوت و وحی کے ابتدائی دور میں اہلِ ایمان کو ان کے تین بنیادی عقیدوں کی تعلیم تھی یعنی توحید الٰہ اور ایمان بالرسل اور بعث و آخرت پر ایمان کی تعلیم دی گئی اس کے بعد عبادات و معاملات وغیرہ کے احکام بتائے گئے۔

اس موقع پر اہلِ ایمان کو اسی ایمان کے عنوان سے مخاطب فرما کر پہلے ان کا آموختہ دہرایا ہے کہ تم لوگ جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور قیامت کے دن اور اس کی ملاقات پر ایمان رکھنے کیوجہ سے اصل بامقصد زندگی سے بہرہ یاب ہو تم اللہ کو اپنا رب ہونیکی حیثیت سے اپنا تنہا معبود مانتے ہو اور اس کے نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست اور نیک بندوں کیلئے جنت اور اس کی جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں اور اپنے دشمنوں کے لئے دوزخ اور اس کے دردناک عذاب جو تیار کر رکھے ہیں ان پر بھی تم لوگ پورا یقین رکھتے ہو تم لوگ اللہ کے حضور کھڑے ہو کر اسکو رکوع و سجدہ بھی کیا کرو یعنی صرف اکیلے خدا ہی کی عبادت و اطاعت کرو وہ جن باتوں کا حکم دے اس پر عمل کرو، جن باتوں سے روکے اس سے اجتناب کر کے اس کی تعمیل کرو اور صرف اچھے ہی کام کیا کرو، جن کاموں کیطرف اللہ و رسول نے تمہیں بلایا اور شوق دلایا ہو صرف وہی کام کرو تاکہ اس کے ذریعہ سے تم فلاح اور کامیابی یعنی جنت میں داخلہ کے مستحق ہو جاؤ، دوزخ سے نجات حاصل ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں پر نماز کے صرف دو ارکان رکوع و سجدہ کا حکم دیا ہے مگر اس سے مراد پوری نماز ہے۔ ان دو ارکان کو مخصوص طور پر اسلئے ذکر کیا کہ نماز میں دو ارکان ایسے ہیں جن سے خشوع و عاجزی کا اظہار زیادہ ہوتا ہے۔ جو

اللہ تعالیٰ کو مطلوب و پسند ہے اسی وجہ سے یہ دونوں ارکان بھی نماز کے اشرف ارکان شمار ہوتے ہیں۔ پہلی آیت کا حاصل اتنا ہی ہے۔

اب دوسری آیت کیطرف توجہ فرمائیں جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اہلِ ایمان بندوں کو ایک بہت ضروری و اہم فریضہ کی طرف متوجہ فرمایا ہے کیونکہ نماز کا زیادہ تر اثر روح انسانی تک محدود رہتا ہے جسم انسانی اور بدن پر نماز کے اثرات زیادہ نمایاں نہیں ہوتے لیکن جس چیز کا حکم اس دوسری آیت میں دیا گیا ہے اس کے اثرات روح انسانی اور بدنِ انسانی دونوں ہی پر پڑتے ہیں۔

یہ جہاد اللہ تعالیٰ کے اور اہلِ ایمان دشمنوں (کافرین و مشرکین اور منافقین) سے جنگ اور مقابلہ ہے جس میں جان بھی دینی پڑتی ہے، جسم کی طاقت و قوت بھی درکار ہوتی ہے اور ساز و سامان اور مال بھی صرف ہوتا ہے پھر یہ اس کے ساتھ ہی ساتھ شیطان سے بھی جہاد و مقابلہ ہے جو ہمیشہ برائیوں کو مزین و آراستہ اور بھلائیوں کو برا بناکر دکھلاتا رہتا ہے، صفائی و طہارت سے ہٹاکر خباثت و گندگی کیطرف دعوت دیتا رہتا ہے یہاں تک کہ انسان کو خباثت اور شر و فساد کے گہرے گڑھے میں گرادیتا ہے، اس میں جہاد نفس بھی شامل ہے جو نفس آمارہ کے خلاف کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ نفس امارہ پوری طرح مقہور و مغلوب ہو جائے اس وقت ہم طہارت و تزکیہ کی منزل میں پہنچ جاتے ہیں اور اب ہمارا نفس نفسِ مطمئنہ بن جاتا ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر و شکر ہی سے راحت ملتی ہے۔

جہاد کے حکم میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کی راہ میں اتنا جہاد کرو جتنا جہاد کا حق ہے۔ اس سے مقصد یہی ہے کہ پوری جد و جہد اور کوشش کے ساتھ اپنی جانی و مالی قوت و طاقت اللہ کے راستہ میں اس کا کلمہ بلند کرنے کے لئے صرف کردی جائے اس جہاد و کوشش میں نفس امارہ اور شیطان کے خلاف جہاد کا جذبہ بھی شامل حال رہنا چاہیئے کہ یہ دونوں ہی باطل کی تحسین و تزئین اور حق کی تقبیح و تشنیع کرکے انسان کو گمراہی میں مبتلا کرتے رہتے ہیں اور اہلِ ایمان کے دشمن کفار و مشرکین و اہلِ باطل کے خلاف بھی جہاد کا عمل ہونا چاہیئے۔ جو تنہا معبود واحد کی عبادت کا ارادہ ہی نہ رکھتے ہوں اور نہ یہ چاہتے ہوں کہ اللہ

کے دوست اور اس کے خاص بندے طہارت و تزکیہ کے بعد عزت و سربلندی حاصل کرسکیں۔

اس موقع پر "ھُوَ اجْتَبٰکُمْ" فرماکر یہ اشارہ بھی فرمادیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اس نے ساری دنیائے انسانیت تک اپنی دعوت اور اپنا پیغام ہدایت پہنچانے کے لئے صرف تم ہی لوگوں کو چنا اور منتخب کیا ہے۔ اب چونکہ بندوں کی طاقت محدود ہے اس لئے انھیں یہ فرماکر مطمئن بھی کردیا کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو کسی تنگی اور حرج میں نہیں ڈالنا چاہتے جسے تم لوگ ادا نہ کرسکو یا اس سے نکل نہ سکو چنانچہ رفع حرج و تنگی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس نے ہر قصور و جرم اور کوتاہی کیلئے تمہارے لئے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے اب اگر کوئی شخص کسی گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے اور پھر اس پر شرمندہ و نادم ہوکر اس سے توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں اور تنگی و حرج کے دور کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مریض و مسافر کو رمضان میں روزہ چھوڑ کر افطار کرلینے کی بھی اجازت دیدی گئی ہے جب تک وہ مریض و مسافر ہوں بعد میں اس کی قضا کرلیں۔ اسی طرح نماز میں بھی مریض کو اجازت دیدی گئی کہ اگر قیام پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر یا لیٹ کر جیسے ممکن ہو ورنہ اشارہ ہی سے نماز ادا کرسکتا ہے، اور اسی طرح مریض اور نابینا یا لنگڑے شخص کیلئے اجازت ہے کہ وہ نفیر عام کے موقع پر بھی اگر چاہیں تو جہاد کیلئے نہ نکلیں۔ اسی طرح جو شخص پانی سے بقدر یک میل دور ہو یا پانی کا استعمال نقصان دہ ہو تو ایسے لوگ وضو اور غسل کی جگہ تیمم بھی کرسکتے ہیں۔

تنگی و حرج دور کرنے کی یہ چند مثالیں بیان کردی گئیں۔

"مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرَاهِیْمَ" فرماکر اہلِ ایمان کو اس بات کیلئے تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ اپنی دینی زندگی میں ملتِ ابراہیمی کی پابندی اور اس سے وابستگی اپنے لئے لازم رکھیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سارے عرب کے باپ ہونیکے ساتھ ساتھ خصوصیت سے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے جدامجد تھے اس لئے تم سب ملتِ ابراہیمی کی پابندی رکھو اسے چھوڑ کر کوئی دوسری ملت ہرگز اختیار

نہ کرو اور چونکہ حضرت ابراہیم بھی "مسلم" تھے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ تم کو بھی پچھلی آسمانی کتب میں بھی اور قرآن مجید میں بھی تم کو مسلم (مسلمان) ہی کا نام دیا ہے۔

تم کو ملتِ ابراہیمی کی پابندی کا حکم اسلئے دیا جا رہا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے اسلام کی گواہی دے سکیں کیونکہ تم سب لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لانیوالے وہی ہیں انھیں اپنی امت کے اسلام لانیوالوں سے پوری واقفیت ہے اسلئے وہی تم لوگوں کے گواہ بن سکتے ہیں اسی طرح تم لوگ بھی دوسرے تمام انسانوں کے حق میں گواہ بنو گے۔

ان سب کے بعد آخر میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو نماز کی پابندی کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے نماز قائم کرنے کیلئے ان امور کی واقفیت اور انھیں کے مطابق ادائے نماز ہوگی۔

(۱) طہارت کاملہ ہونی چاہئے اگر صرف حدثِ اصغر ہو تو وضو کے ذریعہ طہارت ہو جائے گی اور اگر حدث اکبر جنابت وغیرہ ہو تو غسل کے ذریعہ طہارت ہوگی، لباس مصلی کی طہارت ہونی چاہئے جس جگہ نماز پڑھی جا رہی ہے وہ جگہ پاک اور طاہر ہونی چاہئے۔

(۲) نماز کا وقت :- جس وقت کی نماز پڑھنی ہو اس کا وقت آنے پر پڑھی جائے وقت سے پہلے اور وقت کے بعد نہ پڑھی جائے۔

(۳) بغیر عذر کے انفرادی نماز نہ پڑھی جائے بلکہ مسلمانوں کی جماعت میں اور مسجد میں ادا کی جائے۔

(۴) نماز کے جملہ ارکان کی صحیح طور پر اور اطمینان سے ادائیگی ہو، نماز کے ارکان یہ ہیں۔ تکبیر تحریمہ، قیام، قرات (مگر مقتدی پر قرارت نہیں ہے) رکوع، دونوں سجدے، قعدہ اخیرہ بقدر تشہد (السّلام علیکم ورحمۃ اللہ کہکر نماز ختم کرنا واجب ہے)

(۵) نماز کی سنتوں اور آداب کی بھی رعایت رکھی جائے تاکہ یہ نماز طہارتِ قلب اور صفائی روح کا ثمرہ و نتیجہ دے سکے۔

"وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین اسلام اور اس کے تمام احکام کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو اللہ پر پختہ اعتقاد اور احکام پر مضبوطی کے ساتھ

عمل کی پابندی کا اہتمام رکھو۔

تم اگر اس کے مطابق عمل در آمد رکھو گے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بہترین کارساز اور کیسا اچھا مددگار ثابت ہوتا ہے۔

(نوٹ) "لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ" یہاں پر فقہ حنفی کے مطابق سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے، امام مالک علیہ الرحمہ کا بھی یہی مسلک ہے کیونکہ یہاں پر رکوع و سجدہ دونوں ہی کا حکم دیا گیا ہے اسلئے یہ سجدۂ نماز ہے سجدۂ تلاوت نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ حضرت مریم علیہا السّلام کو خطاب فرما کر "وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ" فرمایا گیا ہے مگر یہاں پر کوئی امام بھی سجدۂ تلاوت کو واجب نہیں کہتا کیونکہ سجدہ کے ساتھ رکوع کا ذکر اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ سجدۂ نماز ہے سجدۂ تلاوت نہیں ہے۔ حضرت امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک "لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْن" پر سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تشریح وتفسیر

گذشتہ ندا میں سورۂ نور ہی کی ایک آیت ذکر کی گئی ہے جس میں واقعۂ افک کا کچھ ذکر اشارۃً آگیا تھا اور دنیا کی قابل عزت صاحب عصمت وعفت ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان طرازی کا اجمالاً بیان تھا۔ یہ ندا اور یہ آیت بھی ایک طرح اس مضمون سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ کسی پر تہمت رکھنا اور بہتان باندھنا یہ شریر لوگوں کا ایک مشغلہ ہے وہ جب چاہتے ہیں اور جس پر چاہتے ہیں تہمت لگا دیتے ہیں اور بہتان کا طوفان کھڑا کر دیتے ہیں اللہ تعالےٰ نے اس فتنہ کا سد باب کرنے ہی کیلئے استیذان (کسی کے گھر میں داخلہ کیلئے اجازت طلبی) کا حکم اسی لئے دیا ہے کہ شیطان کو کسی فتنہ کو جگانے کا موقع ہی نہ ملے اس لئے اہل ایمان کو حکم دیا کہ "اے اہلِ ایمان! تم دوسروں کے گھر میں کبھی بھی ایسے داخل نہ ہو جایا کرو بلکہ پہلے اس گھر کے رہنے والوں سے اندر آنے کی اجازت لے لو اور انھیں سلام کر لو جب اجازت مل جائے تب اندر جاؤ۔

آیت شریفہ میں اگرچہ "استیناس" کا لفظ آیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان سے مانوس ہو جاؤ اور وہ تم کو پہچان کر تم سے مانوس ہو جائیں لیکن یہاں پر اس سے صرف استیذان (اجازت طلبی) ہی مراد ہے۔ استیذان کا معقول وشریفانہ طریقہ یہ ہے کہ اجازت طلبی کیلئے بالکل دروازے کے بیچ میں کھڑا نہ ہو کہ اگر کوئی دروازہ کھولے تو گھر کا سامنا نہ ہو جائے، بعض اوقات دروازہ کھولنے والی کوئی عورت ہوتی ہے اسلئے دروازے کے داہنے یا بائیں کھڑا ہو اور "السلام علیکم" بلند آواز سے کہے کہ گھر میں آواز پہنچ جائے پھر اپنا نام بتا کر دریافت کرے کہ فلاں شخص اندر آسکتا ہے؟ اگر ایک مرتبہ میں کوئی جواب نہ ملے تو تین بار تک اجازت طلب کرے اور تیسری مرتبہ بھی اجازت نہ ملے یا اجازت دینے کے بجائے یہ کہہ دیا کہ ابھی لوٹ جائیں اسوقت موقع نہیں ہے تو کسی ناگواری وناراضی کے بغیر لوٹ جانا چاہئے۔

اس اجازت طلبی میں مصلحت یہی ہے کہ آنے والے کے سامنے کوئی ایسی صورت نہ آئے جو اس گھر والے کو ناپسند ہو یا خود اس آنے ولے کو وہ صورت ناپسند

ہو اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ یہ صورت استیذان تمہارے لئے بہتر ہے امید ہے کہ تم یہ بات یاد رکھو گے اسے بھولو گے نہیں اور استیذان کے بغیر کسی کے گھر میں کبھی بھی داخل نہ ہو گے۔ اور اگر کسی شخص نے کسی گھر پر اجازت چاہی اور پھر اندازہ ہوا کہ گھر میں کوئی موجود ہی نہیں ہے جو اجازت دے یا روکے تو اس صورت میں بھی اندر داخل نہ ہو جب تک صاحبِ خانہ داخلہ کی اجازت نہ دے۔ اور اگر صاحبِ خانہ داخلہ کی اجازت نہ دے اور کہہ دے کہ اس وقت لوٹ جائیں تو اسے لوٹ جانا چاہئے، اس سے یہ پوچھنے کا حق نہیں ہے کہ اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کی ہدایت یہی ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ کیونکہ صاحبِ خانہ کسی وجہ سے اسے داخلہ کی اجازت نہیں دینا چاہتا ہے اور وہ وجہ لائق اظہار بھی نہیں ہے تو اسے اصرار کا حق نہیں ہے اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ تمہارے حق میں دل کی پاکیزگی کے لئے یہی صورت بہتر ہے کہ لوٹانے پر لوٹ جاؤ کہ باہم تعلقات کی خوش گواری ومحبت اسی طرح باقی رہ سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو اچھی طرح باخبر ہیں اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو، تمہارے احوال واعمال کی اسے پوری خبر ہے لہٰذا یہ استیذان کا حکم بالکل برمحل اور مناسب ہے تم کو اس کی ہر معاملہ میں استیذان کے معاملہ میں بھی اور دوسرے تمام معاملات میں اسکی اطاعت کرنی چاہئے تاکہ تم سعادت وکمال سے بہرہ یاب ہو جاؤ۔

اگلی تیسری آیت میں ایک اور صورت کا حکم بتایا گیا ہے کہ بعض مکانات اور بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں جہاں خانگی انداز میں کسی کی رہائش نہیں ہوتی لوگوں کے گودام وغیرہ ہوتے ہیں وہاں کسی کا سامان ہو اور وہ اسے لینے کیلئے جائے تو وہاں داخلہ کیلئے اجازت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ایسے گودام وغیرہ عام طور پر ان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں کہ وہاں مختلف لوگوں کی آمد ورفت برابر رہتی ہے۔ یہ حکم تو استیذان کے معاملہ میں ہے باقی سلام کے احکام علیحدہ اور مستقل ہیں سلام مسنون ہے ہر مسلمان کا حق ہے کہ دوسرا مسلمان جب ملاقات کرے تو اسے سلام کرے اس میں بھی یہ ترتیب مستحب ہے کہ سوار شخص

ہے کہ وہ اسی کے تزکیہ کا فیصلہ کرتا ہے جو دل سے تزکیہ کا طالب ہو لہٰذا جو شخص دل سے تزکیہ وطہارت طلب کریگا اللہ تعالےٰ اسے ناکام و نامراد نہیں رکھیں گے۔

اور چونکہ یہ حقیقت ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا ہے، سب کچھ جانتا ہے، انسان کی نیتوں سے وہ واقف ہے، انسان اس سے جو کچھ مانگتے ہیں وہ سب سنتا ہے۔ اسلئے ہمیں اپنے دل کا تزکیہ بھی اسی سے طلب کرنا چاہیئے۔ اسی کو یاد کریں اور اسی کا شکر کریں، اسی کی اطاعت و فرمانبرداری کریں، اعمالِ صالحہ کی پابندی کریں، اعمالِ سیئہ اور معاصی و ذنوب سے اجتناب و پرہیز کریں تو تزکیۂ قلب کی اہلیت وصلاحیت ہم میں ہو جائیگی لہٰذا سارا فضل واحسان اللہ تعالیٰ ہی کا ہے کہ اگر یہ فضل نہ ہوتا تو جو لوگ اس واقعۂ افک کے منجدھار میں پھنس گئے تھے وہ اس سے نکل نہ پاتے اور جو اس سے محفوظ رہ گئے وہ بھی اللہ تعالےٰ کے فضل ہی سے محفوظ رہ گئے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اور یہ بات بھی دنیا کے عجائبات ہی میں شمار ہونے کے لائق ہے کہ فرقۂ روافض کی اکثریت آج بھی اس فتنہ میں مبتلا ہے اور اسے اس بات پر اصرار ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خلاف جو تہمت و بہتان طرازی کی گئی تھی وہ واقعہ تھی حالانکہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کی اس سورۂ نور میں ان کی برارت بیان فرمادی، سورۂ نور کی دس آیات اسی واقعہ افک میں حضرت صدیقہؓ کی برارت میں نازل ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں صرف انکی برارت ہی ظاہر نہیں فرمائی بلکہ مزید برآں انھیں جنت کی بشارت دیکر پروانۂ مغفرت و جنت بھی عطا فرمادیا۔

یہ بات ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو جھٹلائے وہ بالکل کافر ہو کر خارج از اسلام ہو جاتا ہے اس کے بعد بھی یہ اعجوبہ نہیں تو اور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو حضرت صدیقہؓ کی برارت کا صاف اور واضح لفظوں میں اعلان فرمائیں مگر یہ کافر اسکے باوجود انھیں بری نہ سمجھیں۔ ان لوگوں کا یہ انداز صرف اپنے گمراہ عالموں کی اندھی تقلید کا نتیجہ ہی کہا جاسکتا ہے جنھوں نے اپنی گمراہی پر پردہ ڈالنے ہی کیلئے تحریفِ قرآن کا عقیدہ بھی گڑھ لیا اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حفاظت میں رکھیں۔

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

(۵۸)
اٹھاونویں ندا

کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلبی واجب ہے

جس گھر میں کوئی انسان رہتا ہو وہاں اجازت طلبی کی ضرورت نہیں

◉

سُوْرَۃُ النُّوْر
آیات (۲۷ تا ۲۹)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا
غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا
عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○
فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا
حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ
ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ○ لَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ
فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ
وَمَا تَكْتُمُوْنَ ○

اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک اجازت حاصل نہ کرلو اور گھر والوں کو سلام نہ کرلو یہی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم خیال رکھو پھر اگر ان گھروں میں تمکو کوئی آدمی معلوم نہ ہو تو بھی ان گھروں میں داخل نہ ہو جب تک تمکو اجازت نہ دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ (اسوقت) لوٹ جاؤ تو تم لوٹ آیا کرو یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے تمکو ایسے مکانوں میں چلے جانے میں کوئی گناہ نہ ہوگا جنمیں کوئی نہ رہتا ہو اور ان میں تمہارا سامان ہو۔ اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے جو تم علانیہ کرتے ہو یا پوشیدہ کرتے ہو۔

تشریح وتفسیر

گذشتہ ندا میں سورۂ نور ہی کی ایک آیت ذکر کی گئی ہے جس میں واقعۂ افک کا کچھ ذکر اشارۃً آگیا تھا اور دنیا کی قابل عزت صاحب عصمت وعفت ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان طرازی کا اجمالاً بیان تھا۔ یہ ندا اور یہ آیت بھی ایک طرح اس مضمون سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ کسی پر تہمت رکھنا اور بہتان باندھنا یہ شریر لوگوں کا ایک مشغلہ ہے وہ جب چاہتے ہیں اور جس پر چاہتے ہیں تہمت لگا دیتے ہیں اور بہتان کا طوفان کھڑا کر دیتے ہیں اللہ تعالےٰ نے اس فتنہ کا سد باب کرنے ہی کیلئے استیذان (کسی کے گھر میں داخلہ کیلئے اجازت طلبی) کا حکم اسی لئے دیا ہے کہ شیطان کو کسی فتنہ کو جگانے کا موقع ہی نہ ملے اس لئے اہل ایمان کو حکم دیا کہ "اے اہلِ ایمان! تم دوسروں کے گھر میں کبھی بھی ایسے داخل نہ ہو جایا کرو بلکہ پہلے اس گھر کے رہنے والوں سے اندر آنے کی اجازت لے لو اور انھیں سلام کرلو جب اجازت مل جائے تب اندر جاؤ۔

آیت شریفہ میں اگرچہ "استیناس" کا لفظ آیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان سے مانوس ہو جاؤ اور وہ تم کو پہچان کر تم سے مانوس ہو جائیں لیکن یہاں پر اس سے صرف استیذان (اجازت طلبی) ہی مراد ہے۔ استیذان کا معقول وشریفانہ طریقہ یہ ہے کہ اجازت طلبی کیلئے بالکل دروازے کے بیچ میں کھڑا نہ ہو کہ اگر کوئی دروازہ کھولے تو گھر کا سامنا نہ ہو جائے، بعض اوقات دروازہ کھولنے والی کوئی عورت ہوتی ہے اسلئے دروازے کے داہنے یا بائیں کھڑا ہو اور "السلام علیکم" بلند آواز سے کہے کہ گھر میں آواز پہنچ جائے پھر اپنا نام بتا کر دریافت کرے کہ فلاں شخص اندر آسکتا ہے؟ اگر ایک مرتبہ میں کوئی جواب نہ ملے تو تین بار تک اجازت طلب کرے اور تیسری مرتبہ بھی اجازت نہ ملے یا اجازت دینے کے بجائے یہ کہدیا کہ ابھی لوٹ جائیں اسوقت موقع نہیں ہے تو کسی ناگواری وناراضی کے بغیر لوٹ جانا چاہئے۔

اس اجازت طلبی میں مصلحت یہی ہے کہ آنے والے کے سامنے کوئی ایسی صورت نہ آئے جو اس گھر والے کو ناپسند ہو یا خود اس آنے ولے کو وہ صورت ناپسند

ہو اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ یہ صورت استیذان تمہارے لئے بہتر ہے امید ہے کہ تم یہ بات یاد رکھو گے اسے بھولو گے نہیں اور استیذان کے بغیر کسی کے گھر میں کبھی بھی داخل نہ ہوگے۔ اور اگر کسی شخص نے کسی گھر پر اجازت چاہی اور پھر اندازہ ہوا کہ گھر میں کوئی موجود ہی نہیں ہے جو اجازت دے یا روکے تو اس صورت میں بھی اندر داخل نہ ہو جب تک صاحبِ خانہ داخلہ کی اجازت نہ دے۔ اور اگر صاحبِ خانہ داخلہ کی اجازت نہ دے اور کہدے کہ اس وقت لوٹ جائیں تو اسے لوٹ جانا چاہئے، اس سے یہ پوچھنے کا حق نہیں ہے کہ اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کی ہدایت یہی ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ کیونکہ صاحبِ خانہ کسی وجہ سے اسے داخلہ کی اجازت نہیں دینا چاہتا ہے اور وہ وجہ لائق اظہار بھی نہیں ہے تو اسے اصرار کا حق نہیں ہے اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ تمہارے حق میں دل کی پاکیزگی کے لئے یہی صورت بہتر ہے کہ لوٹانے پر لوٹ جاؤ کہ باہم تعلقات کی خوش گواری ومحبت اسی طرح باقی رہ سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو اچھی طرح باخبر ہیں اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو، تمہارے احوال واعمال کی اسے پوری خبر ہے لہٰذا یہ استیذان کا حکم بالکل برمحل اور مناسب ہے تم کو اس کی ہر معاملہ میں استیذان کے معاملہ میں بھی اور دوسرے تمام معاملات میں اسکی اطاعت کرنی چاہئے تاکہ تم سعادت وکمال سے بہرہ یاب ہو جاؤ۔

اگلی تیسری آیت میں ایک اور صورت کا حکم بتایا گیا ہے کہ بعض مکانات اور بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں جہاں خانگی انداز میں کسی کی رہائش نہیں ہوتی لوگوں کے گودام وغیرہ ہوتے ہیں وہاں کسی کا سامان ہو اور وہ اسے لینے کیلئے جائے تو وہاں داخلہ کیلئے اجازت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ایسے گودام وغیرہ عام طور پر ان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں کہ وہاں مختلف لوگوں کی آمد ورفت برابر رہتی ہے۔ یہ حکم تو استیذان کے معاملہ میں ہے باقی سلام کے احکام علیحدہ اور مستقل ہیں سلام مسنون ہے ہر مسلمان کا حق ہے کہ دوسرا مسلمان جب ملاقات کرے تو اسے سلام کرے اس میں بھی یہ ترتیب مستحب ہے کہ سوار شخص

پیدل چلنے والے کو سلام کرے، چلنے والا بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرے، بڑا آدمی چھوٹی عمر والے کو سلام کرے (یہ بات قابلِ اصلاح ہے کہ اب بڑی عمر کے لوگ سلام میں پیش قدمی اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں)

جو شخص کہیں جائے، کسی کی دوکان ہو، مکان ہو، محفل ہو، دعوت ہو تو وہاں مسنون طریقہ کے مطابق سلام کرے یعنی "السلام علیکم" کہے (دوسری قوموں میں رائج الفاظ سے پرہیز کیا جانا چاہئے۔ اسلام کا طریقۂ سلام سب سے بہتر ہے کہ سلامتی وعافیت رحمت وبرکت کی دعا پر مشتمل ہے جبکہ "نمستے" اور "نمسکار" کے الفاظ میں شرک کا شائبہ پایا جاتا ہے) جواب دینے والا چاہے تو جواب میں صرف "وعلیکم السلام" کہدے ورنہ بہتر تو یہی ہے کہ وہ جواب میں ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کا اضافہ بھی کر دے یا صرف ورحمۃ اللہ کے اضافہ پر اکتفاء کرلے۔

اللہ تعالےٰ نے اس نداء کا خاتمہ بھی اس حقیقت کے اظہار پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ خوب جانتے ہیں جو باتیں تم لوگ ظاہر کرتے ہو اور جو باتیں چھپائے رکھتے ہو لہٰذا اپنے دل میں یہ اعتقاد جمائے رکھو اور برابر اس کا استحضار رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اطاعت ونافرمانی دونوں ہی سے باخبر ہے وہ جانتا ہے کہ کہاں تک تم احکام کی پابندی کرتے ہو اور کتنی نافرمانی کرتے ہو۔

ان آیات کے شانِ نزول سے متعلق یہ دو روایات بھی معلوم رہیں کہ پہلی آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک انصاریہ خاتون نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بعض اوقات میں اپنے گھر میں ایسی حالت میں رہتی ہوں کہ اسوقت مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ مجھ پر کسی کی نظر پڑے کوئی مجھے دیکھے تو اس کے لئے میں کیا صورت اختیار کروں ان خاتون کے سوال پر یہ آیتِ استیذان نازل ہوئی جو اوپر مذکور ہوئی۔

اور دوسری آیت (جو کہ تیسرے نمبر پر ہے) کا شانِ نزول یہ ہے کہ پہلی آیت استیذان نازل ہونیکے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یہ سوال کیا کہ شام میں جو ہم لوگوں کی سرائے اور اقامتی مکان ہیں جن میں رہائش نہیں رہتی کیا ان میں داخلہ کے وقت بھی اجازت لی جائے گی؟ اس کے

جواب میں تیسری آیت نازل ہوئی اور بتادیا گیا کہ وہاں استیذان ضروری نہیں ہے۔

استیذان کے موقع پر یہ ادب بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ گھر والا اگر پوچھے کہ آپ کون صاحب ہیں؟ اس کے جواب میں یوں نہ کہنا چاہئے کہ "میں ہوں" کیونکہ اگر آواز سے اس نے نہیں پہچانا ہے تو "میں" کہنے سے کیسے پہچانے گا اسلئے اس کے جواب میں اپنا نام بتانا چاہئے کہ (میں فلاں شخص ہوں" کیا اندر آسکتا ہوں"؟)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابی نے حاضری کی اجازت طلب کی، آپ نے دریافت فرمایا کون؟ وہ بولے "انا" میں آپنے فرمایا کہ "میں" کیا؟ میں تو میں بھی ہوں ہر شخص اپنے کو میں کہتا ہے یعنی نام بتایا جائے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

* * *

انسٹھویں ندا (۵۹)

گھر والوں کے مقاماتِ تخلیہ میں شرعی غلاموں باندیوں اور بچوں کو بھی تین وقتوں میں اجازت لیکر جانا چاہیئے اور بچہ جب بالغ ہو جائے تو اس کیلئے یہ استیذان واجب ہے

◉

سورۃ النور
آیات (۵۸-۵۹)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ
الَّذِیْنَ مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ وَالَّذِیْنَ
لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْکُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ
مِنْ قَبْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ
تَضَعُوْنَ ثِیَابَکُمْ مِّنَ الظَّھِیْرَۃِ
وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ
عَوْرٰتٍ لَّکُمْ لَیْسَ عَلَیْکُمْ وَلَا عَلَیْھِمْ
جُنَاحٌ بَعْدَھُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْکُمْ
بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ

اے ایمان والو! تمہارے مملوک اور جو بچے حد بلوغ کو نہیں پہنچے انھیں تین وقتوں میں تم سے اجازت لے کر آنا چاہیے۔ نمازِ صبح سے پہلے اور جب دوپہر کو کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردے کے ہیں۔

ان اوقات کے علاوہ نہ تو تم پر کوئی الزام ہے اور نہ ان پر کوئی الزام ہے یہ لوگ تو تمہارے پاس بکثرت آتے جاتے رہتے ہیں اسی طرح

لَکُمُ الْاٰیٰتِ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝
وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْکُمُ الْحُلُمَ
فَلْیَسْتَاْذِنُوْا کَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ
مِنْ قَبْلِھِمْ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ
لَکُمْ اٰیٰتِہٖ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝

اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے اور جب تم میں سے وہ لڑکے حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو انھیں بھی ایسے ہی اجازت لینی چاہیے جیسے ان کے پہلے والے اجازت لیتے رہے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے وہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

تشریح وتفسیر

یہ آیت بھی استیذان و اجازت طلبی کے حکم پر مشتمل ہے مگر فرق یہ ہے کہ اوپر کی آیت دوسرے کے گھر میں داخلہ کی اجازت طلبی سے متعلق تھی اور یہ آیت اندرونِ خانہ جو لوگ رہتے ہیں جن سے پردہ کا تعلق نہیں ہوتا ہے ان کے لئے استیذان و اجازت طلبی کی ہدایت دے رہی ہے کہ گھر کے یہ لوگ بھی ان تین اوقات میں جن میں انسان خلوت و تنہائی کے ساتھ رہنا چاہتا ہے اس کے پاس جب ان وقتوں میں جانا چاہیں تو اجازت لیکر جائیں۔ وہ تین وقت جن میں استیذان کی ہدایت کی جارہی ہے وہ یہ ہیں فجر کی نماز سے پہلے، دوپہر کو جب آرام وقیلولہ کا وقت ہو اور عام طور پر آدمی لیٹنے کیلئے کپڑے اتار دیتا ہے، تیسرے عشاء کی نماز کے بعد۔ ان تین وقتوں میں اجازت لیکر کسی کے پاس جانا چاہیئے۔ مملوک غلام ہو یا باندی یا گھر کے چھوٹے بچے بھی اجازت لیکر ہی جائیں۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ایک بچہ کو جس کا نام "مدرج" بتایا جاتا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلانے کیلئے بھیجا دوپہر کا وقت تھا حضرت عمر فاروق اس وقت لیٹے ہوئے سو رہے تھے، وہ صاحبزادے جب پہنچے تو آہٹ پاکر حضرت عمر بیدار ہو گئے اور انھیں محسوس ہوا کہ اس وقت تہمد کچھ کھسک گیا تھا جس سے قابل ستر جسم کا کچھ حصہ شاید کھل گیا تھا اس وقت حضرت عمر کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ اچھا ہوتا کہ ایسے وقتوں میں اجازت لیکر آنے کا حکم ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ ہمارے گھر

کے لوگوں کیلئے بھی یہ حکم فرمادیتے کہ وہ ان وقتوں میں ہمارے پاس اجازت لیکر ہی آیا کریں چنانچہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طلب پر حاضر خدمت ہوئے انکے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی یہ آیتِ مذکورہ نازل ہو چکی تھی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت فاروق کی دلی خواہش پوری فرمادی تھی۔ اس قسم کا یہ صرف ایک ہی واقعہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے کئی موقعوں پر حضرت عمر فاروق کی رائے اور خواہش کے مطابق احکام نازل فرمائے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لئے پردہ کا حکم انھیں کی خواہش کے مطابق ہوا۔ طواف کے وقت مقام کے پاس نماز کا حکم بھی انھیں کی خواہش کے مطابق دیا گیا اور "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى" کی آیت نازل ہو گئی کہ مقام ابراہیم کے پاس نماز کی جگہ مقرر کر لو وہاں نماز پڑھا کرو۔

اسی قسم کی موافقات فاروقی سے یہ آیت مذکورہ بھی ہے اور مسلمانوں کو ہدایت دے دی گئی ہے کہ اوقاتِ خلوت اور مقامِ تخلیہ میں ان کے مملوک باندی و غلام اور چھوٹے نابالغ لڑکے بھی جب کسی کے پاس جائیں تو اجازت لیکر ہی جائیں۔

یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ نابالغ بچے تو احکام کے مکلف نہیں ہوتے ان پر یہ پابندی کیسی ہے؟ یہ پابندی دراصل گھر کے بڑوں پر ہے کہ وہ ان چھوٹے بچوں کو ان آداب کی تعلیم دیں اور اسی طور پر انکی تربیت کریں کہ وہ بچے بھی اس بات کا لحاظ رکھیں، اس قسم کے بہت سے احکام و مسائل ہیں جن کا تعلق ہے تو بچوں سے مگر انکی تعلیم و تربیت کے مکلف ان کے بڑے لوگ ہیں۔

ان تین اوقات کو جن میں استیذان کا حکم دیا جا رہا ہے قرآن مجید نے "عورت" سے تعبیر فرمایا ہے "عورت" کے لغوی معنٰی بدن کا وہ حصہ جس کا کھل جانا شریف آدمی کو وجہ حیاء و شرم معلوم ہو اور وہ اس کا مستور رکھنا اور چھپانا ہی پسند کرے چونکہ اس حصہ کا ستر کیا جاتا ہے اس لئے اب ان اعضائے جسم ہی کو ستر کہنے لگے۔

(دوسری قابلِ توجہ بات "عورت" کا لفظ ہے کہ عورت کہتے ہیں اس حصہ کو کہتے ہیں جسے انسان چھپا کر رہنا ہی پسند کرتا ہو اس لئے عورت کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہوا کہ عورت چھپانے کی چیز ہے اسلئے اس کی بے پردگی و عریانیت

فطرت سے بغاوت کے سوا اور کچھ نہیں ہے)

ان تین اوقات کے علاوہ وقتوں میں گھر کے ان لوگوں کیلئے اجازت طلبی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ مختلف ضروریات کے تحت ہر وقت ہی ادھر ادھر آتے جاتے رہتے ہیں ہر وقت کی اجازت طلبی میں حرج اور دشواری ہوگی اسی لئے یہ کہکر اجازت دیدی گئی "طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ"۔

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی ضروریات و حاجات کا چونکہ پورا پورا علم ہے اور وہ حکمت والا بھی ہے اس لئے جہاں جہاں جس قسم کے حکم ضرورت ہوتی ہے وہ خود ہی بیان فرمادیتے ہیں۔ اس ندا میں مذکور دوسری آیت بھی اپنی پہلی آیت اور اس میں بیان کئے گئے حکم سے متعلق ہے۔

اوپر کی آیت میں جن نابالغ چھوٹے بچوں کو عام اوقات میں بے اجازت گھر میں آنے جانے کی اجازت تھی اب انھیں لڑکوں کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ لڑکے جب بالغ ہو جائیں تو پھر یہ بھی گھر میں داخل ہونیکے وقت ایسے ہی اجازت لیا کریں جیسے دوسرے بالغ لوگ ان سے پہلے ہی سے اجازت لیکر آتے جاتے ہیں۔

اس موقع پر ضرورت ہے کہ سن بلوغ سے متعلق ضروری معلومات یہاں سپرد قلم کر دی جائیں۔

سن بلوغ اور لڑکوں میں عمر کے لحاظ سے تو پندرہ سال کی عمر ہونے پر بالغ ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے یا علامات بلوغ میں سے کوئی علامت پائی جائے تو اس سے پہلے بھی بالغ قرار دیدیا جائے گا۔ علامات بلوغ :۔ احتلام اور زیرِ ناف بالوں کا نکلنا ان میں سے کوئی علامت اگر پندرہ سال کی عمر سے پہلے ظاہر ہو جائے تو اسی وقت سے بالغ کہدیں گے ورنہ پندرہ سال کی عمر پر بالغ قرار دیدیا جائے گا۔

اور لڑکیوں میں بھی یہی صورت ہے کہ یا تو علامات بلوغ میں سے کوئی علامت ظاہر ہو جائے۔ علامتِ بلوغ دو ہیں، ان دو میں سے کوئی ایک علامت ظاہر ہو جائے تو بالغ ہو گئی (۱) موئے زیرِ ناف (۲) حیض و ماہواری۔ اور اگر یہ علامتیں ابھی ظاہر نہیں ہوئی ہیں اور عمر پندرہ سال ہو گئی ہے تو بالغ قرار دیدی جائیگی ویسے تجربہ کے لحاظ سے غالب یہ ہے کہ لڑکی بارہ سال کی عمر میں سنِ احتلام کو پہنچ جاتی ہے۔

اور لڑکے کا بلوغ کبھی کبھی عمر کے اٹھارہ سال تک مؤخر بھی ہو جاتا ہے لیکن ایسا کم ہی ہوتا ہے اس لئے عمر کے لحاظ سے وہی پندرہ سال ہی کی حد مقرر ہے۔

یہ لڑکے جب بالغ ہو جائیں تو ان پر بھی واجب ہو گا کہ اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھر میں داخل ہوتے وقت اجازت لیکر ہی داخل ہوں۔

داخلہ کا طریقہ اوپر پچھلی نداء میں گذر چکا ہے کہ "السلام علیکم" کہہ کر تین بار دریافت کریں کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ تین بار دریافت کرنا صرف احتیاط کے پیش نظر بتایا گیا ہے اگر پہلے ہی مرتبہ کوئی جواب مل جائے تو تین بار دریافت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ساٹھویں (۶۰) نداء

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرتے رہنا اور ان کا شکر ادا کرتے رہنا واجب ہے، اسکی نعمتوں کا ذکر و شکر کیوں واجب ہے؟

◉

سورۂ احزاب
آیات (۹-۱۰-۱۱)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ○ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ○

اے ایمان والو! اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے تھے پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور فرشتوں کی ایسی فوج بھیجی جو تم کو عام طور پر دکھائی نہ دیتی تھی اور اللہ تعالےٰ اعمال کو دیکھتے ہیں جبکہ وہ دشمن لوگ تم پر آ چڑھے تھے اوپر کیطرف سے اور نیچے کیطرف سے اور جبکہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کر رہے تھے اس موقع پر مسلمانوں کا امتحان لیا گیا اور وہ لوگ سخت زلزلے میں ڈالے گئے۔

تشریح وتفسیر

اس آیت میں خطاب اگرچہ ان مومنین کیلئے ہے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ومعیت کا شرف حاصل تھا مگر چونکہ قاعدہ مقررہ یہی ہے کہ عام الفاظ کا پہلو مدِنظر رکھتے ہوئے وہ حکم عام حالات کیلئے مانا جاتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام کو انھیں حکم دیا جارہا ہے کہ اے ایمان والو! اللہ تعالےٰ کی اس نعمت کو یاد کرو (یعنی اسے یاد کرکے اس پر شکر بھی ادا کرو) جب کفار کے بہت سے گروہ اور بہت سے لشکر مل کر تم پر حملہ آور ہوئے تھے اور ان سب نے باہم یہ طے کرلیا کہ تم لوگوں کو دنیا سے بالکل ہی ختم کردیں گے اس مقصد کیلئے کفارِ قریش بنواسد وغطفان اور بنو قریظہ کے یہود یہ سب اکٹھے اور مجتمع ہوکر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے ان کا ارادہ یہی تھا کہ دنیا سے اسلام اور اہلِ اسلام سب ہی کو ختم کردیا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی اور ان کے ان لشکروں کے مقابلہ میں اپنے فرشتوں کے لشکر میدانِ جنگ میں بھیجدیئے جنھیں تم لوگ عام طور پر دیکھ نہیں سکے (مگر بعض حضراتِ صحابہ نے انھیں دیکھا بھی تھا جیسا کہ روایات میں آتا ہے) اگر خدانخواستہ ان کافروں کا منصوبہ پورا ہوجاتا اور حاکم مدین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کو کچھ ہوجاتا تو یہ دینِ اسلام اللہ تعالیٰ کی یہ عظیم نعمت ہم لوگوں تک کیسے پہنچتی اس لئے اس غزوۂ احزاب (غزوۂ خندق) میں اسلام واہلِ اسلام کی فتح اور کامیابی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اور اس کامیابی کے حاصل ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کی جو نصرت ومدد ہوئی وہ بھی نعمت تھی ان سب نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے اسلام اور اہلِ اسلام کو ایسے بڑے خطرے سے نکال دیا جب حیی بن اخطب یہودی اس ذلت کا انتقام لینا چاہتا تھا کہ اسے اہلِ اسلام نے مدینہ سے شہر بدر کردیا تھا اس کے ساتھ کفارِ قریش کا لشکر بھی مدد کیلئے آگیا تھا اس وقت اللہ نے ان پر آندھی اور ایسے لشکر بھیجدیئے جنھیں تم نے بھی عام طور پر دیکھا نہیں تھا — یہ صورتِ حال اسوقت ہوئی تھی جب اہلِ اسلام بالکل گھر گئے تھے ان کے پیچھے سلع نامی پہاڑی تھی اور سامنے خندق تھی یہ محاصرہ کی شکل پندرہ دن تک رہی کہ اللہ تعالیٰ نے تیز ہوا

آندھی ان پر بھیجدی جس نے ان کے ساتھ عجب معاملہ کیا ان کے چولھوں کی آگ بجھ گئی، کھانے کی ہانڈیاں چولھوں پر سے پلٹ پلٹ کر اوندھ گئیں، خیموں کی طنابیں اور چوبیں اکھڑ اکھڑ گئیں اور وہ میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگنے پر خود بخود مجبور ہوگئے اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا بھی ایک لشکر بھیجدیا جنھیں دیکھ کر وہ کفار سب ڈر گئے اور گھبرا گئے اور اپنے ہوش وحواس ہی کھو بیٹھے اب انکی سمجھ میں کوئی تدبیر ہی نہیں آرہی تھی مجبور ہوکر ناکامی وذلت کا دامن گھسیٹتے ہوئے اپنا سا منھ لئے واپس لوٹ گئے۔

اللہ تعالیٰ یہ بھی فرمارہے کہ اے اہلِ اسلام اس موقع پر تم لوگ جو کچھ کررہے تھے مثلاً جنگ کی تدبیر کے طور پر خندق کھود رہے تھے اسے دیکھ کر کفار جو فقرے بازی کررہے تھے اللہ تعالےٰ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس غزوۂ احزاب (غزوۂ خندق) کی ایک تصویر کشی اور فرمائی ہے وہ یہ کہ غزوۂ احزاب میں قبیلۂ غطفان واسد ابتداءً شریک نہیں تھے مگر یہودیوں نے بہت کوشش اور اصرار کے بعد انھیں بھی شریک کرلیا تھا چنانچہ یہ دونوں قبیلے اپنے سردار عیینہ بن حصن کو زیر قیادت بعد میں آکر شریک ہوئے تھے اس لئے ایک فریق جو پہلے سے تھا اسے اللہ تعالیٰ نے جانب اسفل کا فریق فرمایا ہے اور بنو غطفان اور بنو اسد کو جانب فریق سے آنے والا فرمایا ہے۔ جب وہ لوگ بجانب مشرق اوپر کیطرف سے تم پر حملہ آور ہوئے تھے اور دوسرے لوگ جانب اسفل سے آئے تھے جانب اسفل سے آنے والے بنو کنانہ اور قریش مکہ تھے یہ لوگ جنوب مغرب سے آئے تھے۔ قابلِ غور ہے اللہ تعالیٰ کی میدانِ جنگ کی یہ تصویر کشی کہ آنکھوں میں صورت جنگ کا پورا نقشہ پھر جاتا ہے سبحان اللہ العلیم الخبیر المصور اہلِ اسلام کے غازیوں اور مجاہدوں کی صورت حال اس طرح بیان فرمائی ہے کہ جب شدتِ ہول وخوف سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے۔

اہلِ اسلام کا اہلِ کفر سے یہ مقابلہ بہت سخت تھا کفار اپنی تعداد اور اپنے سازوسامان کے لحاظ سے بہت زیادہ تھے، مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور

سامانِ جنگ بھی پوری طرح مہیا نہ تھا، موسم شدید سردی کا تھا کہ دانت کی بتیسی منہ میں بجتی رہتی تھی لیکن یہ حالت جملہ اسلام کی نہ تھی کچھ بوڑھے ضعیف اور کمزور لوگ بہ ہر حال ایسے بھی تھے، ایسے ہی لوگوں کے پیشِ نظر یہ جملہ بھی فرمایا گیا کہ اس وقت تم لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیسے کیسے خیال قائم کرنے لگے تھے کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ اب کیا کرتے ہیں اہلِ اسلام کی نصرت و مدد فرماتے ہیں یا انھیں شکست و ہزیمت سے دوچار ہونا پڑتا ہے اہلِ اسلام صحیح و سالم بچتے ہیں یا ہلاک ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اسوقت اہلِ اسلام جن خیالات میں غلطاں تھے ان کی عجیب و غریب اور بہترین تصویر کشی فرمائی ہے جو حرف بحرف مطابقِ واقعہ ہے اس وقت اہلِ اسلام انھیں خیالات میں غلطاں و پیچاں تھے۔

تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے حقیقتِ حال سے پردہ اٹھا دیا کہ یہ جو کچھ بھی تھا اللہ تعالیٰ کیطرف سے اہلِ ایمان کا امتحان تھا کہ ان کا ہم پر ایمان کتنا سچا اور کتنا پکا ہے؟ ان کا اطمینان و اعتماد ظاہری قوت و شوکت پر ہے یا ہماری نصرت و حمایت پر ہے یہ لوگ ایسے ہول و خوف کے وقت بھی ہم سے لو لگائے ہوئے ہیں یا کہیں مایوس تو نہیں ہو گئے ہیں۔ جو لوگ صادق الایمان قوی الاعتقاد ہوں گے وہ ان جھٹکوں سے گھبرا کر مایوس نہ ہوں گے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ مختلف اسباب کی بنا پر اہل ایمان کو اس وقت بڑے جھٹکے لگ گئے تھے دشمن اپنی تعداد اور ساز و سامان کے لحاظ سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ مسلمان تعداد میں بھی کم تھے اور کمزور بھی تھے۔ بڑی تعداد غلہ کی کمیابی کیوجہ سے شکم سیری سے محروم تھی۔ خندق اور پہاڑی کے بیچ میں یہ لوگ محصور سے ہو کر رہ گئے تھے۔ سخت قسم کی سردی پڑ رہی تھی ان کے پاس سردی سے محفوظ رہنے کیلئے کپڑے اور کمبل وغیرہ بھی مہیا نہ تھے اور عین جنگ کے موقع پر منافقین بنی قریظہ نے عہد شکنی کر دی تھی اور کفار کے ساتھ مل کر دل میں چھپا ہوا کفر ظاہر کر دیا تھا اس قسم کے مختلف اسباب کیوجہ سے صورت حال ایسی ہی ہو گئی تھی کہ اس وقت ان کا گھبرا جانا بالکل تقاضائے فطرت تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر ان نعمتوں کی یاد دہانی کرا کے شکر گذاری کیطرف متوجہ فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کی بندوں پر بے شمار نعمتیں ہیں جن کا شکر بھی بے شمار ہی ہونا چاہئے اور اس شکر کیلئے یہ بات ضروری ہے کہ آدمی ہر نعمت سے اور نعمت دینے والے سے بھی واقف ہو اور اسے پہچاننے کے بعد زبان و دل سے اس کا شکر ادا کرتا رہے، شکر کرنے سے نعمت میں زیادتی ہوتی ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

◆

اکسٹھویں (۶۱) ندا

صبح وشام تسبیح وذکر کے حکم میں اور اس پر حق تعالیٰ کیطرف سے اجر وثواب ملنے کے بیان میں

◉

سورۃ الاحزاب (آیات ۴۱ تا ۴۴)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَّسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا تَحِیَّتُھُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ وَّاَعَدَّ لَھُمْ اَجْرًا کَرِیْمًا

اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو اور صبح شام اس کی تسبیح وتقدیس کرتے رہو وہی ذات تو ہے جو خود بھی اور اسکے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں تاکہ (اس رحمت کی بدولت) اللہ تعالیٰ تم کو تاریکی سے (نکال کر) روشنی میں لے آئیں اور وہ اہل ایمان پر بہت مہربان ہے چنانچہ جس دن (اہل ایمان) خداتعالیٰ سے ملیں گے تو انھیں جو سلام ہوگا وہ "السلام علیکم" (کے لفظوں سے) ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے (جنت میں) عمدہ صلہ تیار فرما رکھا ہے۔

تشریح وتفسیر آیت مبارکہ کی تشریح کے وقت سب سے پہلے تو یہ بات جان لینی چاہئے کہ اس آیت میں بارگاہِ رحمان سے اہلِ ایمان

کو یہ جو ندا دی جارہی ہے یہ ایسی ندا ہے جو ہمارے مہربان پروردگار کیطرف سے ہے جسکے ذریعہ وہ تمام سچے اہلِ ایمان کی توجہ اپنی طرف پھیرنا چاہتا ہے اور انھیں وہ بات بتانا چاہتا ہے جس کے ذریعہ ان کے ایمان اور نور ایمان میں ترقی واضافہ ہو جائے اور جس کیوجہ سے وہ اپنے اور اپنے باپ (حضرت آدم علیہ السلام) کے پرانے دشمن ابلیس لعین سے اپنی حفاظت کرسکیں۔ تو اب سمجھے کہ وہ چیز جس کے ذریعہ آپ اپنے نور ایمان میں اضافہ اور اپنے دشمن سے اپنی حفاظت کرسکتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا" اے ایمان والو! اللہ کا ذکر خوب کثرت سے کیا کرو۔" یہ کثرت اتنی ہو کہ اس کی کوئی حد اور گنتی نہ ہو۔ یہ ذکر اللہ ہی تو ہے جس سے ہمیں اپنی روحانی زندگی میں قوت وطاقت اور مدد ملتی ہے۔

نیز ارشاد فرمایا "وَسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا" اور صبح شام اس کی تسبیح وتقدیس کرتے رہا کرو۔"

آیتِ شریفہ میں تسبیح وتقدیس کیلئے دو وقت خصوصیت کے ساتھ ذکر کئے ہیں "بُکْرَۃً" اور "اَصِیْلًا" صبح صادق سے لیکر چاشت کے وقت (یعنی تقریباً دس بجے) تک کا وقت عربی میں "بکرہ" کہا جاتا ہے اور زوالِ آفتاب کے بعد سے لیکر غروبِ آفتاب تک کا وقت "اصیل" کہلاتا ہے۔

تسبیح وتقدیس کی تشریح وتوضیح کیلئے ہمیں حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر نظر کرنی ہوگی۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے متعدد قسم کی تسبیحات بیان فرمائی ہیں مثلاً ایک تسبیح آپ نے یہ بیان فرمائی کہ "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ" سو بار پڑھا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص سو بار یہ تسبیح پڑھ لے اس کے پچھلے گناہ (صغیرہ) معاف ہو جاتے ہیں۔ کوئی شخص یہ تسبیح اگر بعد نماز فجر یا بعد نماز عصر پڑھ لے گا تو وہ اس اجر وثواب کا مستحق ہو جائے گا یعنی اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور یہ گناہوں کی معافی بذات خود کتنا عظیم اجر ہے۔

اور ایک تسبیح یہ بیان فرمائی کہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ

لَہٗ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" سو مرتبہ اور حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہ ذکر کرے گا (یہ تسبیح پڑھے گا) تو اسے ایسا ثواب ملے گا جیسے اس نے دس غلام آزاد کردیئے ہوں اور اس کے نامۂ اعمال میں سَو نیکیاں لکھ لی جائیں گی اور سو گناہ نامہ اعمال سے کم کردیئے جائیں گے اور وہ اس تمام دن شیطان سے محفوظ رہے گا اور اتنا ثواب اس کے علاوہ صرف اسی شخص کو ملے گا جس نے یہ ورد ادا کیا ہوگا۔

اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پنجوقتہ نمازوں کے بعد کیلئے ایک تسبیح بیان فرمائی ہے کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر یہ کل ۹۹ تسبیحات ہوئیں ان کے خاتمہ پر ایک بار یہ پڑھے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ ذکر اللہ اور تسبیح کی فضیلت کا اندازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف سے بھی ہوتا ہے "آپ نے حضرات صحابہ کو مخاطب فرماتے ہوئے دریافت فرمایا کہ کیا میں تم لوگوں کو ایک ایسے بہترین عمل کی خبر نہ دوں جو خدا تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ اور خیر سے بھرا ہوا ہو جس سے تمہارے درجے بلند ہوں اور جو تمہارے لئے اس سے زیادہ بڑھکر ہو کہ تمہیں سونا چاندی دیدیا جائے اور اس سے بھی زیادہ بہتر ہو کہ دشمن سے مقابلہ کے وقت تم انھیں قتل کرو اور وہ تمہیں شہید کریں"

حضرات صحابہ نے بڑے اشتیاق کے ساتھ جواب میں کہا یا رسول اللہ! ایسا کون سا عمل ہے جو اتنی فضیلت رکھتا ہے؟

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا مختصر جواب تھا وہ افضل ترین عمل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

مندرجہ بالا نداء کی تیسری خاص چیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ۝	وہ خدا ایسا ہے جو خود (بھی) اور اس کے حکم سے) اسکے فرشتے (بھی) تم پر رحمت بھیجتے اور دعاء رحمت کرتے رہتے ہیں تاکہ اسکی بدولت تمکو (گمراہی وجہالت کی) تاریکیوں سے (علم وہدایت کی) روشنی کیطرف لے آئے (اور یہ کیوں نہ ہو) اللہ تعالیٰ تو اہلِ ایمان پر مہربان ہی ہیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے حق میں "یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ" اور "ملٰئکتہٗ" کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں اس کے متعلق کچھ توضیح وتشریح ضروری ہے

اہلِ ایمان کے حق میں اللہ تعالیٰ کا صلوٰۃ بھیجنا یہ ہے کہ وہ اپنے فرشتوں کے سامنے اہلِ ایمان کا ذکر بالخیر فرماتا ہے انکی تعریف کرتا ہے اور اپنی وسیع رحمت ان پر مبذول فرماتا ہے۔ اور فرشتوں کا صلوٰۃ ودرود بھیجنا یہ ہے کہ وہ اہلِ ایمان کے حق میں استغفار اور دعاء خیر کرتے رہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے حاملین عرش کے بارے میں سورۂ مومن (غافر) میں ارشاد فرمایا ہے۔

اَنَّھُمْ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	وہ فرشتے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کیلئے استغفار کیا کرتے رہتے ہیں۔

آیت مذکورہ بالا میں اللہ تعالیٰ اپنے اور فرشتوں کے "صلوٰۃ" بر مومنین کی غرض بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے اہلِ ایمان پر صلوٰۃ اس لئے بھیجتے ہیں کہ:

لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ۔	اسکی وجہ سے اے اہلِ ایمان وہ تم کو گمراہی ونادانی کی تاریکی سے نکال کر علم وعرفان کی حقیقی روشنی تک پہنچادے۔

یعنی کفر وشرک کی گمراہی اور معصیت وگناہ کی تاریکی سے نکال کر ایمان واطاعت عطا فرماتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتوں کی یہ صلوٰۃ: دعاء رحمت واستغفار ہی اہلِ ایمان کے لئے گمراہی سے نکلنے کا اصل سبب ہے اسی کے ذریعہ اہلِ ایمان اپنی دنیاوی زندگی کی ہلاکت خیزیوں سے نجات پاکر کامران وکامیاب ہوتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی ارشاد ہوتا ہے:

وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا	اور (اللہ تعالیٰ) اہلِ ایمان پر مہربان ہیں

یہ ارشاد فرمانا بھی اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہی ہے اس ارشاد سے مقصود یہ اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ اہل ایمان پر مہربان ہیں اسلئے انھیں اپنی رحمت سے محروم نہ فرمائیں گے۔ انھیں مبتلائے عذاب نہ فرمائیں گے۔ انھیں نہ تو دنیا میں

ذلیل و رسوا کریں گے نہ آخرت میں انھیں شرمندہ و شرمسار کریں گے۔

اس نداء مبارک میں اللہ تعالٰی نے اہل ایمان کو ایک عظیم خوشخبری بھی دی ہے وہ یہ کہ آخرت میں اللہ تعالےٰ جملہ اہلِ ایمان کو بذاتِ خود سلام فرمائیں گے۔ فرماتے ہیں:

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلَامٌ

اہلِ ایمان جس دن اللہ تعالٰی سے شرف لقاء حاصل کرینگے انکا سلام اس دن لفظ السّلام ہی کیساتھ ہوگا

اس کی تفصیل متعدد صورتوں میں سامنے آئیگی۔ ایک صورت تو یہ ہوگی کہ ملک الموت جب اہلِ ایمان کی روح قبض کرنے آئینگے تو قبضِ روح سے پہلے مومن کو سلام کرینگے اس کے بعد روح قبض کرینگے (قبض روح سے پہلے یہ سلام دعائے سلامت تو ہے ہی اس کے ساتھ ساتھ شاید یہ رعایت بھی ملحوظ ہو گی کہ سلام کیوجہ سے مومن ملک الموت سے مانوس بھی ہو جائے گا اور کوئی اجنبیت محسوس نہ کرے گا) چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اس آیت "تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلَامٌ" کی تفسیر میں یہ روایت مروی ہے کہ ملک الموت قبض روح کے وقت مومن کو سلام کریں گے اور اس کی روح اس وقت تک قبض نہ کریں گے جب تک اسے سلام نہ کرلیں گے۔ اور یہ بات بھی حدیث شریف سے معلوم ہوتی ہے کہ فرشتے جنت میں آپس میں جو سلام کرتے ہیں وہ بھی "السّلام" کے ساتھ ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ

اور (جنت میں) فرشتے ہر دروازہ جنت سے یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے کہ تم لوگوں کو اپنے صبر کیوجہ سے یہاں سلامتی ہی سلامتی ہے۔

بلکہ جنت میں تو خود حضرت رحمان جل جلالہٗ اہل جنت کو سلام فرمائیں گے چنانچہ سورۂ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ○

ان (اہلِ جنت) کیلئے جنت میں (ہر طرح کے) میوے ہوں گے اور جو کچھ وہ چاہیں گے انکو مل جائے گا اور مہربان پروردگار کیطرف سے انھیں سلام فرمایا جائیگا۔

یہ سلام اہلِ ایمان کے لئے امن و سلامتی کا گویا اعلان ہوگا کہ اب تمہیں ہر قسم کے رنج و غم اور خوف و خطرہ سے پوری طرح امن و سلامتی رہے گی کیونکہ اہل جنت کو کسی قسم کا نہ خوف ہوگا نہ رنج و غم ہوگا وہ تو اولیاء اللہ ہیں جن کے لئے اعلان کیا جا چکا ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

یہ بات صاف صاف سن لو کہ اولیاء اللہ کو نہ تو کوئی خوف ہوگا نہ ہی انھیں کوئی رنج و غم ہوگا۔

اس نداء مبارک کو اللہ تعالٰی نے ایک بڑی خوشخبری پر یوں ختم فرمایا ہے ارشاد فرمایا

وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا۔

یعنی اللہ تعالٰی نے ان اہلِ ایمان کیلئے عمدہ عزت و اکرام کا صلہ و بدلہ مہیا و تیار فرما رکھا ہے جو بشکل جنت انھیں ملے گا، واہ! سبحان اللہ! اہل ایمان کا یہ کیسا زبردست اکرام ہے اور یہ اہلِ ایمان حضرات مومنین کی کیسی کچھ سعادتمندی و خوش قسمتی ہے۔

اہلِ ایمان کے ایمان ہی کی یہ فضیلت و برکت ہے کہ اللہ تعالٰی نے ان سے اپنے ذکر کی کثرت اور صبح و شام کی تسبیح و تقدیس کی خود فرمائش کر دی تاکہ اس فرمائش کی تعمیل کر کے ایسے عظیم اجر و ثواب کے مستحق ہو سکیں۔

تفصیل میں اصل بات بہت پھیل گئی ہے اس کا مختصر خلاصہ ذہن نشین کرنے کے لئے یہ چند باتیں یاد رکھی جائیں۔

۱ــــ پہلی بات تو یہ ہے کہ اہلِ ایمان کے لئے ضروری ہے کہ صبح و شام دن رات وہ اپنے دل و زبان سے اللہ تعالےٰ کے ذکر میں مشغول رہے یہ مشغولی زبان سے بھی ہو اور دل سے بھی ہو لیکن اتنی بات یہ بھی ملحوظ رہے کہ قضائے حاجت بشری کے وقت زبان سے ذکر اللہ نہ کیا جائے۔

۲ــــ اس نداء مبارک میں اللہ تعالٰی نے اہلِ ایمان کی یہ فضیلت بیان فرمائی ہے کہ خود حق تعالٰی اور اس کے حکم سے اس کے فرشتے اہلِ ایمان پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں (جسکی تفصیل اوپر آچکی ہے)

۳ــــ تیسری خاص بات یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے اس نداء کے ذریعہ عقیدۂ بعث و آخرت کی یاد دہانی بھی فرما دی ہے جو اہلِ ایمان کا ایک بنیادی عقیدہ ہے، یہ یاد دہانی تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلَامٌ فرما کر کی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کا یہ دیدار اور بوقتِ دیدار

یہ سلام کامل طور پر روزِ قیامت ہی میں ہو گا۔

۴ چوتھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نداء میں جملہ اہلِ ایمان کو مژدۂ جنت دیا ہے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں بھی یہ مژدہ یوں دیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝

بیشک جن لوگوں نے یہ کہدیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اپنے اس قول پر) ثابت قدم رہے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) تم کوئی خوف اور غم نہ کرو اور اس جنت کی خوش خبری حاصل کرو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ان اہلِ ایمان و اہلِ تقویٰ سے بنائے جنھیں دنیا و آخرت میں مژدۂ جنت دیا جاتا ہے۔ آمین

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

باسٹھویں ۶۲ نداء

اس بیان میں کہ زن و شوہر میں تنہائی و یکجائی سے پہلے ہی اگر طلاق ہو جائے تو عدت نہیں ہے اور یہ کہ اس صورت میں اگر بوقتِ نکاح مہر کا ذکر ہی نہیں ہوا تھا عورت کو مہر کی بجائے متعہ یعنی شوہر کی حیثیت کے مطابق کوئی چیز دیدی جائیگی

* * *

سورۃ الاحزاب
آیت (۴۹)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۝

اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر انھیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی انھیں طلاق دیدو تو پھر تمہاری کوئی عدت ان پر (واجب) نہیں جسے تم شمار کرنے لگو لہٰذا (بس اتنا کرو کہ) انھیں کچھ (مال یا سامان) دیکر خوبی کے ساتھ انھیں (اپنے گھر سے) رخصت کر دو

تشریح و تفسیر

اس آیت شریفہ کی تفسیر و تشریح پر نظر کرنے والے کو یہ بات معلوم رہنی چاہئے کہ اہلِ ایمان کو یہ نداء رحمانی صرف اسی وجہ سے دی جا رہی ہے کہ یہ اہلِ ایمان اللہ تعالےٰ کو اپنا رب اور دینِ اسلام کو اپنا دین مانتے ہیں جسکے سوا کوئی دوسرا دین اللہ تعالےٰ کے یہاں مقبول ہی نہیں ہے کیوں کہ صرف

یہی ایک دین ہے جو عدل و رحم سے بھرے ہوئے احکام و قوانین پر مشتمل ہے اور یہ اہلِ ایمان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی و رسول بلکہ خاتم الانبیاء مانتے ہیں جو تمام دنیائے انسانیت کیلئے مبعوث ہوئے ہیں ان کے بعد کوئی بھی رسول و نبی نہ آئے گا۔

ایسے ہی اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ نے اس نداء کے ذریعہ مخاطب فرمایا ہے اور انھیں اپنی شریعت کے احکام میں سے ایک حکم کی تعلیم دی ہے وہ حکم یہ ہے کہ:

جو شخص اپنی منکوحہ شرعی بیوی کو مباشرت و خلوتِ صحیحہ سے پہلے ہی طلاق دیدے تو اس کے لئے یہ اب حق نہیں ہے کہ وہ اس عورت سے عدت کے دن بھی پورے کرائے بلکہ اس کے ذمہ صرف یہ ہے کہ وہ عورت کو کچھ مال یا کچھ سامان دیکر حسنِ سلوک کے ساتھ اپنے گھر سے رخصت کردے۔ ایسی عورت پر (جسے خلوت و مباشرت سے پہلے ہی طلاق دیدی گئی ہو) کوئی بھی عدت نہیں ہے۔ کیونکہ عدت کا وجوب اسی وجہ سے ہے کہ عدت کے درمیان یہ بات متعین ہو جائیگی کہ عورت کو حمل ہے یا نہیں؟

ظاہر ہے کہ حمل کے بارے میں اس اطمینان کی ضرورت اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ زوجین میں خلوت و تنہائی ہو چکی ہو اور زیرِ بحث صورت میں چونکہ ان کے درمیان تنہائی و خلوت نہیں ہوئی ہے اسلئے حمل کا امکان بھی نہیں ہے، جب حمل کا امکان ہی نہ رہا تو عورت پر عدت بھی واجب نہ ہوگی۔ یہی حکم اس آیتِ شریفہ میں بتایا گیا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ۔	اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو۔

عربی زبان میں نکاح کا لفظ عقدِ نکاح کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور نکاح کے بعد ہونیوالی مباشرت و ہمبستری کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور قرآن مجید میں زیادہ تر ایسے عام مفہوم کیلئے استعمال ہوا ہے جس میں عقد نکاح اور مباشرت دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں لیکن اس آیت میں لفظ نکاح صرف عقد نکاح ہی کے معنے میں استعمال ہوا ہے یہاں یہی معنیٰ ہوں گے کہ اے ایمان والو جب تم مسلمان عورتوں سے عقد نکاح کرو اور خلوت و مباشرت سے پہلے انھیں طلاق دیدو۔

آیتِ شریفہ میں منکوحہ عورت کیلئے "مومنات" کا لفظ عام صورت حال کے پیش نظر بیان کیا گیا ہے ورنہ یہی حکم کتابیہ (اہلِ کتاب عورت) کا بھی ہے اگر کتابیہ کو خلوت و مباشرت سے پہلے طلاق دیدی جائے تو جو احکام مومن عورت کے لئے بیان ہوتے ہیں وہی احکام کتابیہ کیلئے بھی رہیں گے (آج کل کی اہلِ کتاب عورتوں کے متعلق احکام کسی معتبر عالم و مفتی سے دریافت کر کے عمل کریں)

آیتِ شریفہ میں یہ جو ارشاد فرمایا گیا کہ "ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ" (تم انھیں خلوتِ صحیحہ یا مباشرت سے پہلے ہی طلاق دے دو) آیت شریفہ میں مباشرت کیلئے بطور کنایہ "مَسّ" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے لفظی معنیٰ ہاتھ لگانے اور چھونے کے ہیں لیکن کنایہ کے طور پر یہ لفظ مباشرت کے معنیٰ میں بھی بولا جاتا ہے یہاں مباشرت ہی کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے مراد یہی ہے کہ تم ان سے مجامعت و مباشرت یا خلوت صحیحہ ہونے سے پہلے ہی طلاق دیدو۔

طلاق سے مطلب یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے یوں کہدے "اَنْتِ طَالِقٌ" (تجھکو طلاق ہے) یا "لَقَدْ طَلَّقْتُكِ" (میں نے تجھکو طلاق دیدی) یہ الفاظ تو صریح لفظ کے ہیں بعض دوسرے الفاظ بطور کنایہ طلاق کیلئے بولے جاتے ہیں مثلاً شوہر کہے "اِلْحَقِيْ بِاَهْلِكِ" (اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا) اور یہ کہتے ہوئے وہ پختہ طور پر طلاق ہی کی نیت کئے ہوئے ہو تو اس سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی اس قسم کی طلاق کو طلاق کنایہ کہتے ہیں ایسے الفاظ سے طلاق دینے کیلئے دل میں طلاق کی نیت و ارادہ بھی ہونا چاہئے طلاق کی نیت نہ ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

طلاق کی پہلی صورت جو مذکور ہوئی (اَنْتِ طَالِقٌ یا لَقَدْ طَلَّقْتُكِ) یہ طلاقِ صریح کہلاتی ہے اس میں نیت ہونیکی شرط و قید نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص بیوی سے یوں ہی کہہ دیتا ہے "اَنْتِ طَالِقٌ" اور اس کی نیت طلاق کی بالکل بھی نہیں ہے تو بھی طلاق پڑ جائے گی چاہے وہ یہ بھی کہے کہ میں تو یوں ہی مذاق میں کہہ رہا تھا پھر بھی عورت مطلقہ ہو جائیگی۔

حدیث شریف میں یہی حکم بیان کیا گیا ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ اَلطَّلَاقُ وَالْعِتَاقُ وَالرَّجْعَةُ	تین چیزیں ہیں جو سچ مچ میں بھی سچ مچ ہیں اور مذاق میں بھی سچ مچ مانی جاتی ہیں۔ طلاق، غلام کو آزاد کرنا اور رجعت کرنا۔

اس موقع پر اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہی ہے کہ:

فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا۔	تو پھر تمہاری کوئی عدت ان پر نہیں جسے تم شمار کرو۔

مرد کو یہ حق بالکل نہیں ہے کہ وہ مطلقہ عورت سے جسے اس نے خلوتِ صحیحہ سے پہلے ہی طلاق دیدی ہے کسی عدت کا مطالبہ کرے نہ ایک دن کی عدت نہ ایک مہینہ کی عدت، کسی قسم اور کتنی ہی مدت کی عدت کا مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ اوپر یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ عدت کی علت وغرض حمل ہی ہے تو جس عورت کے ساتھ خلوتِ صحیحہ بھی نہ ہوئی ہو اس کے لئے حمل کی بات تو سوچی بھی نہیں جا سکتی لہٰذا ایسی عورت تو طلاق ہی کے روز دوسری شادی کر سکتی ہے اس کے لئے اس میں مطلق حرج نہیں ہے۔

ایسی عورت کا ایک دوسرا حکم اللہ تعالےٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وَمَتِّعُوْهُنَّ (یعنی ایسی عورتوں کو کچھ مال یا کوئی سامان دیدیا کرو)

شریعت میں اس مال وسامان کو متعہ کہتے ہیں جس کا مطلب یہی ہے کہ مرد اپنی حیثیت و وسعت کے مطابق اسے کچھ مال وسامان دیدے اگر مرد مالدار ہے تو اس حیثیت کیمطابق دے اور اگر تنگدست وغریب ہے تو اس لحاظ سے دے اس متعہ کی تعیین قاضی کرے گا اگر باہم رضامندی سے متعہ کی تعیین نہیں ہوتی ہے۔

اور ایسی عورت کو (جسے خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دیدی گئی ہو) متعہ دینا اسوقت واجب ہے جب بوقت نکاح مہر مقرر نہ ہوا ہو، اور اگر نکاح کے وقت کوئی مقرر ہو چکا تھا اور خلوت سے پہلے ہی طلاق ہو گئی تو عورت کو نصف مہر دیا جائے گا جیساکہ اللہ تعالےٰ نے سورۂ بقرہ میں بیان فرمادیا ہے:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّا اَنْ يَّعْفُوْنَ	اور تم جب اپنی بیبیوں کو خلوت ومباشرت سے پہلے ہی طلاق دیدو دراں حالیکہ تم ان کیلئے کوئی مہر مقرر کر چکے تھے تو جو مقدار مقرر کی ہے اسکا نصف ادا کرو مگر ہاں یہ کہ وہ عورتیں معاف کر دیں۔

یعنی وہ عورتیں از خود نصف مہر سے کم کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی ذمہ داری ہے یعنی شوہر از خود پورا مہر اپنے ذمہ قبول کرلے تو پھر پورا ہی مہر دیا جائے۔

آیتِ شریفہ میں آخری حکم یہ دیا گیا ہے۔

وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا (خوبی کے ساتھ انھیں اپنے گھر سے رخصت کردو) انھیں چھوڑ دو کہ وہ ماں باپ اور عزیز واقارب میں جہاں چاہیں جا سکیں ان کا راستہ نہ روکو نہ انھیں کوئی تکلیف دو۔ اور جو شخص اپنی مطلقہ عورت کو بری طرح گھر سے نکالے جیسے اسے گالی دیکر یا شرم وعار دلاتے ہوئے نکالے یا اس کا مہر روک لے جبکہ مہر مقرر رہا ہو یا اسے متعہ نہ دے جبکہ مہر مقرر نہ رہا ہو تو یہ سب صورتیں معصیت کی ہیں اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے اس پر توبہ کرنا واجب ہے، یہ شخص تو صاحبِ ایمان ہے صاحبِ ایمان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ومخالفت نہیں کرتا ہے۔

آخر میں اب ان احکام کا خلاصہ ذہن نشین کرلیں جو اس ندائے الٰہی میں اہلِ ایمان کو بتلائے گئے ہیں۔

۱ —— خلوتِ صحیحہ سے پہلے بھی طلاق دینا شرعاً درست ہے۔

۲ —— خلوتِ صحیحہ سے پہلے ہی طلاق پانے والی عورت پر کسی صورت میں بھی عدت نہیں ہے وہ اسی روز دوسرا نکاح کر سکتی ہے اس میں کوئی حرج ومضائقہ نہیں ہے۔

۳ —— رخصتی سے پہلے طلاق کی صورت میں اگر مہر مقرر تھا تو نصف مہر واجب ہوگا اور اگر اس معاملہ میں دونوں متفق نہ ہوں تو قاضی فیصلہ کرے گا۔

۴ —— طلاق ہو جانے کے بعد عورت کو نہ روکا جائے نہ پریشان کیا جائے اب اسے تکلیف دینا اور ستانا حرام ہے۔

۵ —— متعہ دینا ہر مطلقہ کیلئے مشروع ہے لیکن جس عورت کا مہر مقرر نہ ہوا ہو اسکے لئے متعہ کی ادائیگی واجب ہے۔

۶ —— عدت کی تفصیل یوں ہے کہ جس عورت کو حیض آتا ہے اسکی عدت طلاق تین ماہواری ہے اور طلاق کا وقتِ مسنون زمانہ طہر ہے جس میں ہمبستری نہ ہوئی ہو۔ اور جس عورت کو کم سنی یا زیادہ عمر ہو جانے کیوجہ سے حیض نہ آتا ہو اسکی عدت تین مہینے ہوگی اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل (بچہ کی ولادت) پر ختم ہو جائیگی۔ اور شوہر کی وفات کی عدت حاملہ کیلئے وضع حمل اور غیر حاملہ کیلئے چار مہینے دس دن ہیں۔ حسن سلوک بہرحال قابلِ تعریف ہے اللہ تعالےٰ حسن سلوک کرنیوالوں سے محبت فرماتے ہیں۔ (وَاٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین)

تریسٹھویں ۶۳ ندا،

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام واجب ہے آپ کو ذراسی تکلیف پہنچانا حرام ہے، آپکی وفات کے بعد ازواج مطہرات سے نکاح حرام ہے

◉

سُوْرَۃُ الاحزاب
آیت (۵۲)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا
بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ
اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰهُ وَلٰكِنْ اِذَا
دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا
وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ
یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا
یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ
مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ
ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ
وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا

اے ایمان والو! نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھروں میں (بے بلائے) نہ جایا کرو مگر جس وقت تمکو کھانے کیلئے (آنیکی) اجازت دیدی جائے اس طرح داخل ہو کہ تم ان کے برتن نہ دیکھتے جاؤ جب بلائے جاؤ تو جاؤ پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے بیٹھ نہ جاؤ اس بات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری اور تکلیف ہوتی ہے وہ تو تمہارا لحاظ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے میں لحاظ نہیں فرماتے اور جب ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر کھڑے ہو کر مانگا کرو یہ بات تمہارے دلوں اور انکے دلوں

رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ
مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ
كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا ۝

کے پاک رہنے کا ذریعہ ہے اور تم کو کسی معاملہ میں بھی یہ جائز نہیں کہ رسول اللہ کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ آپ کے بعد آپکی ازواج سے کبھی بھی نکاح کرسکو اور یہ بات خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑی بھاری معصیت ہے۔

تشریح وتفسیر

ان آیات میں معاشرت کے بعض آداب بتائے گئے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے آداب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے آداب۔ ان سے پردہ کا حکم بتایا گیا ہے ان کے ساتھ نکاح کی حرمت دائمی بتائی گئی ہے ان امور کو نمبروار مختصراً ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔

۱ — آیت حجاب (پردہ کا حکم آنے) سے پہلے یہ طریقہ تھا کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ میں چلے جایا کرتے تھے، ایک موقع پر لوگ کچھ زیادہ دیر تک اندر بیٹھ گئے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی مگر آپ اخلاقاً ان سے کچھ فرما نہ سکتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ:

اے اہل ایمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں بغیر اجازت داخل نہ ہوا کرو اور اجازت ہونے پر داخل ہو تو ان کے برتن دیکھتے ہوئے داخل نہ ہو کھانا تیار ہونے سے پہلے داخل نہ ہو اور کھانا کھا لینے کے بعد پھر وہاں نہ ٹھہرو باہر نکل آؤ، اپنے گھروں کو چلے جاؤ اپنے کاموں میں لگ جاؤ، کھانا کھانے کے بعد وہاں باتوں میں نہ لگ جاؤ، اس طرح تمہاری بیٹھک لمبی ہو جائیگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت وتکلیف کا سبب بنے گی وہ لحاظ کیوجہ سے تم سے یوں نہ کہہ سکیں گے کہ آپ لوگ اب چلے جائیں اور خود تکلیف اٹھاتے رہیں گے لیکن اللہ تعالےٰ تو حق بات میں کوئی رُو رعایت نہیں کرتا لہٰذا وہ تم لوگوں کو یہ ادب سکھا رہا ہے کہ دعوت وغیرہ کے موقع پر وقت سے پہلے گھر میں نہ داخل ہو اور کھانے کے بعد وہاں سے فوراً منتشر ہو جاؤ۔

۲ — دوسرا ادب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے کوئی دینی بات (دینی مسئلہ یا اور کوئی بات) پوچھنا چاہے یا ان سے کوئی چیز (کھانے

پیسے کی یا اور کچھ) مانگنا چاہے تو پردہ کی اوٹ سے ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس حکم کی وجہ بھی خود ہی بیان فرمادی ہے کہ یہ پسِ پردہ سوال اسلئے ہونا چاہیئے کہ اس صورت میں تمہارے دلوں کی بھی پاکیزگی ہے اور ان ازواج مطہرات کے دلوں کی بھی پاکیزگی ہوگی، کسی قسم کے برے خیالات پیدا ہونے سے پوری احتیاط اور بچاؤ رہے گی کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب کوئی مرد کسی عورت سے یا کوئی عورت کسی مرد سے بات کرتے ہیں تو بے ارادہ ہی ایک تحریک سی ہو جاتی ہے اس تحریک سے نہ تو کوئی مرد خالی ہوتا ہے نہ کوئی عورت۔ اس کا سدباب صرف اسی طرح ہو سکتا ہے۔

۳ —— تیسرا حکم یہ ہے کہ ایسی تمام باتوں سے اجتناب و پرہیز ضروری ہے جو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ اذیت و تکلیف کا سبب ہوں۔

آیت کا قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر "مَا كَانَ لَكُمْ" کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ایذاءِ رسول کی کوئی صورت بھی وقوع پذیر نہ ہو جیسے کوئی محال بات وقوع پذیر نہیں ہوتی ہے اسی طرح اس ایذاء تکلیف کے وقوع کو بھی امر محال ہی کیطرح سمجھو کہ کسی قیمت پر اور کسی صورت بھی اس کا وقوع نہ ہونے پائے اور تم خود ہی سوچو کہ کیا وہ مسلمان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان اپنا مال اپنے اہل غرضکہ سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو گیا اس سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف و اذیت کا سبب بننا گوارا کر سکے گا؟ ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔

۴ —— آیتِ شریفہ کی چوتھی تعلیم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات جو امہات المومنین ہیں ان سے نکاح مسلمانوں کیلئے دائمی طور پر حرام قرار دیدیا گیا ہے آپ کی وفات کے بعد بھی کسی کیلئے جائز نہیں کہ وہ ان سے نکاح کر سکے جس طرح ہر مسلمان کی ماں اس پر حرام ہے۔

چونکہ یہ نکاح بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی و روحانی اذیت و تکلیف کا سبب ہوتا اس لئے اسی موقع پر (جہاں آپ کو ایذاء و تکلیف پہنچانے کی حرمت بیان کی جارہی ہے) یہ حکم بھی بیان کر دیا گیا اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ ایسا کرنا اللہ تعالےٰ کے نزدیک بہت بھاری معصیت ہے جس کی سزا بھی بڑی بھاری ہوگی۔

اسلام میں حجاب و پردہ کے احکام ایک ترتیب و تدریج کے ساتھ آئے ہیں، ان میں پہلی آیت یہی مذکورہ بالا ہے، پردہ کے احکام کی ابتداء اسی آیت سے ہوئی ہے۔

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

* * *

چونسٹھویں ۶۴ ندا

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کا حکم

سورۃ الاحزاب
آیت (۵۶)

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ
عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ٥

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت بھیجتے ہیں اے اہلِ ایمان! تم بھی ان پر رحمت وسلام بھیجا کرو۔

تشریح وتفسیر

اس نداء مبارک کی کرامت وعظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اہلِ ایمان کو جس مہتم بالشان کام کا حکم دینا چاہا ہے اس کا حکم دینے سے پہلے ہی یہ اعلان بھی فرمادیا ہے کہ یہ اس خصوصیت کا حامل ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی اس میں مشغول رہتے ہیں۔

چنانچہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کی نداء سے پہلے یہ ارشاد فرمادیا:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ اس کے بعد اہلِ ایمان کو خطاب فرماکر ارشاد ہوا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ٥ یعنی اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت وسلام کا حکم دینے سے پہلے ہی یہ اعلان واظہار بھی فرمارہے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت بھیجتے ہیں لہٰذا اے اہلِ ایمان تم بھی ان پر رحمت وسلام بھیجا کرو۔

غور تو فرمایئے اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی دیکھئے! فرشتوں کی تقدیس اور انکی طہارت

وپاکیزگی دیکھئے اور یہ دیکھئے کہ اس آیت میں کس طرح ہم اہلِ ایمان کو ان کا ہم شغل بننے کا شرف بخشا جارہا ہے یہ شرف وکرامت ہر قسم کے شرف وکرامت سے کس درجہ بڑھا ہوا ہے اس کا اندازہ لگانا بھی ہمارے آپ کیلئے مشکل ہے بلکہ سچ پوچھئے تو ہم آپکی ذات بابرکات پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے والے کی رفعت وبلندی اور اس کی شرافت وسعادتمندی کا تصور بھی نہیں کرسکتے کیونکہ اس کی صلوٰۃ وسلام کی یہ مشغولی ایک ایسے شغل کی مشغولی ہے جس میں خود خالق کائنات بھی مشغول ہے لہٰذا ہم تو اس کے تصور سے ہی عجز کا اعتراف کرتے ہوئے ان الفاظ میں ہدیۂ درود وسلام پیش کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ مَا ذَکَرَکَ الذّٰکِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِکْرِکَ الْغَافِلُوْنَ (اے اللہ آپ پر رحمت وسلام اس وقت تک بھیجتے رہیئے جب تک آپ کا ذکر کرنیوالے آپ کا ذکر کرتے رہیں اور آپ کے ذکر سے غافل رہنے والے آپ سے غفلت برتتے رہیں)

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ یہاں صلوٰۃ کا ایک لفظ بولا گیا ہے اور وہی ایک لفظ اللہ تعالیٰ کیلئے بھی استعمال ہوا ہے، وہی فرشتوں کیلئے بھی آیا ہے اور اہل ایمان کو بھی اسی کا حکم دیا گیا ہے تو ہر جگہ اس کے معنیٰ ایک ہی ہیں یا الگ الگ ہیں؟ اس سوال کا جواب مندرج ذیل ہے:

۱ ـــــ صَلٰوۃُ اللّٰہِ عَلَی النَّبِیِّ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف فرماکر آپ سے اپنی رضامندی کا اعلان واظہار فرماتا ہے۔

۲ ـــــ صَلٰوۃُ الْمَلٰٓئِکَۃِ عَلَی النَّبِیِّ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فرشتوں کی صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قسم کی دعا اور بخشش کی درخواست کرتے ہیں۔

۳ ـــــ صَلٰوۃُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی النَّبِیِّ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اہلِ ایمان کے صلوٰۃ وسلام کا مطلب آپکی رفعتِ شان کا اعتراف اور اللہ تعالیٰ کے واسطہ سے آپ پر اس کی رحمت کو متوجہ کرنے کی درخواست ہوتی ہے۔

اب ایک دوسرا سوال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا حکم اہلِ ایمان کیلئے کیا درجہ رکھتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا عمر بھر میں ایک بار تو

فرض ہے، اور جب آپ کا ذکر مبارک ہو تو ایک مرتبہ درود پڑھنا واجب ہے اور بار بار ذکر آئے تو درود شریف کا دہرانا مستحب ہے۔

لہٰذا جس شخص نے پوری زندگی میں ایک بار بھی صلوٰۃ وسلام نہ بھیجا وہ شخص ہلاک و برباد ہوگیا کیونکہ یہ ایسا گناہ عظیم ہے جس کی برائی بیان نہیں کی جاسکتی اور ایسا وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل سے نور ایمان نکل چکا ہو نعوذ باللہ منہ۔

کن موقعوں پر درود شریف پڑھنے کی تاکید آئی ہے؟ دو موقعوں پر درود پڑھنے کی تاکید ہے:-

۱ــــــ ہر نماز کے قعدۂ اخیرہ میں خواہ وہ فرض نماز ہو یا سنت و نفل ہو سب کے قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے۔ اس موقع پر درود ابراہیمی پڑھا جاتا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔	اے اللہ اپنی رحمت نازل فرما حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپکی اولاد پر جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم اور انکی اولاد پر رحمت بھیجی ہے بیشک تو قابل تعریف بزرگ ہے۔
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ٥	اے اللہ تو برکت نازل فرما حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور انکی اولاد پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ہے حضرت ابراہیم اور انکی اولاد پر بیشک تو قابل تعریف بزرگ ہے۔

یہ درود ابراہیمی کچھ تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ مختلف الفاظ میں مروی ہے زیادہ بہتر یہی ہے اسی کو یاد رکھیں۔

۲ــــــ درود شریف پڑھنے کی تاکید کا دوسرا موقع وہ ہے جب کبھی اور کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی سنا جائے تو درود شریف پڑھنے کی تاکید ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث شریف میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی یہ بددعا فرمائی ہے۔

رَغِمَ اَنْفُ امْرِئٍ ذُکِرْتَ عِنْدَہٗ وَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْکَ۔	اس شخص کی ناک خاک آلود ہو وہ ذلیل ہو جائے جس کے سامنے آپ کا ذکر ہو اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے۔

ان دو موقعوں کے علاوہ مندرجہ ذیل موقعوں میں درود شریف کی خصوصی اہمیت ہے:

(۱) دعا سے پہلے اور دعا کے ختم پر درود شریف پڑھنے سے دعا کی مقبولیت کی امید بندھ جاتی ہے کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعا کرتے سنا کہ وہ صرف یارب یارب کہہ کر دعا مانگ رہا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ اس نے جلد بازی کی، تم میں سے کوئی شخص جب اللہ تعالےٰ سے کچھ مانگنا چاہے تو پہلے خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے پھر اس کے نبی پر درود بھیجے پھر اپنی ضرورت کا سوال کرے۔ لہٰذا جب دعا اول و آخر درود کے درمیان ہو گی تو قبول ہو جائے گی۔

(۲) خطبہ میں بھی صلوٰۃ وسلام ہونا چاہئے جمعہ و عیدین کا خطبہ ہو یا کوئی اور خطبہ ہو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام ہونا چاہئے۔

(۳) اذان کے ختم پر درود شریف پڑھکر ختم اذان کی دعا پڑھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا میری شفاعت اسے نصیب ہو گی۔

(۴) شب جمعہ اور روزِ جمعہ میں درود شریف کی کثرت ہونی چاہئے۔

(۵) درود شریف کے صیغے کتب حدیث میں مختلف الفاظ میں آئے ہیں ان میں سے کوئی بھی پڑھ لے۔ آیت میں آئے ہوئے الفاظ سے درود شریف کے یہ الفاظ بنتے ہیں "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّسَلِّمْ تَسْلِیْمًا" یہ بہت ہی مختصر ہے ان الفاظ سے بھی درود شریف ادا ہو جائے گا۔

(نوٹ) تحریر میں بھی جہاں ذکر مبارک آئے پورا درود شریف لکھنا چاہئے ص یا صلعم لکھنا کافی نہیں ہے۔

سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

(۶۵)
پینسٹھویں ندار

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ایذار پہنچانا حرام ہے اور یہود کی مشابہت حرام ہے کہ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذار پہنچائی تھی

◆

سورۃ الاحزاب
آیت (۶۹)

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا
کَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ
مِمَّا قَالُوْا وَکَانَ عِنْدَ اللّٰہِ
وَجِیْھًا ۝

اے ایمان والو! تم ان لوگوں جیسے نہ بنو جنھوں نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کو ایذار پہنچائی پھر اللہ تعالیٰ نے انکی برارت اس بات سے ظاہر کردی جو انھوں نے کہی تھی اور اللہ کے نزدیک بڑے وجیہ تھے۔

تشریح وتفسیر

یہ بات بار بار گذر چکی ہے کہ اللہ تعالےٰ اہلِ ایمان ہی کو جو مخاطب فرماتے ہیں تو صرف ان کے ایمان ہی کی وجہ سے انھیں خطاب کیا جاتا ہے کیونکہ مومن ہی درحقیقت زندہ ہے جو سنتا ہے اور سمجھتا ہے کرنے کے کام کرتا ہے نہ کرنے کے کام نہیں کرتا اس کی صلاحیت حیات مکمل ہے برخلاف اہلِ کفر کے جنھیں نہ تو ندا دی جاتی ہے نہ انھیں احکام شرعیہ کا پابند کیا جاتا ہے وہ تو صرف ایمان ہی کے مکلف بنائے جاتے ہیں جب ایمان لے آئیں گے تو وہ اس بات کے

اہل ہوں گے کہ انھیں احکامِ شرعیہ کا پابند اور اوامر ونواہی کا مکلف بنایا جائے گا اس وقت وہ اہل ہوں گے کہ انھیں ڈرایا جائے تو ڈریں، خوشخبری دیجائے تو آسانی محسوس کریں اور خوش ہوں، سکھایا جائے تو سیکھیں، سمجھایا جائے تو سمجھیں۔

اللہ تعالےٰ جہاں جہاں "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" فرما کر اہلِ ایمان کو مخاطب فرماتے ہیں وہاں اسی ایمانی حیثیت کی یاد دہانی مقصود ہوتی ہے گویا اللہ تعالیٰ یوں فرما رہے ہیں کہ" اے وہ لوگو! جو اللہ کے رب ہونے پر ایمان رکھتے ہو، اسلام کو دین مانتے ہو اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مانتے ہو! دیکھو تم ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذار پہنچائی تھی خبردار ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذار نہ پہنچانا۔

اللہ تعالےٰ کیطرف سے اہل ایمان کو یہ ہدایت کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذار پہنچانے میں ان لوگوں کیطرح نہ ہوں جنھوں نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو ایذار پہنچائی تھی بظاہر احتیاط اور حفظ ماتقدم کے طور پر دی گئی ہے، عام تفسیروں میں اس آیت کا سبب نزول واقعۂ افک (منافقین نے از راہ شرارت و ایذارسانی حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جو افترار وتہمت تراشی کی تھی وہ واقعہ افک کے نام سے مشہور ہے) کو نہیں قرار دیا گیا ہے بلکہ اسے صرف احتیاط اور حفظ ماتقدم پر مبنی ممانعت سمجھا ہے لیکن شیخ فاضل ابوبکر الجزائری نے اس موقع پر اس آیت کے سبب نزول کے طور پر قصۂ افک کا ذکر فرمایا ہے فرماتے ہیں کہ

اس آیت کے نزول کا سبب وہ بہتان ہے جسے رئیس المنافقین ابن اُبی نے مشہور کر دیا تھا جس میں کچھ اہل ایمان بھی غلط فہمی و بدگمانی کا شکار ہو گئے تھے جیسے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا اور بعض دوسرے لوگ بھی شامل ہو گئے تھے۔

اللہ تعالےٰ نے انھیں ایمان کی نسبت سے خطاب فرمایا تاکہ ہر مومن مرد وعورت کو شامل ہو جائے کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ایذار پہنچانا مطلقاً حرام ہے وہ ایذا کسی کی طرف سے ہو اور کسی بھی قسم کی ہو حرام ہی ہے۔

چونکہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا پر بہتان باندھنا اور تہمت طرازی کرنا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت روحانی وقلبی اذیت کا سبب تھا اسلئے اللہ تعالی نے آپ کا غم دور کرنے اور آپ کو تسلی دینے کے لئے یہاں یہود کی اس ایذا رسانی کا ذکر فرما دیا جو انھوں نے خود اپنے پیغمبر کیلئے کر ڈالی تھی جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

بنی اسرائیل کے معاشرے میں رواج یہ تھا کہ مرد باہم ننگے نہایا کرتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام باعزت و وقار اور شریف طبع اور باحیا تھے وہ غسل خانہ میں تنہا غسل فرمایا کرتے تھے، بنی اسرائیل کو انکی یہ حیاداری پسند نہ آئی تو انھوں نے یہ مشہور کر دیا کہ ان کے فوطوں میں ورم ہے ہیڈروسیل کا مرض ہے اسلئے یہ سب کے ساتھ برہنہ ہو کر نہیں نہاتے۔

اللہ تعالی کو یہود کی تہمت تراشی سے حضرت موسیٰ کی برأت ظاہر کرنا منظور تھی، ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا کنارے کسی پتھر پر کپڑے رکھ کر دریا میں تنہا نہا رہے تھے، نہا کر اپنے کپڑے لینے کیلئے دریا سے باہر نکلے تو وہ پتھر کپڑے سمیت وہاں سے بھاگنے لگا آپ اسے آواز دیتے رہے ارے پتھر میرے کپڑے لا، ارے پتھر میرے کپڑے تو دے مگر پتھر بھاگتا ہوا ایسی جگہ تک پہنچ گیا جہاں بنی اسرائیل کا مجمع موجود تھا سب نے آپکو برہنہ حالت میں دیکھ لیا اب سب کو یقین ہو گیا کہ وہ آپ کے خلاف بے بنیاد بدگمانی اور الزام تراشی کر رہے تھے۔

بنی اسرائیل نے اس مشہور واقعہ کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک تہمت یہ بھی لگائی تھی کہ چونکہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں نرم مزاج تھے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام انھیں جبل طور پر لے گئے اور وہاں تنہائی میں انھیں قتل کر دیا!

یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خواہ یہ تہمت لگائی ہو یا وہ تہمت لگائی ہو جو پہلے مذکور ہوئی (اور مستند کتب حدیث میں بھی مذکور ہے) اللہ تعالے نے انھیں اس سے بری و بے داغ دکھلا دیا، وہ اللہ کے نزدیک باعزت و وقار تھے اللہ تعالے سے جو دعا مانگتے پوری ہو جاتی تھی اس سے بڑھ کے اور کیا بات ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ بات بھی سن لی کہ انکی خواہش و سفارش سن کر حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوت عطا فرما دی اور یہ سب صرف اس لئے تھا کہ وہ روحانی و اخلاقی کمال کے

حامل تھے۔

اس موقع پر وہ بات بھی یاد کر لی جائے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ آپ دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو مستجاب الدعوۃ (مستجاب الدعوۃ جس کی ہر دعا قبول ہو جاتی ہو) بنا دیں تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنی کمائی پاک رکھو تمہاری دعا قبول ہوا کرے گی چنانچہ وہ مستجاب الدعوات مشہور تھے۔

وصلی اللہ علیٰ نبینا محمد وآلہٖ وصحبہٖ وسلم تسلیما

چھیاسٹھویں ندا ۶۶

اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور سیدھی سچی بات کہنا واجب ہے

سُوْرَۃ الْاَحْزَاب
آیات (۷۰، ۷۱)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی (درست) بات بولا کرو۔ اللہ تمہارے اعمال درست کر دیگا اور تمہارے گناہ بخش دیگا اور جو کوئی اللہ و رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ بڑی کامیابی سے بہرہ ور ہوگا۔

تشریح وتفسیر

اللہ تعالیٰ نے اس ندائے ایمانی میں اہل ایمان کو خطاب فرماکر انھیں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اسی تقوے کی بدولت انسان و رحمان، خالق و مخلوق اور عابد و معبود کے مابین رشتۂ ولایت و دوستی استوار ہوتا ہے۔

اللہ تعالےٰ جس کے دوست ہو جائیں پھر تو وہ نہ کسی اور سے ڈریگا نہ ہی اسے کوئی رنج و غم ہوگا۔ اور اللہ تعالےٰ سے جو شخص دشمنی و عداوت کریگا وہ نہ کبھی مامون ہوگا نہ مسرور ہوگا۔

اس موقع پر تقویٰ کی حقیقت سمجھ لینی چاہئے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا

خوف دل میں اس حد تک پیدا ہو جائے کہ وہ ڈرنے والا انسان اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے سوا اسکی نافرمانی کا ارادہ بھی نہ کر سکے اور تقویٰ کا یہ جذبہ اسے اس بات پر بھی آمادہ کرے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے احکام کا علم حاصل کرلے تاکہ اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالےٰ نے اسے کن باتوں اور کاموں کا حکم دیا ہے جن کی اسے ادائیگی کرنی ہے اور کن باتوں اور کاموں سے منع فرمایا ہے جن سے اسے بچنا اور دور رہنا ہے، کون سے عقائد دل نشیں کرنے ہیں اور کون سے عقائد دل سے نکالنے ہیں اس کام میں برابر وہ اپنے نفس سے محنت و مجاہدہ کراتا رہے یہاں تک کہ اسے پوری طرح انشراح صدر اور طمانیتِ قلب حاصل ہو جائے اور اب اس کی ساری خوشی اور سارا غم اللہ تعالیٰ کی طاعت و معصیت پر منحصر ہو جائے کہ اسے اب صرف خدا تعالیٰ کی طاعت ہی سے فرحت و مسرت حاصل ہو اور اس کا غم خدا تعالیٰ کی معصیت کے ارتکاب کی وجہ سے ہو اب اس کا ایمان صرف یہ ہو کہ لقاء اللہ پر ایمان ہو، قضاء اللہ پر رضا ہو، عطاء اللہ پر قناعت ہو، وہ اللہ کے ہر فیصلہ پر راضی، اللہ کی ہر عطا پر قناعت کرنے والا ہو جائے جیساکہ حدیث شریف میں ایک دعا تعلیم فرمائی گئی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ نَفْسًا مُّطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَائِكَ وَتَرْضٰی بِقَضَائِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِكَ۔	اے اللہ میں تجھ سے ایسے نفس کا سوال کرتا ہوں جو تیری لقاء پر ایمان رکھے، تیری قضاء پر راضی رہے اور تیری عطاء پر قناعت کرے۔

آیتِ شریفہ میں اہلِ ایمان کو تقوے کا حکم دینے کے بعد انھیں دوسرا حکم یہ دیا گیا ہے "وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا" ہمیشہ سیدھی سچی بات کیا کرو۔

صاحبِ ایمان مسلمان وہی ہے جو ایسی ہی بات کہے جو درست ہو، سچی ہو، مفید ہو نقصان والی بات نہ ہو اس کا انجام و نتیجہ بھی اچھا ہونا چاہے بعض حضرات نے اس قول سدید کا مصداق کلمۂ طیبہ کو بتایا ہے اور کہا کہ قول سدید "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" ہے۔ بعض لوگوں نے "سدید" کا مطلب صحیح ارادہ بتایا جس کا ظاہر و باطن ایک ہو، بعض لوگوں نے کہا "سدید" اسے کہیں گے جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی و خوشنودی کیلئے کیا جائے۔ آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس قول سدید کا حکم دیا ہے اس پر یہ تمام ہی تعریفات صادق آتی ہیں۔

اب قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو تقویٰ اور قولِ سدید کا جو حکم دیا ہے اس سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ تو اچھی طرح سمجھ لیجئے اور ذہن نشین کر لیجئے کہ اس سے دو فائدے حاصل ہوں گے۔

ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ ہمارے اعمال کی اصلاح ہو جائیگی اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ ہمارے گناہوں کی مغفرت وبخشش ہو جائیگی اور ان دو فائدوں کے حاصل ہونے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیں دارین میں سعادت وکامیابی حاصل ہوگی۔ اور اصل راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ ایسی چیز ہے جسے پاکیزگی نفس کا ضامن کہنا چاہئے پاکیزگی نفس اسی تقویٰ ہی سے حاصل ہوتی ہے اور آخرت کی سعادتمندی پاکیزگیِ نفس کے بغیر مل نہیں سکتی ہے جس کا نتیجہ یہی تو ہوا کہ آخرت کی سعادتمندی کا اصل دارومدار تقویٰ پر ٹھہرا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا" جس نے بھی اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا وہ کامیاب ہوگیا" آخرت میں کامیابی کی یہی دو صورتیں ہیں کہ دوزخ سے نجات مل جائے اور جنت میں داخلہ ہو جائے۔

یہ تو ہوا تقویٰ کا فائدہ جو دار آخرت میں ملے گا باقی رہا قولِ سدید پر عمل کا فائدہ تو وہ اسی دنیا میں بھی مل جاتا ہے کیونکہ قولِ سدید دنیوی اعمال کی درستی واصلاح کا ضامن ہے، ہمارے دنیوی اعمال ومعاملات جیسے خرید وفروخت، نکاح وطلاق سفر وحضر وغیرہ کی اصلاح ودرستی "قول سدید" سے تعلق رکھتی ہے۔

اللہ تعالےٰ کی اپنے مومن بندوں کے ساتھ یہ کتنی بڑی رحمت ہے کہ اس نے ایک آیت میں دو ایسی باتوں کا حکم دیدیا جن سے ہماری دونوں زندگیوں کا فائدہ متعلق ہے قول سدید سے ہماری دنیا سدھرتی ہے اور تقویٰ سے آخرت میں مغفرت ہوتی ہے اور عقبیٰ سنورتی ہے، ان دو مقصدوں کے حاصل ہو جانے کے بعد ہمیں اور چاہئے ہی کیا۔

اخیر میں ابن ابی حاتمؒ کی روایت کی ہوئی یہ حدیث پڑھئے اور یاد رکھئے کہ حضور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نمازِ ظہر پڑھائی اور سب کو اشارہ کیا کہ ذرا ٹھہر جائیں سب لوگ مخاطب ہوکر بیٹھ گئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم سب کو حکم دوں کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور سیدھی سچی بات کہا کرو، پھر آپ نے عورتوں کو مخاطب فرمایا اور ان سے بھی یہی بات دہرائی کہ:

اللہ تعالےٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور سیدھی سچی بات کہا کرو۔

اللہ تعالےٰ ہی کیلئے تمام تعریفیں ہیں جو اپنے بندوں پر مہربانی فرماتا ہے۔

◆

سرسٹھویں ۶۷ نداء

اللہ تعالیٰ کی نصرت کی جائے جسکے نتیجہ میں بندوں کو بھی اللہ کی نصرت ملے، کافروں کے خسران و حرمان اور انکی گمراہی وہلاکت کا بیان

○

سورۂ محمد
آیت ۷ — ۸

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ	اے ایمان والو! اگر تم اللہ (یعنی اسکے رسول اور دین) کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے قدم جمادے گا اور جو حق کے منکر و کافر ہیں ان کیلئے تو ٹھوکر کھاکر گرنا ہے اور اللہ نے ان کے اعمال برباد کئے یہ اس لئے ہے کہ انھوں نے ان آیات واحکام کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل فرمایا تو اللہ نے بھی ان کے اعمال اکارت کردیئے۔

تشریح وتفسیر

اللہ تعالےٰ نے جن آیات میں اہلِ ایمان کو مخاطب فرمایا ہے اس کے مخاطب تمام عالم کے جملہ اہل ایمان ہیں کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ورسالت ساری دنیا کے انسان وجن کیطرف تھی اسلئے

ان آیات کے مخاطب بھی جملہ اہلِ ایمان ہوں گے گورے ہوں یا کالے، آپ کے زمانہ مبارک میں موجود ہوں یا بعد کے زمانوں میں پیدا ہوں سب ہی اہلِ ایمان مخاطب ہیں، سب کو خطاب فرماتے ہوئے اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ اے اہلِ ایمان اگر تم اللہ کے رسول اور اس کے دین کی مدد کروگے تو تمہاری یہ مدد اللہ تعالیٰ کی مدد متصور ہوگی اور پھر اس کے بدلہ میں نصرت خداوندی تمہارے ہمکنار اور ہر دم تمہارے ساتھ رہے گی جس معرکہ میں بھی تم ہوگے تمہارے دشمن اہلِ شرک واہلِ کفر کے مقابلہ میں جن سے جنگ کا تم کو حکم دیا گیا ہے وہ تمہاری ہی نصرت ومدد فرمائے گا، یہاں تک کہ وہ اہلِ کفر پوری طرح اپنے دل وزبان سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اس کی حاکمیت ومالکیت تسلیم کرلیں، جیساکہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۔	ان (کافروں مشرکوں) سے قتال کرتے رہو یہانتک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا صرف اللہ کا ہے۔

یہ اعلان فرمانے کے بعد اللہ تعالےٰ یہ خبر بھی دے رہے ہیں کہ دیکھو سن لو کہ جو لوگ حق اور دین حق کے منکر و کافر ہیں ان کے لئے (تمہارے مقابلہ میں) ٹھوکر کھاکر گرنا ہے، ان کے لئے صرف تباہی و بربادی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے تو سارے ہی اعمال برباد کردیئے اب تو دنیا وآخرت دونوں ہی جگہ نقصان و حرمان ہی میں رہیں گے۔

ان کا دنیاوی نقصان تو یہ ہوگا کہ یہ اپنی اس ظلمت کفر وشرک کی بدولت روحانی کمالات سے بالکل ہی محروم رہیں گے نہ ان میں اخلاقِ فاضلہ ہوں گے نہ آدابِ عالیہ ہوں گے ان کے نفوس پاکیزگی وطہارت سے محروم اور ان کے دلوں میں سکون واطمینان معدوم ہوگا اور اللہ تعالےٰ کی ولایت ودوستی سے محرومی کے باعث ان کے اجسام وابدان میں بھی نیک بختی کے انوار وآثار نہ ہوں گے۔

اور آخرت کا نقصان یوں سمجھئے کہ جس دم سے انکی روحیں قالب بدن میں ڈالی گئیں اور انھیں زندگی نصیب ہوئی اس دم سے لیکر زندگی کے آخری لمحے بلکہ آخری

سانس تک انکی روحیں روحانی عذاب میں ہی بتلا رہتی ہیں یہ عذاب قیامت کے حشر اجسام کے وقت تک ان روحوں کا پیچھا نہیں چھوڑتا ہے اور اس کے بعد تو انھیں جہنم کیطرف ہنکا دیا ہی جائے گا۔

دوزخ میں کافروں کی روح پر روحانی عذاب اس طرح مسلط رہے گا کہ یہ لوگ ہر لحہ من جانب اللہ ایک قسم کی ڈانٹ اور جھڑکی سنتے رہیں گے جس کیوجہ سے انھیں زندگی کا کوئی مزہ ہی صحیح طور پر نہیں مل پائے گا، دوزخ میں یہ لوگ نہ تو مرنے پائیں گے اور نہ زندہ ہی رہیں گے ۔۔ اور اس روحانی عذاب سے بڑھکر جسمانی و بدنی عذاب بھی ہوگا کہ ان کے سروں پر سے کھولتا ہوا گرم گرم پانی بہایا جائے گا جس سے انکی کھالیں اور آنتیں تک گل کر گر پڑیں گی اور لوہے کے ہتھوڑوں سے مارے جائینگے اور آنتیں بھوک سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی تو زقوم (تھوہڑ) اور ضریع (کانٹے دار جھاڑ) انھیں کھانے کے لئے دیا جائیگا، ان سب تکلیفوں کے ساتھ ساتھ وحشت تنہائی کی مصیبت بھی ہوگی کیونکہ انھیں وہاں نہ تو باپ دکھائی دیگا نہ ماں نہ بیوی نہ اولاد نہ اور کوئی دل بہلانے والا ہوگا۔

آیت میں آئے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ارشاد " وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ " کی یہ کچھ تھوڑی سی تفصیل تھی۔ اب " اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ " کا مطلب بھی سمجھ لیجئے!

یہ جملہ بظاہر تو ایک خبر ہے مگر حقیقت میں ایک طرح کی بد دعا ہے کہ ان کافروں کے نیک اعمال بھی اکارت ہوں اور انھیں ان کے اجر و ثواب سے نفع اٹھانے کا موقع نہ ملے۔

آخری جملہ میں اس کی وجہ بتائی گئی ہے کہ چونکہ انھوں نے اللہ تعالےٰ کی کتاب اور اس کے احکام نہیں مانے اس کا یہ وبال ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے اعمال بالکل سوخت اور اکارت کر دیئے۔

سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ارسٹھویں ندا (۶۸)

اللہ و رسول کی اطاعت واجب ہے اطاعت ترک کر کے اپنے اعمال اکارت نہ کرو

{ سُوْرَةُ مُحَمَّد
آیت (۳۳-۳۴) }
34 - 33

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال (اپنی نافرمانی و نادانی سے) ضائع نہ کرو۔ جن لوگوں نے کفر کیا اور (اس کے ساتھ ہی یہ بھی کیا کہ لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا پھر وہ اسی حالتِ کفر میں مر بھی گئے تو اللہ تعالےٰ انھیں ہرگز نہ بخشے گا۔

تشریح و تفسیر

اس آیتِ شریفہ میں اللہ تعالےٰ نے اہلِ ایمان کو مخاطب فرما کر انھیں سعادت دارین کا طریقہ بتا رہے ہیں فرماتے ہیں کہ

اے اہل ایمان جو میری ربوبیت اور میری معبودیت پر ایمان رکھتے ہو اور میرے مقرر کئے ہوئے دینِ اسلام کی حقانیت کا یقین رکھتے ہو اور میرے نبی و

رسول حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور اس کی خاتمیت پر ایمان ویقین رکھتے ہو اس اللہ کی اطاعت کرو جو تمہارا رب اور الٰہ ہے جو ازراہِ دوستی و خیر خواہی تمہیں کچھ باتوں کا حکم دیتا ہے اور کچھ باتوں سے روکتا اور منع کرتا ہے۔

تم اچھی طرح سمجھ لو کہ اس کی یہ اطاعت و فرمانبرداری تمہاری نجات کا طریقہ اور تمہاری ترقی وسعادتمندی کا زینہ ہے لہٰذا اس اطاعت و فرمانبرداری کو ترک کرکے اپنے آپ کو سعادت دارین سے محروم نہ کرو۔

یہاں کسی کو یہ خیال نہ ہونا چاہئے کہ اہلِ ایمان حقیقی طور پر تو وہی لوگ ہیں جو اللہ و رسول کے مطیع و فرماں بردار بھی ہوتے ہیں پھر انھیں اطاعت و فرماں برداری کا حکم دینے کا کیا مطلب ؟ کیونکہ یہاں انھیں درحقیقت اس اطاعت و فرمانبرداری پر پابند رہنے کا حکم دینا مقصود ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ اطاعت و فرمانبرداری برابر اور پوری زندگی تک رہنی چاہئے اور اگلے ٹکڑے (وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ) میں اسی بات کو دوسرے لفظوں میں دہرا دیا گیا ہے یعنی اگر اطاعت و فرماں برداری کرکے چھوڑ دی اور نافرمان ہوگئے تو اس طرح تمہارا پچھلا کیا دھرا بھی برباد ہو جائے گا (اگر نعوذ باللہ منہ یہ نافرمانی کفر کی حد تک پہنچ جائیگی تو پچھلی نیکیاں بھی اکارت چلی جائینگی)

اعمالِ صالحہ کی بربادی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کفر و شرک کا ارتکاب کرلیا جائے یا نعوذ باللہ منہ بالکل ہی مرتد ہو جائے یا ان اعمالِ صالحہ میں ریا کا جذبہ شامل ہو جائے۔ مناسب صورت یہ ہے کہ اعمال کے باطل ہونے اور اعمال کے حبط ہونے کا فرق سمجھ کر یہاں اعمال کے باطل ہونیکی تشریح یوں کی جائے کہ

اعمال کے باطل ہونیکی صورت یہ ہوتی ہے کہ معاصی اور گناہ جب زیادہ ہو جاتے ہیں تو انسانی نفس و قلب پر ایک ظلمت و تاریکی چھا جاتی ہے جس کیوجہ سے اعمال صالحہ سے پیدا شدہ نور پس پردہ ہو جاتا ہے اور اب بظاہر ان اعمالِ صالحہ کا نور باقی ہی نہیں رہتا۔ اس طرح وہ اعمالِ صالحہ باطل ہو جاتے ہیں چنانچہ حضرت حسن بصری و امام زہری سے یہ بات منقول ہے کہ

"اعمال صالحہ کا حبط بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب سے ہوتا ہے"

ان حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ "اپنے اعمال کو معاصی کا ارتکاب کرکے باطل نہ کرو"

اسلئے ابطال اعمال کو احباط اعمال کے معنٰے میں نہ لیا جائے گا کیونکہ احباط اعمال یعنی اعمالِ صالحہ کا ضیاع اور اس کی بربادی صرف کفر و شرک ہی کیوجہ سے ہوتی ہے معاصی کیوجہ سے حبط عمل نہیں ہوتا جس کی دلیل اللہ تعالٰے کا یہ ارشاد ہے

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

جس شخص نے ایمان کے ساتھ کفر کا ارتکاب کیا تو اس کا عمل بے کار و اکارت گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔

"وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ" کے ارشاد سے علمائے دین نے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا ہے کہ جو شخص کوئی عبادت شروع کردے تو اس کے ذمہ اسے پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے نفل نماز کی نیت باندھ لی تو اب اسے پورا کرنا واجب ہے درمیان میں توڑ دے گا تو قضا کرنی پڑے گی یہی حکم طواف کعبہ اور روزہ وغیرہ کا بھی ہے۔

اس کے بعد اگلی آیت میں فرمایا ہے کہ "جو لوگ کفر اختیار کریں اور دوسروں کو راہ حق سے روکیں (یہ روکنا خواہ کسی بھی طرح ہو) پھر وہ اسی حالت پر مر جائیں مرنے سے پہلے انھیں توبہ کی نوبت نہ آئی ہو تو ایسے لوگوں کی اللہ تعالٰی مغفرت ہرگز نہ فرمائیں گے، اگرچہ مرنے سے پہلے انھوں نے اپنی زندگی میں کیسے ہی اور کتنے ہی نیک کام کئے ہوں آخرت میں انھیں ان نیک کاموں کا کوئی بدلہ نہ ملے گا کیونکہ کفر و شرک درحقیقت اللہ تعالٰے کی بغاوت ہے اور بغاوت کسی بھی سلطنت و حکومت میں سب سے بڑا جرم مانا جاتا ہے۔

دین حق سے روکنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں کبھی تو ضرب و قتال کے ذریعہ راہِ حق اختیار کرنے سے روکا جاتاہے اور کبھی دینِ حق پر اعتراضات کرکے یا دین حق میں تحریف کرکے اور دین کی اصل تعلیم کو بگاڑ کر پیش کرکے لوگوں کو دین حق سے منحرف کیا جاتا ہے یہ تمام ہی صورتیں اس وعید کے تحت آجاتی ہیں

چنانچہ آج کل کے باطل مذاہب والے سارے ہی لوگ خواہ ہنود و یہود ہوں یا نصاریٰ و مجوس ہوں سب ہی یقینی طور پر اس وعید میں داخل ہیں کہ ان سبھوں نے لوگوں کو دینِ اسلام سے برگشتہ و منحرف کرنے کے لئے اپنے اپنے جھنڈے اٹھا رکھے ہیں اور اس کام میں کتنی کوشش اور کتنی دولت خرچ

کر رہے ہیں۔

اللہ تعالے ہم ایمان والوں کو ان سے بچائے اور حفاظت میں رکھے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ
وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

* * *

---

(۶۹)
انہترویں نداء

کتاب وسنت کا حکم معلوم کرنے سے پہلے اپنی رائے پیش کر دینا حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ واجب ہے،

* * *

سورۂ حُجُرات
آیت (۱)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا
بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

اے ایمان والو! تم اللہ و رسول کے سامنے (کسی معاملہ میں) سبقت نہ کیا کرو (یعنی انکی اجازت ملنے سے پہلے اپنی رائے نہ پیش کیا کرو) اور اللہ تعالے سے ڈرتے رہا کرو بے شک اللہ تعالے سننے والا جاننے والا ہے۔

تشریح وتفسیر

اس آیتِ شریفہ کا ایک شانِ نزول ہے جو بخاری شریف کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ بنی تمیم کا ایک وفد حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا یہ بات طے کرنی تھی کہ ان میں سے کس شخص کو ان کا امیر مقرر کیا جائے، ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کوئی رائے نہیں فرمائی تھی ادب رسول کا تقاضا یہی تھا کہ حضراتِ صحابہ آپ کی رائے ظاہر ہونے

تک خاموش رہتے یا آپ ہی سے دریافت کر لیتے کہ آپ کس کو امیر بنانا چاہتے ہیں۔ مگر ان حضرات نے اس کا انتظار نہیں کیا اور خود ہی رائے دینے میں سبقت کر بیٹھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رائے دی کہ حضور قعقاع بن معبد کو امیر مقرر فرما دیں۔ حضرت عمرؓ نے دوسری رائے دی کہ اقرع بن حابس کو امیر مقرر فرمایا جائے۔

بات اتنے ہی پر ختم نہ ہو سکی اور بڑھ گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق بول اٹھے کہ تم نے تو صرف مجھ سے اختلاف ہی کرنے کیلئے یہ رائے دی ہے، حضرت عمرؓ نے انکار کیا کہ نہیں اختلاف کرنے کا ارادہ تو میں نے نہیں کیا میرے نزدیک جو بات ٹھیک تھی وہ میں نے کہہ دی اب دونوں میں باہم حجت و تکرار کی بھی نوبت آ گئی، اس موقع پر یہ آیت مذکورہ بالا نازل ہوئی اور اللہ تعالےٰ نے ان اہلِ ایمان کو ادبِ رسول اور مقامِ رسول کے تقاضے سے باخبر کیا کہ "اے اہلِ ایمان! تم لوگ تو اللہ و رسول پر ایمان رکھتے ہو اللہ کو اپنا معبود و پروردگار دین اسلام کو اپنا دین سمجھتے ہو اللہ کے رسول کو اپنا رسول سمجھتے ہو، اس لئے تمہیں یہ بات بھی سمجھنی چاہئے کہ تم اللہ و رسول کے اطاعت گذار اور فرماں بردار ہو تمہیں ان کے سامنے کسی طرح بھی پیش قدمی و سبقت نہ کرنی چاہئے نہ ان سے پہلے کوئی بات سوچو نہ ان سے پہلے کوئی رائے و مشورہ دو نہ ان سے پہلے کوئی بات کہو اور نہ کوئی کام کرو، تمہیں تو ان کے چشم و ابرو کا اشارہ دیکھنا چاہئے۔

یہ بات تو بے ادبی کی ہے کہ کوئی غلام اپنے مولا و آقا کی رائے سے پہلے اپنی رائے پیش کرنے لگے چنانچہ اس ادب کو اس واقعہ سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کیطرف روانہ فرمایا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم ان لوگوں کے معاملات میں فیصلہ کس طرح کیا کرو گے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے دریافت فرمایا اگر کتاب اللہ میں اس معاملہ کا کوئی حکم تم کو نہ ملے تب کیا کرو گے؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و حدیث کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے پھر سوال فرمایا کہ اگر سنتِ رسول میں بھی اس کا حکم نہ ملے تو، حضرت معاذ نے جواب دیا کہ تب اپنی رائے سے اجتہاد کر دوں گا۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ کا یہ جواب سنکر بہت مسرور ہوئے اور آپ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مار کر شاباشی دی اور فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ رسولِ خدا کے قاصد و نمائندہ کو اللہ تعالےٰ نے ایسی بات کی توفیق دی جس سے رسولِ خدا خوش ہو جائے۔

حضرت معاذ بن جبل کا یہ واقعہ حدیث شریف کی متعدد کتب (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند امام محمدؒ) میں مروی ہے۔

متقدمین علمائے شریعت نے اس حدیث سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی اہلِ ایمان کیلئے کسی بھی معاملہ میں جب تک اللہ و رسول کا حکم و فیصلہ معلوم نہ ہو جائے اپنی طرف سے کوئی اقدام کر کے رائے نہ دینی چاہئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

اس حدیث سے جہاں اجتہاد کا ثبوت فراہم ہوتا ہے وہیں اس کی روشنی میں اجتہاد کا مقام و مرتبہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ جن احکام و مسائل میں قرآن و سنت کا کوئی فیصلہ اور نص موجود ہو اس میں اجتہاد کی گنجائش مطلق نہیں ہے۔ آج کل کے بہت سے مجتہدین بے احتیاطی برت رہے ہیں۔

اس حدیث شریف کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اہلِ ایمان طلبِ علم میں بھی خوب محنت کریں تاکہ ہر مسلمان کو اللہ و رسول کے بتائے ہوئے احکام معلوم ہو جائیں اور کوئی معاملہ پیش آنے پر وہ اس کا حکم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں تلاش کر سکے، اگر ان میں وہ حکم اسے نہ ملے تو دوسرے اہلِ علم سے بھی دریافت کر لے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے ایک دوسری آیت میں حکم دیا ہے:

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝	اہلِ علم سے پوچھ لیا کرو اگر تم کو کوئی بات معلوم نہ ہو۔

لہٰذا مومن اگر خود عالم ہے تو اپنے علم کے مطابق عمل کرے ورنہ دوسرے اہلِ علم سے دریافت کر لے اور پھر اس علم کے مطابق عمل کرے۔ اور عالم کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ سوال کرنے والے کو وہ بات بتا دے جو وہ دریافت کر رہا ہے۔

اگر زندگی میں یہ طریقہ اپنا لیا جائے تو پھر کوئی مرد و عورت جاہل کیسے رہے گا

اور بالفرض اگر کسی بستی میں کوئی عالم ہی موجود نہ ہو تو پھر اس بستی کیلئے سفر ضروری ہے جہاں کوئی اہلِ علم موجود ہو۔

کاش مسلمان اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیتے تو مسلمانوں کی دینی ناواقفیت دور ہو جاتی اور پھر کوئی جاہل نہ رہتا۔

آخر میں اللہ تعالےٰ نے اپنے تقویٰ کا حکم دیا ہے جس کا ملحوظ رکھنا ہر مسلمان کیلئے ہر آن ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ ہماری ہر بات سنتا اور ہر بات جانتا ہے، اگر دل میں تقویٰ موجود ہو گا تو اس کی نافرمانی نہ ہو سکے گی۔

سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ستّرویں ندا

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام واجب ہے مسلمان کو ایسا کوئی کام نہ کرنا چاہئے کہ اسکے اعمال باطل ہو جائیں اور مسلمان ہلاک و برباد ہو جائیں

سُوْرَۃُ حُجُرَات
آیت (۲ - ۳)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز پر بلند نہ کیا کرو اور نہ ان سے اس طرح زور سے بات کرو جیسے تم ایک دوسرے سے (زور زور) باتیں کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال سوخت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ بیشک جو لوگ اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پست رکھتے ہیں ان لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے پرکھ لیا ہے، ان کے لئے بالکل مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے۔

تشریح وتفسیر

ان آیات کا تعلق بھی اسی شانِ نزول سے ہے جو اس سورہ کی پہلی آیت کا تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اوپر اس بات کی ممانعت کی گئی کہ اللہ ورسول کا کوئی حکم معلوم کئے بغیر کسی معاملہ میں بغیر اجازت اپنی رائے نہ دینی چاہئے۔

اب یہ آیت اس کے بعد جو صورت پیش آگئی تھی اس سے متعلق ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق کے درمیان حجت وتکرار ہونے لگی تو اسی بے خیالی میں دونوں کی آوازیں بھی بلند ہوگئیں حالانکہ اس مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے آپ کی موجودگی میں ان حضرات کی آوازوں کا بلند ہونا بے ادبی کی بات تھی اسلئے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان اہل ایمان کو اس بے ادبی پر تنبیہ فرمائی اور حکم دیا کہ:

اے اہلِ ایمان! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنی آوازیں آپکی آواز پر بلند نہ کیا کرو۔

ظاہر ہے کہ یہ بہت ادب کی بات ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسا ادب اہل ایمان پر واجب ہے اور ویسے بھی بغیر ضرورت بڑوں کی مجلس میں بلند آواز سے بات کرنا اور بولنا بے ادبی ہے اور بداخلاقی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی نصیحتوں میں یہ بھی ذکر کیا ہے جب وہ اپنے بیٹے کو نصیحت فرمارہے تھے نصیحت کے آخر میں انھوں نے یہ نصیحت بھی کی ہے۔

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝	اپنی آواز پست رکھا کرو بیشک سب سے زیادہ ناگوار اور بری آواز گدھے کی آواز ہوتی ہے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرماتے ہوئے بہت سی اخلاقی تعلیمات بیان فرمائی ہیں۔

انھوں نے اللہ تعالےٰ کے مراقبے اور خوف کی تعلیم دی ہے کیونکہ ہمارے اقوال اور اعمال کا کوئی ایک ذرہ بھی اس کے علم وخبر سے باہر نہیں ہے۔

انھوں نے نماز قائم کرنے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کا حکم دیا ہے مصیبتوں پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی ہے لوگوں کے مقابلہ میں کبر وتکبر کی بھی ممانعت فرمائی ہے،

اسی طرح راستہ چلنے میں میانہ روی کی تعلیم دی ہے کہ جب راستہ چلو تو کچھ تیزی کیساتھ چلو نہ بہت آہستہ چلو نہ بہت دوڑتے بھاگتے چلو۔ اور سب کے اخیر میں گفتگو کے وقت آواز کو پست رکھنے کا حکم دیا ہے کہ جب بولو دھیمی آواز سے بولو (مگر اتنے آہستہ بولنا کہ مخاطب سن بھی نہ سکے یہ بھی غلو ہے آواز اتنی تو ہونی ہی چاہئے کہ مخاطب آسانی سے سن لے)

یہ ادب ہر مخاطب کے ساتھ ملحوظ رہنا چاہئے والدین ہوں، استاد ہوں، مرشد ہوں یا عام مسلمان ہوں سب کے ساتھ سلیقہ سے بات کرے۔

اس موقع پر حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا قصہ بھی یاد رہنا چاہئے جسے حضرت امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ"

حضرت ثابت بن قیس بن شماس کی آواز بلند تھی بولنے میں آواز بلند ہوتی تھی تو انھوں نے کہا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جو اپنی آواز کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند کرتا ہوں، میں تو دوزخی ہوں، میرے اعمال حبط ہوگئے ہوں گے یہ کہہ کر وہ رنج وغم کی حالت میں اپنے گھر ہی میں بیٹھ گئے، آپکی مجلس میں حاضری سے ڈر گئے کہ بے ادبی نہ ہو جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں غیر حاضر دیکھا تو دریافت فرمایا۔ حاضرین میں سے کوئی صاحب ان کے پاس گئے اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دریافت فرمارہے ہیں تم کیوں غائب ہو؟ تو انھوں نے وہی بات کہدی کہ میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند کرتا ہوں آپ سے زور زور بات کرتا ہوں میرے اعمال تو حبط ہوگئے ہیں اور میں تو اہلِ دوزخ میں سے ہوں۔

ان لوگوں نے انکی یہ بات سنکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر بتائی تو آپ نے فرمایا نہیں وہ تو اہلِ جنت میں سے ہیں۔

حضرت انس راوی حدیث کہتے ہیں کہ ہم انھیں اپنے ساتھ اپنے درمیان چلتا ہوا دیکھتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ یہ اہلِ جنت میں سے ہیں جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ۔

آیت شریفہ کا حکم معلوم ہو جانے کے بعد یہ مسئلہ معلوم ہو گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب مسجد میں یا آپ کے حجرہ شریفہ کے قریب آواز بلند کرنا زور زور سے باتیں کرنا مکروہ ہے کیونکہ آپ کا ادب جس طرح آپکی دنیاوی زندگی میں ضروری تھا ویسے ہی آپ کی وفات کے بعد بھی ادب ضروری ہے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک روز مسجد میں کسی کی بلند آواز سنی کہ دو شخص زور زور سے باتیں کر رہے ہیں تو آپ نے ان کو بلوایا اور ڈانٹا پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ دونوں نے کہا طائف کے رہنے والے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم اہلِ مدینہ میں سے ہوتے تو میں تمہاری پٹائی کرتا۔ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں زور زور سے بلند آواز میں باتیں کر رہے ہو۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد "اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یا آپ کے قریب بلند آواز کرنے کی سزا کے طور پر بیان ہوا ہے یہ حبط اعمال صرف رفع صوت اور بلند آواز سے بولنے کے نتیجہ میں ہوگا۔

غور کرنے سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ جو شخص دانستہ طور پر ایسی بے ادبی کا ارتکاب کرے گا وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ حبطِ اعمال کی سزا کفر ہی کی صورت میں ہوتی ہے اسلئے ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پورے ادب واحترام کو ہر لمحہ ملحوظ رکھنا چاہئے اور کسی قسم کی بھی بے ادبی سے بچنا چاہئے۔

دیکھئے کہ اللہ تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ادب ملحوظ رکھنے اور دھیمی اور پست آواز سے بولنے والوں کیلئے اپنی کیسی خوشنودی ورضامندی کا اظہار فرمایا ہے کہ اس کے لئے مغفرت کے ساتھ ساتھ اجر عظیم کا بھی وعدہ ہے۔

اللہ تعالےٰ ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب شناس بنائے۔ اٰمین

سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

✲ ✲ ✲

(۷۱)
اکہترویں نداء

اس بیان میں کہ کسی معاملہ میں کوئی قولی یا عملی فیصلہ واقدام سے پہلے ہی معاملہ کی تحقیق و تصدیق ضروری ہے

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت کا بیان

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَۃُ حُجُرَات
(آیات ۶، ۷، ۸)

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

اے ایمان والو! اگر کوئی بے اعتبار آدمی تمہارے پاس آکر کوئی (شکایتی) خبر پہنچائے تو فوراً ہی اسکی تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانستہ طور پر کسی قوم کو کوئی نقصان پہنچادو پھر بعد میں اس پر پچھتاؤ۔ یہ بات جان لو کہ تمہارے درمیان رسول اللہ تشریف فرما ہیں بہت سے معاملات (ایسے ہیں کہ) اگر وہ تمہارے کہنے پر چلیں تو تم سب مشکل میں پڑجاؤگے لیکن اللہ تعالیٰ نے (اس مشکل سے بچانے کیلئے) ایمان کو

وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

تمہارے لئے محبوب بنادیا اور اسے تمہارے دلوں میں مزین ومرغوب کردیا اور کفروفسق (اور جملہ) معاصی کو تمہارے نزدیک مکروہ ٹھہرادیا یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل وانعام کی بدولت راہ یاب ہیں اور اللہ تعالیٰ (حقیقت کے) جاننے والے حکمت والے ہیں۔

تشریح وتفسیر

اس ندار مبارک کی تشریح سے پہلے آیت کے شانِ نزول کا یہ واقعہ نظر میں رکھنا ہوگا جس کا ذکر اکثر مفسرین کرام نے اپنی تفسیروں میں فرمایا ہے۔

آیت شریفہ کے نزول سے پہلے ایک عجیب صورتِ حال پیش آگئی تھی، مفسرین کرام کے بیان کے مطابق واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو قبیلہ بنی المصطلق سے زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا اور صورتِ حال یہ تھی کہ حضرت ولید کے اہل قبیلہ اور قبیلہ بنی المصطلق کے درمیان زمانۂ جاہلیت ہی سے کچھ دشمنی چلی آرہی تھی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں وصولی زکوٰۃ کے لئے چلے تو گئے لیکن پرانی دشمنی وعداوت یاد کرکے دل ہی دل میں ڈر بھی رہے تھے، شیطان نے بھی کچھ وسوسے ڈال کر انھیں اور بھی ڈرا دیا اور انکی ہمت نہ پڑی کہ یہ بنی المصطلق تک پہنچکر ان سے زکوٰۃ وصول کریں۔ اس لئے راستہ ہی سے لوٹ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر یوں ہی بات بنادی کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا ہے بلکہ وہ تو میرے قتل پر آمادہ تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی المصطلق کے متعلق یہ شکایت سن کر سخت برہم ہوگئے اور ان لوگوں سے جنگ کا ارادہ فرمانے لگے تھے کہ ان لوگوں کیطرف سے ایک وفد آگیا اور عرض کیا کہ ہم لوگ اسوقت اس تحقیق کیلئے حاضر ہوئے ہیں کہ آخر ہم سے ایسی کیا غلطی ہوگئی کہ حضور نے وصولی زکوٰۃ کیلئے مقررہ وقت پر اپنا کوئی آدمی ہمارے پاس نہیں بھیجا، ہم ابتک برابر انتظار کرتے رہے اب ہمیں شبہ ہونے لگا کہ شاید آپکو ہم لوگوں سے کوئی شکایت ہوگئی ہے اور آپ ہم سے ناراض ہوگئے ہیں اسلئے ہم اطمینان دلانے آئے ہیں کہ ہم سب بدستور آپکے وفادار وجاں نثار ہیں۔ یہ ولید تو ہم تک پہنچے ہی نہیں خدا جانے کیوں یہ راستے ہی سے لوٹ آئے۔

واقعہ کی یہ تفصیل سننے کے بعد بھی آپ نے دونوں بیانوں کی مزید تحقیق ضروری

سمجھی اور حضرت خالد بن الولید کو اس تحقیق کیلئے وہاں بھیجا۔ انھوں نے وہاں جاکر دیکھا کہ وہ لوگ نماز کے وقت اذان دیتے ہیں نماز پڑھتے ہیں پوری طرح مسلمان ہیں تب انھوں نے ان لوگوں سے زکوٰۃ کی رقم وصول کی اور لاکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردی۔

یہ ہوا آیت کا شانِ نزول، اس موقع پر سورۂ حجرات کی یہ آیت نازل ہوئی:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق کوئی بڑی اور اہم خبر لیکر آئے تو اس کی تحقیق وتصدیق کرلیا کرو

فاسق:- شرعی اصطلاح میں مرتکبِ کبیرہ کو کہتے ہیں اور نبأ کسی اہم اور بڑی خبر کیلئے بولا جاتا ہے۔

آیت مذکورہ میں بھی یہ لفظ ایک ایسی ہی خبر کیلئے بولا گیا ہے جو اپنے پس منظر کے پیش نظر نہایت درجہ اہم تھی کہ اس خبر کے نتیجہ میں بنی المصطلق کے پورے قبیلہ ہی کا مسلمان ہونا مشکوک ومشتبہ ہوا جارہا تھا اور اسے کافر سمجھ کر اس سے جنگ کی تیاری بھی ہونے لگی تھی۔

{یہاں پر ایک خاص بات قابلِ غور یہ ہے کہ آیت کے مندرجہ بالا شانِ نزول کو اگر مدِ نظر رکھا جائے اور واقعہ کی یہی تصویر مانی جائے کہ حضرت ولید نے کسی بھی وجہ سے اس موقع پر غلط بیانی کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلط خبر پہنچائی تھی جس کا اعتبار کرکے آپ نے ان لوگوں سے جنگ کی تیاری شروع کردی تھی تو اس صورت میں آیت میں آئے ہوئے امر "فَتَبَیَّنُوْا" کا خطاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہونا چاہئے تھا مگر آیت میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا فرماکر اہل ایمان کو مخاطب فرماکر انھیں تبین وتحقیق کا حکم دیا گیا ہے اس کی وجہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید حضرت ولید بن عقبہ ہی کیطرف آیت کا روئے سخن ہے اور انھیں کو کسی شخص نے قبیلہ بنی المصطلق کے متعلق کوئی غلط خبر پہنچادی تھی جسے انھوں نے بغیر تحقیق سچ سمجھ لیا اور راستہ ہی سے لوٹ آئے اور واپس آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شکایت کردی۔

ممکن ہے کہ شان نزول کے نقل کرنے میں پورے واقعہ کی کوئی کڑی چھوٹ

گئی ہے جسکی وجہ سے آیت میں آئے ہوئے لفظ "فاسق" کا مصداق حضرت ولید کو سمجھ لیا گیا حالانکہ اس کا مصداق وہ شخص بنتا ہے جو شانِ نزول میں نظر انداز ہو گیا جس نے حضرت ولید کو کوئی غلط خبر پہنچا کر بنی المصطلق والوں کیطرف سے بدگمان کر دیا تھا۔

شانِ نزول میں کسی طور پر یہاں واقعہ کی ایک کڑی چھوٹ گئی جسکے نتیجہ میں مفسرین کو فاسق کا مصداق حضرت ولید کو قرار دینا پڑا۔

تفسیر طبری میں اس آیت کے تحت آٹھ روایات ذکر کی گئی ہیں پہلی روایت جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ولید کے نام کی صراحت نہیں ہے بلکہ "رَجُلاً" کا لفظ آیا ہے کہ آپ نے ایک شخص کو بھیجا، اسی طرح آٹھویں روایت میں بھی "ولید" نام کی جگہ "رَجُلاً" آیا ہے ایسی صورت میں فاسق کا مصداق متعین طور پر حضرت ولید کو قرار دینا قابل غور ہے۔

بظاہر اس بات میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت ولید کو کسی نے غلط خبر دی تھی اور انھوں نے بغیر تحقیق اسے صحیح سمجھ لیا اور راستہ ہی سے لوٹ آئے اسلئے جملہ اہلِ ایمان کو معاشرت کا ایک اہم اصول بتا دیا کہ بغیر تحقیق خبر کا یقین نہ کر لیا کرو۔

یہ آیت اسی مقصد کیلئے نازل ہوئی ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی کیا کہ بنی مصطلق کے وفد کی بات سننے کے بعد بھی یہ ضرورت سمجھی کہ واقعہ کی مزید تحقیق کر لی جائے اور آپ نے حضرت خالد بن الولید کو تحقیقِ واقعہ کیلئے بھیجا انھوں نے آکر وفد کے بیان کی تصدیق کی تب آپ پوری طرح مطمئن ہوئے۔

تفسیری روایات میں یہ بات نہ مل سکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ولید کی اس غلط بیانی پر (جس کے نتیجہ میں ایک قبیلہ کا اسلام مشکوک ہو رہا تھا، یہانتک کہ اس قبیلہ سے ارادۂ جنگ بھی ہو رہا تھا) آپ نے ان سے کوئی جواب طلب کیا ہو یا انھیں کوئی تنبیہ و فہمائش فرمائی ہو، اگر واقعۃً ایسا نہیں ہوا ہے تو بجائے خود ایک بہت بڑا قرینہ ہے کہ اس غلط بیانی کا فسق ان سے سرزد نہیں ہوا تھا حالانکہ ایک دوسرے موقع پر ایک دوسرے واقعہ میں حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلطی پر آپ نے ان سے جواب طلب فرمایا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

سخت ردِ عمل بھی سامنے آیا ہے مگر یہاں اس قسم کی کوئی بات نہیں ملتی ہے]

بہر حال مختصر یہ کہ آیتِ مبارکہ میں اسلامی معاشرت کا یہ اصول بتایا گیا ہے کہ جب کوئی غیر ثقہ اور ناقابل اعتبار شخص کوئی خبر دے تو تمہارا پہلا فرض یہ ہونا چاہئے کہ اس خبر کی تحقیق و تصدیق کر لو اسکے بعد اس معاملہ میں کوئی فیصلہ کرو تبین کا مطلب یہی ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اگلی آیت میں اس بات کیطرف یوں اشارہ فرما دیا ہے کہ تم کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ابھی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس موجود ہیں لہٰذا دل میں یہ خطرہ و اندیشہ بھی رکھو کہ اگر تم جھوٹ بولو گے تو ابھی تو وحی آتی رہتی ہے کوئی وحی نازل ہو جائیگی اور جھوٹ ظاہر کر کے تم کو شرمندہ کر دیگی۔

آیتِ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ تنبیہ بھی فرمائی ہے کہ تم لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ سمجھو کہ اللہ نے انھیں مطاع بنایا ہے۔ تمہارا مطیع نہیں بنایا، مطیع تم ہو تمہارا کام انکی اطاعت ہے لہٰذا تم انھیں اپنی خواہش کا پابند و تابع بنانے کا خیال بھی دل میں نہ لانا۔ اگر ایسا کرو گے تو اندیشہ ہے کہ اگر اللہ کے رسول نے تمہاری رائے پر چلنا اختیار کر لیا تو پھر تم لوگ سخت مشکل میں پڑ جاؤ گے لہٰذا عافیت و سلامتی اسی میں ہے کہ تم صرف انکی مرضی پہ چلنے کا اہتمام کرو۔

آیت کے اگلے ٹکڑے میں حضرات صحابہ کرام کی فضیلت کا بیان ہے فرماتے ہیں۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ	لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب اور
وَزَيَّنَهٗ فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ	تمہارے دلوں میں مرغوب بنا دیا ہے اور کفر
اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ	و فسق اور معاصی کو تمہارے لئے ناپسندیدہ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا	اور مکروہ بنا دیا ہے یہی لوگ اللہ تعالےٰ کے فضل و
مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝	انعام کی بدولت راہ یاب ہیں اور اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت اس سے دلچسپی و رغبت رکھدی ہے اور اسی نے کفر و فسق اور عصیان و نافرمانی کو تمہارے نزدیک مکروہ و ناقابل نفرت ٹھہرایا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہئے کہ تم لوگ ایسے کام ہی نہ کرو کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف کوئی خلافِ واقعہ بات منسوب کرو یا انھیں اپنی مرضی پر چلانے کی کوشش کرو یا ان سے کوئی بیجا فرمائش کر کے انکی

تکلیف کا ذریعہ بن جاؤ۔ چونکہ اللہ تعالے کو تمہیں ایسا بنانا تھا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے دلوں کیلئے محبوب اور کفر وفسق اور عصیان کو مکروہ بنادیا اب تم لوگ پوری طرح صاحبِ رشد و ہدایت ہو، اب تمہارے دلوں میں برے منصوبے تیار نہ ہوں گے اور اس بات کی کوئی گنجائش نہ رہے گی کہ تم حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنی خواہشات کی فرمائشات کرو۔

اس آیتِ مبارکہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے "اصحاب کرام" ہی کو "رَاشِدُوْن" (راہ یاب کہا گیا ہے چنانچہ حضرات خلفائے راشدین حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس کے اولین و خصوصی مصداق ہیں ان کے علاوہ بھی اللہ تعالے نے جن حضرات کے لئے ایمان کو محبوب و مرغوب اور کفر و شرک کو قابل نفرت و مکروہ بنادیا ہو وہ حضرات بھی اس کے مصداق قرار پائیں گے، انھیں بھی "راشدین" اور سبیل رشد کے سالکین کہا جائے گا کیونکہ راہِ رشد و ہدایت پر چلنے والے ہی دنیا میں صفا و طہارت اور عزت و کرامت اور آخرت میں اللہ تعالے کی رضا و خوشنودی اور نعمت و جنت کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو صاحب رشد و ہدایت ہونیکی بشارت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالے نے یہ بھی فرمادیا کہ اللہ کا ان کے ساتھ یہ خصوصی معاملہ (کہ ایمان کو ان کیلئے محبوب و مرغوب اور کفر و شرک کو ناپسند و مکروہ بنادیا) درحقیقت یہ اللہ کا ان پر فضل و انعام ہے کیونکہ اللہ تعالے کو ان حضرات کے حسنِ نیت اور طہارتِ نفس کا پورا پورا علم ہے اور چونکہ صاحبِ حکمت بھی ہے اس لئے اپنی حکمت و تدبیر سے ان کے لئے یہی تدبیر کی کہ ان کے دلوں میں ایمان کو محبوب اور کفر وفسق کو مکروہ بنادیا جس کی وجہ سے ان حضرات کیلئے ایمان لانا اور ایمانی تقاضوں پر عمل کرنا اور کفر وفسق سے دور رہنا اور ان کے تقاضوں سے رکنا اور پرہیز کرنا آسان ہوگیا۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور اور لائق توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصلاً تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام کیلئے یہ اعلان فرمایا ہے اور پھر ان کے طفیل میں ایسے دوسرے لوگوں کیلئے بھی یہ اعلان فرمادیا کہ جن لوگوں کے دلوں میں ایمان محبوب و مرغوب اور کفر وفسق اور عصیان قابلِ نفرت اور مکروہ ہوگیا ہو ان

حضرات صحابہ راشدین کے طفیل میں وہ بھی "راشدین" کے مصداق قرار پاسکیں گے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام چونکہ عظیم الشان اور فقید المثال ہیں ان کا مقام و مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت کی بدولت سب سے بڑھ کر بلند اور ممتاز ہے لہٰذا جملہ امت محمدیہ علی صاحبہا التحیہ میں یہ حضرات افضل ترین افراد امت ہیں ان کے بعد میں آنے والا کوئی بھی امتی ان کا مقام و مرتبہ اور ان کی ہمسری حاصل نہیں کرسکتا۔ یہ حضرات دنیا و آخرت دونوں ہی جگہ میں سب سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات سے راضی ہو اور انھیں بھی خوش کردے اور انکے طفیل میں ہم سے بھی راضی، خوش ہو جائے۔ آمین

سلٰمٌ علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین

○

بہترؔویں نداء

مسلمان کے ساتھ مسخرہ پن اور مذاق کرنا حرام ہے
مسلمان کیلئے تکلیف دہ برالقب تجویز کرنا حرام ہے

○

سورۃ الحجرات
آیت (۱۱)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ
قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا
خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ
عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا
تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا
بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ
بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

اے ایمان والو! نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب ہے کہ وہ لوگ ان (ہنسنے والوں) سے بہتر ہوں۔

ترجمہ پورا نہیں ہے

اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے کو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو اور ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام تو لگنا ہی (مسلمان کیلئے) برا ہے اور جو لوگ ان باتوں سے نہ رکیں تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔

تشریح ناظرین کرام میں بہت سے لوگوں کو معلوم ہی ہوگا جنھیں معلوم نہ ہوا نھیں معلوم ہونا چاہئے کہ سورۃ حجرات میں یہ نداآت رحمانی کل پانچ ہیں جنمیں

تین پہلے گذر چکی ہیں، چوتھی یہ ہے جو اس وقت آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں، پانچویں نداء آئندہ اس کے بعد ملاحظہ فرمائیں گے۔

اور یہ پانچوں خطابات رحمانی ایسے ہیں جن میں اللہ تعالےٰ نے اہلِ ایمان بندوں کی دینی تربیت اور ان کے تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفوس، تعلیم آداب سے متعلق ہدایات دی ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ یہ اہلِ ایمان اپنے ایمان باللہ اور ایمان آخرت کی بدولت اس قسم کی تعلیم و تربیت کے اہل بھی ہیں صرف اتنی ہی بات نہیں ہے بلکہ یہ اہلِ ایمان قرآن مجید اور اس کے تمام احکام خود رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکی سیرت و سنت پر ایمان و اعتقاد رکھتے ہیں اسلئے تمام اہلِ ایمان کو پورے غور و فکر اور توجہ کے ساتھ ان نداءات کو پڑھنے اس پر غور کرنے ان کے معانی مطالب کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی ضرورت ہے امید ہے کہ اسی طرح ان میں کمال پیدا ہو جائے اور دارین میں سعادت حاصل ہو۔ اللہ تعالےٰ یہ امید خود مصنف و مترجم کیلئے اور جملہ اہلِ ایمان کے حق میں پوری فرمادے۔ آمین

اس مختصر و ضروری تمہید کے بعد اب اس چوتھی نداء کی تشریح و تفسیر ملاحظہ ہو۔

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ" اے ایمان والو! تم میں سے مرد دوسرے مردوں کی ہنسی نہ اڑائیں"۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو حقیر و ذلیل سمجھ کر اس پر نہ ہنسے کیونکہ کسی کو اس طرح ہنسنا حرام ہے جو اللہ تعالےٰ کو تم پر غضبناک کر دیتا ہے اور آپ لوگ کس طرح خدا تعالےٰ کے غضب کو ہنسی خوشی پسند کرلیں گے حالانکہ اپنے ایمان و تقویٰ کیوجہ سے آپ اس کے دوست ہیں اور وہ آپ کا دوست ہے۔

اور "عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ" فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ بہت ممکن ہے کہ جس پر تم لوگ ہنس رہے ہو وہ اللہ تعالےٰ کی نظر میں ہنسنے والوں سے بہتر ہو اور اچھے برے ہونے میں تو اللہ تعالےٰ کے یہاں اچھے ہونے کا اعتبار ہے جو خدا کے یہاں اچھا ہے وہی اچھا ہے دنیا والے اسے چاہے جتنا برا سمجھتے رہیں لہٰذا کسی مسلمان کو ذلیل و حقیر سمجھ کر اس پر دوسرے مسلمان کا ہنسنا بہت ہی برا ہے کیونکہ اسے یہ تو معلوم ہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کون اچھا ہے کون برا

ہے ہوسکتا ہے جسے وہ ذلیل وحقیر سمجھ رہا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر اور اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو اسلئے ہمیں یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے جو نہایت درجہ ضروری ہے وہ یہ کہ ہم اس قسم کے استہزاء و مسخرہ پن سے پوری طرح بچیں کہ کسی وقت بھی اللہ تعالےٰ کی نظر میں یہ بات نہ آئے کہ ہم میں سے کچھ لوگ دوسرے کچھ لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھ کر ان کی ہنسی اڑا رہے ہوں اور دوسری طرف ہم اپنے آپ کو متقی اور اللہ کا دوست بھی سمجھ رہے ہوں۔

اسی طرح آیتِ شریفہ کے اس دوسرے ٹکڑے کا مطلب سمجھنا چاہئے جس میں مسخریہ و مسخرہ پن کی یہی ممانعت عورتوں کو بھی فرمائی گئی ہے کہ ایمان والی عورتیں بھی اس بات سے بچیں کہ باہم ایک دوسرے کو حقیر و ذلیل سمجھ کر اس کی ہنسی اڑائے کیونکہ یہی امکان وہاں بھی ہے کہ شاید وہ ہنسی جانے والی عورت ان ہنسنے والی عورتوں سے بہتر ہو اور اللہ تعالےٰ کو محبوب ہو لہٰذا جس طرح اہلِ ایمان مردوں کیلئے دوسرے پر حقارت سے ہنسنا ممنوع و حرام ہے اسی طرح یہ بات مومن عورتوں کے حق میں بھی حرام ہے کیونکہ یہ بات کبھی کبھی عداوت و دشمنی اور لڑائی کا سبب بن جاتی ہے اور کبھی کبھی تو اس کیوجہ سے جنگ و جدال اور قتل و خوں ریزی کی بھی نوبت آجاتی ہے اور یہ بات کسی بھی صاحبِ ایمان کو کب زیب دے گی کہ وہ اپنے مومن بھائی یا بہن کی عداوت و دشمنی یا اُس کا قتل و خون ریزی پسند کرے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے آمین۔

اور جس طرح مسلمان کا یہ ہنسی اڑانا اور دوسرے کو حقیر و ذلیل سمجھنا حرام ہے اسی طرح کسی مسلمان کی عیب جوئی کرنا یا تحقیر و مسخرہ پن کے طور پر مسلمان کیلئے کوئی نام و لقب تجویز کرنا بھی حرام ہے کیونکہ اُس ندا مذکور میں اللہ تعالیٰ نے اس لَمز (عیب جوئی) اور تنابز بالالقاب (برے لقب مقرر کرنے) کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝	اور باہم ایک دوسرے میں عیب نکالو اور عیب جوئی کرو اور نہ برے لقب ایک دوسرے کو پکارو ایمان کے بعد تو فسق کا نام لگ جانا ہی برا ہے اور جو شخص توبہ نہ کرے تو ایسے لوگ ہی ظالم ہیں۔

عربی زبان میں "لمز" کے معنیٰ ہیں عیب نکالنا۔ یعنی تم آپس میں ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کیا کرو اور یہ بات ذہن میں رکھو کہ تم سب اہلِ ایمان ایک فرد کی حیثیت رکھتے ہو۔ لہٰذا یہ بات جائز نہیں ہے کہ کوئی مومن اپنے دوسرے مومن بھائی کا عیب نکالے کیونکہ جو شخص اپنے کسی بھائی کا عیب نکال رہا ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے وہ خود آپ اپنا عیب ظاہر کر رہا ہو اور کبھی کبھی یہ صورت کبھی تو ہو ہی جاتی ہے کہ تم جس کا عیب نکال رہے ہو اس کے جواب میں وہ تمہارا کوئی عیب ظاہر کر دیتا ہے، اس صورت میں تو دوسرے کی عیب جوئی خود اپنا عیب نکالنے کا سبب بن ہی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے آیتِ شریفہ میں "وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ" فرما کر اسی عیب جوئی کی ممانعت فرمائی ہے اور اسی عیب جوئی ہی سے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ روایت بھی ہے جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ اکثر انسان کے بولنے ہی کے ساتھ بلا کا نزول متعلق اور وابستہ ہوتا ہے چنانچہ میں اگر کبھی کسی کتے کے ساتھ کوئی مذاق کر لیتا ہوں تو اس بات کا ڈر محسوس کرتا رہتا ہوں کہ کہیں اس کی سزا میں کتا نہ بنا دیا جاؤں۔

اسی طرح آیت کے دوسرے ٹکڑے "وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ" کو بھی سمجھ لیا جائے کہ کسی صاحبِ ایمان کیلئے یہ بات جائز ہی نہیں ہے کہ وہ اپنے کسی مومن بھائی کیلئے کوئی ایسا برا لقب استعمال کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہو کیونکہ کبھی کبھی یہ بات بھی عداوت و دشمنی بلکہ جنگ و قتال تک نوبت پہنچا دیتی ہے پھر یہ بھی سمجھ لو کہ ایمان جیسی دولت پا جانے کے بعد فسق کا نام لگ جانا ہی بہت بری بات ہے لہٰذا جب کوئی شخص ایمان سے مشرف و سرفراز اور عادل کامل قرار پا گیا تو اب ایسے شخص کو کافر، فاسق، فاجر وغیرہ الفاظ سے پکارنا اور مخاطب کرنا بہت ہی برا اور ناجائز و حرام ہے۔

آخر میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝	جو لوگ ان باتوں سے نہ رکیں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

یعنی جو لوگ کسی صاحبِ ایمان کو حقیر سمجھنے اور اس کی ہنسی اڑانے یا صاحب

کی عیب جوئی کرنے یا اس کے لئے کوئی برا و ناگوار لقب استعمال کرنے سے نہ رکیں اور ان گناہوں میں مبتلا رہیں تو پھر تو یہی لوگ ظالم ہیں انھیں جو سزا دی جائے گی وہ ظلم ہرگز نہ ہوگی یہ لوگ خود ہی اپنی ان نافرمانیوں کیوجہ سے خدا تعالیٰ کے عذاب وعقاب کے مستحق ٹھہریں گے اللہ تعالےٰ ہم سب اہلِ ایمان کو اپنے عذاب سے محفوظ رکھے آمین۔

تنابز بالالقاب کی ممانعت کے حکم میں وہ تمام القاب آجاتے ہیں جن سے اسکی تحقیر واہانت منظور ہو اور اسے ناگوار گذرے۔ اور جن القاب میں یہ بات نہ ہو وہ القاب بولے جاسکتے ہیں اور ہمیں یہ بات ہمیشہ ہی یاد رکھنی چاہیئے کہ ہر مومن کی مثال دوسرے مومن کے ساتھ ایسی ہی ہے جیسے کوئی ایک دیوار ہو جس کی ایک اینٹ سے دوسری اینٹ مزید مستحکم و مضبوط ہوتی ہے ایسی صورت میں یہ بات کیسے صحیح ہوسکتی ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کا عیب نکالے یا اس کا برا نام نکالے کہ اس سے باہم کمزوری پیدا ہوگی آپس میں دشمنی و عداوت پیدا ہوگی۔

لہٰذا یہ بات ضروری ہے کہ ہم اپنے لئے یہ بات لازم کرلیں کہ ہم اپنے بھائیوں کے ساتھ صرف صحیح اور سچی ہی بات زبان سے نکالیں گے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

○

تہترویں (۷۳) ندا

صرف ظن و گمان سے کچھ کہنا درست نہیں ہے
بدگمانی سے پرہیز واجب ہے
تجسُّس و غیبت حرام ہے ،
اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا واجب ہے

{ سُوْرَۃُ الحُجُرات
آیت (۱۲) }

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ۝

اے ایمان والو! گمانوں سے بہت بچا کرو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہوتی ہے اور عیب کی ٹوہ نہ لگایا کرو اور کوئی کسی کی غیبت (پیٹھ پیچھے برائی) نہ کیا کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھالے تم اسکو تو برا سمجھتے ہی ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

تشریح وتفسیر سورۂ حجرات میں آئی ہوئی پانچ نداؤں میں سے یہ آخری پانچویں ندا ہے اور پانچوں ندائیں مومن کی انفرادی اجتماعی زندگی کیلئے اصلاحی ہدایات پر مشتمل ہیں۔

چنانچہ سورۂ حجرات کی پہلی ندا مومن کی یہ تعلیم دے رہی ہے کہ وہ کتاب و سنت کے مقابلہ میں اپنی رائے کو کسی حالت میں بھی آگے نہ بڑھایا کرے تاکہ ہر معاملہ میں حکم کا دار و مدار صرف شریعتِ اسلامیہ ہی پر رہے اور لوگوں کے معاملات فیصلہ کیلئے صرف شریعت ہی کیطرف لائے جائیں، کتاب و سنت نے جو باتیں مشروع کی ہوں وہی مشروع ٹھہریں اور جن باتوں کو کتاب و سنت نے واجب ٹھہرایا ہو وہی واجب قرار پائیں، اور جسے حرام کیا ہو وہ حرام رہے۔

اس کے بعد اس ادب کی تعلیم دی گئی ہے جو حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر مومن کو ملحوظ رکھنا واجب ہے۔ اسی طرح آپ کے صحابۂ کرام اور علمائے امت کے ساتھ ادب کا معاملہ رکھنا واجب ہے، دوسری یہ بات بھی سمجھنا اور جاننا ضروری ہے کہ یہ ادب جس کی یہاں تعلیم دی گئی ہے یہ اہلِ ایمان کی ایک نشانی ہے کسی صاحبِ ایمان کا اس ادب سے خالی رہنا جائز ہی نہیں ہے یہ ادب حفظِ مراتب ملتِ اسلامیہ کی وہ خصوصیت ہے جس کی بدولت ملتِ اسلامیہ دوسری ملتوں سے ممتاز ہوتی اور پہچانی جاتی ہے۔

تیسری ندا میں اللہ تعالےٰ نے اہلِ ایمان کو کسی خبر کو سنکر اس کے متعلق جلد بازی میں فیصلہ کرنے سے روکا اور پوری طرح تحقیق و اطمینان حاصل کرنیکا حکم دیا ہے تاکہ انفرادی طور پر کوئی مومن یا اجتماعی طور پر پوری ملت غلطی اور غلط فہمی کیوجہ سے کسی ایسی صورت سے دوچار نہ ہو جائیں کہ ملتِ اسلامیہ کا امن ہی خطرہ میں پڑ جائے اور پوری ملت اپنے مقام سے نیچے گر جائے یا کوئی غیر ضروری ذمہ داری اس کے سر پڑ جائے۔

چوتھی ندا میں سخریہ و استہزا (مضحکہ خیزی و مسخرہ پن) کی حرمت بیان کی گئی ہے جس طرح مومن کا عیب نکالنے اور اسے برے لقب سے پکارنے کی حرمت بیان کی گئی ہے۔

اب یہ پانچویں ندا ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے ہر مومن کیلئے یہ بات ضروری قرار دی ہے کہ وہ اپنے مومن بھائی کے ساتھ بدگمانیوں سے بہت بچتے رہیں چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:

اے ایمان والو! اے وہ لوگو! کہ تم لوگ اللہ تعالےٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی و رسول ہونے پر ایمان رکھتے ہو! بہت گمانوں سے بچتے رہو۔ اس حکم کے ساتھ ہی اس کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ گمان سے بچنے کا حکم اسلئے دیا جارہا ہے کہ بعضے بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں تو جب بعض گمان گناہ ہو سکتے ہیں تو پہلے ہی سے تم یہ احتیاط کرلو کہ گمان سے کام ہی نہ لو کہ کسی وقت گناہ تک پہنچنے کی نوبت ہی نہ آئے جو اللہ تعالےٰ کے عقاب و غضب کا موجب ہو جائے۔

لہٰذا اللہ تعالےٰ کے عقاب و غضب سے بچنے کی صرف یہی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ مومن صرف ایسے ہی شخص کے متعلق کوئی بدگمانی کرسکتا ہے جس کے حالات میں ایسے قرائن پائے جاتے ہوں جنکی وجہ سے اس بدگمانی کی کچھ بنیاد پائی جاتی ہو بغیر اس کے کسی مومن کے حق میں بدگمانی ناجائز ہے چنانچہ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ	بدگمانی سے بہت دور رہو کیونکہ بدگمانی تو بہت ہی جھوٹی بات ہوتی ہے۔

آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالےٰ نے ایک ہدایت یہ فرمائی ہے "وَلَا تَجَسَّسُوْا" یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے عیب کی ٹوہ نہ لگایا کرے اور بے ضرورتِ شرعی کسی کا عیب کرید کرید معلوم نہ کیا کرے کیونکہ اس میں بہت نقصانات ہو جاتے ہیں۔ یہ لفظ "جیم" کے ساتھ تجسس اور "حا" کے ساتھ تحسّس بھی آتا ہے اور دونوں کے معنیٰ قریب قریب ہیں استعمال کے لحاظ سے دونوں میں کچھ فرق ہے وہ یہ کہ حا کے ساتھ "اچھی بات کا سراغ" لگانے اور پتہ لگانے کیلئے آتا ہے اور جیم کے ساتھ تجسّس "بری بات اور عیب کی ٹوہ لگانے کے لئے بولا جاتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحیح بخاری شریف کی حدیث کے مطابق بدگمانی کی ممانعت فرمائی ہے جس کا ایک ٹکڑا اوپر گذر چکا "اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ" اور بقیہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَحَسَّسُوْا
وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا
وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا
وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا

لوگوں کی پوشیدہ باتوں کا اور انکے عیبوں کا سراغ لگانے کی کوشش نہ کرو، نیلام کی بولی نہ بڑھاؤ (جب خریدنے کا ارادہ نہ ہو) ایک دوسرے پر حسد نہ کرو ایک دوسرے سے بُغض وکینہ نہ رکھو، ایک دوسرے سے باہم دشمنی نہ رکھو بلکہ اللہ کے بندے اور باہم بھائی بھائی بن کر رہو۔

اس حدیث پر غور فرمائیے جس میں مندرجہ ذیل امور کی حرمت بیان فرمائی گئی ہے۔

(۱) اہلِ ایمان مومن بھائیوں اور خاص کران کے صالح افراد کے ساتھ بدگمانی حرام ہے۔

(۲،۳) کسی مسلمان کے پوشیدہ حالات کا سراغ لگانا اور انکی ٹوہ میں رہنا کہ اسے کوئی نقصان پہنچایا جا سکے، تجسّس اور تحسّس دونوں ہی کا ایک حکم ہے، ہاں صرف اس بات کی گنجائش ہے کہ کسی مسلمان کی خبر گیری کرنے اس کی ضرورت پوری کرنے کی نیت سے اس کے حالات کا پتہ لگاتا رہے کہ اس کی ضرورت پوری کردے یا اس کی کسی کوتاہی اور کمی کا علم ہو تو اسے نصیحت کرکے اس کی اصلاح کردے لیکن جبتک وہ بات پوشیدہ ہو اس کی تلاش وجستجو نہ کرنی چاہئے بلکہ اگر اس کی مدد و خبر گیری مقصود ہو تو اس سے اس طرح دریافت کرلے کہ آپکو کچھ چاہئے تو بتا دیجئے؟ آپکو کچھ ضرورت تو نہیں؟ آپکو کچھ تکلیف تو نہیں؟

(۴) نجَش یعنی صرف دام بڑھانیکے لئے نیلام میں بولی بولنا (جب خریدنا مقصود نہ ہو) حرام ہے۔

(۵) حَسَد حرام ہے جسکی حقیقت یہ ہے کہ اپنے کسی دوسرے مسلمان بھائی کے پاس کوئی اچھی چیز دیکھے یا اس میں کوئی صفتِ کمال دیکھ کر یہ تمنا کرے کہ یہ خوبی اور یہ نعمت اس کے پاس نہ رہ جائے چاہے اس کو ملے یا نہ ملے اسکے پاس نہ رہ جائے۔

(۶) ایک دوسرے کے ساتھ بغض وکینہ رکھنا حرام ہے لہٰذا کوئی بھی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ بغض وکینہ نہ رکھے چاہے اس کا بھائی اس سے بغض ہی رکھتا ہو۔

(۷) مسلمان کو دوسرے مسلمان سے دشمنی رکھنا اور قطع تعلق رکھنا حرام ہے۔

(۸) مسلمان کا باہم بھائی بھائی بن کر رہنا واجب ہے اور یہ واجب اسی طرح ادا ہوگا کہ مسلمان بھائی کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے، اسے ایذار سانی اور تکلیف سے بچایا جائے، اس کے ساتھ بدگمانی نہ کی جائے، اسکی عیب جوئی نہ کی جائے اس کے مقابلے میں نیلام کی بولی نہ بڑھائی جائے، اس پر حسد نہ کیا جائے، اس سے بغض ودشمنی نہ کی جائے، قطع تعلق نہ کیا جائے۔ ان باتوں کی پابندی سے ایمانی اخوت اور اسلامی بھائی چارہ کا ماحول بنے گا۔

آخری ہدایت یہ فرمائی گئی (وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا) یعنی کوئی مومن اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کا ذکر ایسے طور پر کرنا جو اسے ناگوار ہو، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے غیبت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ غیبت کیا چیز ہے؟ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھنے والے سے فرمایا کہ "تمہارا اپنے کسی بھائی کا ذکر اس طرح کرنا جو اسے اچھا نہ لگے۔ تو پوچھنے والے نے دریافت کیا کہ اگر وہ برائی اس شخص میں واقعۃً موجود ہو تب بھی کیا اس کا ذکر کرنا برا ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ برائی اس شخص میں موجود ہو تب ہی تو یہ غیبت ہوگی۔ اور اگر وہ بری بات اس میں موجود ہی نہ ہو اور تم برائی کرو تو یہ تو بہتان طرازی ہوگی اور یہ بہتان طرازی تو اور بھی بری بات ہے اور غیبت کی سب سے بری قسم ہے۔

اس موقع پر اللہ تعالےٰ نے غیبت کی شناعت وقباحت اس کی خرابی وبرائی ذہن نشین کرنے کے لئے غیبت کی صرف ممانعت پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اسکی برائی سمجھانے کے لئے ایک محسوس مثال بھی بیان فرمادی ہے وہ یہ کہ:

کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ ظاہر ہے اس سوال کا جواب ہر شخص جانتا ہے ہر ایک یہی کہے گا کہ اس بات کو تو کوئی بھی پسند نہ کرے گا اور بہ یک زبان ہر ایک یہی کہے گا کہ نہیں نہیں! تو سمجھ لو کہ جس طرح تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا نہیں پسند کرتے ہو اور اس سے بچنا چاہتے ہو تو اپنے زندہ بھائی کی

برائی کر کے اس کی عزت لینا اور آبرو ریزی کرنا بھی اپنے لئے برا کیوں نہیں سمجھتے حالانکہ گوشت پوست عزت و آبرو کے مقابلہ میں بہت ہی کم قیمت اور بے حقیقت چیزیں ہیں۔

اس موقع پر حکمت آمیز و نصیحت آمیز یہ عربی شعر ملحوظ رہنا چاہیے ؎

فَاِنْ اَکَلُوْا لَحْمِیْ وَفَرْتُ لُحُوْمَهُمْ   وَاِنْ هَدَمُوْا مَجْدِیْ بَنَیْتُ لَهُمْ مَجْدًا

(لوگ اگر میرا گوشت اور میری بوٹیاں کھائیں تو میں ان کے لئے گوشت اور بڑھا دوں، اور اگر وہ لوگ میری بزرگی و عزت ڈھانے لگیں مجھے بے عزت کرنے لگیں تو میں ان کے لئے عزت و مجد کی بنیاد قائم کر دوں)

عربی شعر کو اردو شعر میں یوں منتقل کر دیا ہے ؎

اگر لوگ میرا گوشت کھائیں تو اور دوں   کریں مجھ کو بے عزت تو کر دوں انھیں عزیز

آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ باہم ایک دوسرے کی غیبت کرنے کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو کیونکہ یہ غیبت ہی بہت سی برائیوں اور باہمی لڑائیوں کا سبب بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ کا خاتمہ "اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ" فرما کر کیا ہے، اس سے یہ بتانا منظور ہے کہ توبہ کا دروازہ مرتے دم تک کھلا رہتا ہے جو شخص بھی زندگی کی حالت میں توبہ کر لے گا تو اللہ تعالیٰ اسکی توبہ قبول فرما کر اس پر رحم فرمائیں گے اور اس طرح وہ اس کے عذاب سے محفوظ رہ جائے گا فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالْمِنَّةُ (اللہ تعالیٰ ہی کا شکر و احسان ہے)

اے اللہ ہم سب آپ کی بارگاہ میں توبہ کناں ہیں ہماری توبہ قبول فرما اور ہم پر رحم فرما۔ آمین

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ
وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

❁

چوہترویں ندا

اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان واجب ہے اور اس کا جو بدلہ ملے گا اس کا بیان

○

{ سُوْرَةُ الْحَدِیْد
آیت (۲۸) }

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے دوہرا حصہ دے گا اور تمہارے لئے ایک روشنی عطا فرمائے گا جسکی وجہ سے تم (بہ آسانی) چلو گے اور تمہاری مغفرت فرما دے گا اور اللہ تو غفور و رحیم ہے ہی۔

تشریح و تفسیر

ناظرین کتاب یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھیں کہ اس آیت میں آیا ہوا خطاب اگرچہ عام اہل ایمان کیلئے معلوم ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت یہ ندا ان اہل کتاب کو ہو رہی ہے جو اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) ہیں سے ہوتے ہوئے صاحبِ ایمان تھے اور اسی وجہ سے وہ اس زعم میں بھی مبتلا تھے کہ صرف وہی لوگ صاحبِ ایمان ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت میں اسکی لقاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ انھیں یہاں عنوان کی نسبت سے مخاطب اسی لئے

کیا گیا کہ ان کے اس زعم بیجا پر تنبیہ ہو جائے کہ وہ لوگ جب پہلے ہی سے اہل ایمان ہیں تو اب انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نئے سرے سے ایمان لانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے انھیں یہاں اپنے تقویٰ کا حکم دیا۔ اس سے بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کما حقہٗ ایمان رکھنے والا تو وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے، اس کا خوف دل میں رکھے اور اس کے نتیجے میں اس کے اوامر و احکام پر عمل کر کے فرمانبرداری کرے اور جن چیزوں سے نہی و ممانعت کی گئی ہے ان کو ترک کرے اس کے بعد دوسرا حکم یہ ہے کہ تم لوگ اللہ تعالےٰ کے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لاؤ۔

یہ حکم اسی لئے دیا گیا ہے کہ یہ اہلِ کتاب آپ کا انکار کرتے تھے، آپکی نبوت کا اقرار نہیں کرتے تھے انھیں یہ بات تسلیم نہ تھی کہ آپکی نبوت و رسالت تمام انسانوں کے لئے عام ہے، اسی وجہ سے انھیں آپ کے نبی و رسول ہونے پر ایمان لانے کا حکم دیا پھر اگر وہ واقعی آپ پر کما حقہٗ ایمان لاتے ہیں اور یہ ایمان انھیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اطاعت و فرمانبرداری پر آمادہ کر لیتا ہے تو ان سے یہ وعدہ بھی فرمالیا کہ تمہیں اس ایمان کیوجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و ثواب کے دوہرے حصے دیگا۔ ایک حصہ انھیں اس ایمان کیوجہ سے دیا جائے گا کہ یہ لوگ انبیاء سابقین جیسے حضرات موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام اور حضرات ابراہیم و نوح، اسحٰق، یعقوب و یوسف و داؤد علیہم السلام پر بھی پہلے ایمان لاچکے تھے۔

اور ان کے لئے ایک روشنی عنایت فرمائے گا جس روشنی میں اسلام کی ہدایت حاصل کر کے اس کے راستہ پر چلیں گے کیونکہ اسلام کا راستہ تو صراطِ مستقیم کا مصداق ہے جس پر چلنے والا نہ گمراہ ہوگا نہ بدبخت ٹھہرے گا۔ اور اسی نور کی بدولت تم لوگ پل صراط پر سے گذر کر "دارالسلام" جنت تک پہنچ جاؤ گے۔

اس انعام کے علاوہ ایک انعام و کرم اور ہوگا وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ تمہاری مغفرت بھی فرمادیں گے اور اسلام لانے سے پہلے کے پچھلے تمام گناہ اور اسلام لانیکے بعد بھی اگر کوئی گناہ ہو گیا ہو تو وہ بھی توبہ و استغفار کیوجہ سے بخشدیا جائے گا اور اگر توبہ و استغفار نہ کیا ہو تو بھی ممکن ہے اللہ تعالےٰ اسے قیامت میں معاف

فرمادیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسکو سزا دیکر پھر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

اور آخر میں فرمادیا "وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (اللہ بخشنے والا مہربان ہے) تو اس نے تم سے جو بھی وعدہ کیا ہے وہ پورا کرے گا اور تمہارے پچھلے گناہ اور حالیہ گناہ سب معاف کر دے گا، تم پر دنیا و آخرت میں رحم فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالےٰ تو غفور ہیں جو اپنے بندوں کے گناہ معاف فرمادیتے ہیں اور رحیم بھی ہیں بغیر جرم و گناہ کسی کو عذاب نہیں دیتے۔

اور اس مطلب و تفسیر کی صحت اس بات سے ظاہر ہو جاتی ہے کہ کوئی اہل کتاب جب حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتا ہے اور اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاتا ہے تو اسے دوگنا اجر دیا جائے گا۔ یہ بات حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث شریف سے بھی معلوم ہوتی ہے۔

صحیح بخاری شریف میں روایت ہے کہ دو تین قسم کے لوگوں کو دوہرا دوہرا اجر دیا جائے گا۔

ایک تو اہلِ کتاب کا وہ شخص جو اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور پھر محمد (محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی ایمان لایا۔ دوسرا وہ مملوک غلام جس نے اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کیا اور اس کا بھی حق ادا کیا جو اس کا آقا ہے تو اسے بھی دو اجر ملیں گے اور تیسرا وہ شخص جس نے اپنی کنیز کو اچھی طرح ادب و سلیقہ سکھایا پھر اسے آزاد کر کے اس سے اپنا نکاح بھی کر لیا تو اسے بھی دو اجر ملیں گے۔

اس آیت مذکورہ کی ایک دوسری تفسیر بھی بعض مفسّرین نے فرمائی ہے اس تفسیر کے مطابق یہ آیت ہم اہلِ ایمان ہی کے حق میں نازل ہوئی ہے اور یہ تمام اہلِ ایمان کیلئے ہے چاہے وہ اہل ایمان عرب کے ہوں، عجم کے ہوں مشرکین میں سے صاحب ایمان ہوئے ہوں یا اہلِ کتاب میں سے ایمان والے ہوئے ہوں، مرد ہوں یا عورت جو لوگ بھی اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار، اسلام کو اپنا دین اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی و رسول مانتے ہوں سب ہی اس کے مخاطب ہیں۔

اس صورت میں یہ نداء پچھلی ندارات ہی کیطرح ایک نداء ہوگی ان سے بالکل

مختلف نہ ہوگی کیونکہ ایک روایت میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے انھوں نے کہا کہ جب اہلِ کتاب نے اپنے متعلق اس فخر کا اظہار کیا کہ قیامت میں ہمیں دوہرا اجر ملے گا تو اللہ تعالےٰ نے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا التحیہ کے حق میں یہ آیت نازل فرمادی اور ان کیلئے بھی دوہرے ثواب کا اعلان فرمادیا بلکہ یہاں پر یہ اتنی بات زیادہ کردی کہ" اللہ تعالےٰ تمہارے لئے ایک روشنی عنایت فرمائے گا جس میں تم اچھی طرح چل سکو گے اور تمہاری مغفرت فرمادے گا۔

اس طرح یہاں امت محمدیہ کو اہلِ کتاب کے مقابلہ میں دو فضیلتیں مزید مرحمت فرمادیں۔ ایک تو نور، دوسری مغفرت۔ یہ روایت ابن جریر نے نقل کی ہے اور ر اللہ تعالےٰ کے اس قول سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے جو آخر آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لِئَلَّا یَعۡلَمَ اَہۡلُ الۡکِتٰبِ اَلَّا یَقۡدِرُوۡنَ عَلٰی شَیۡءٍ مِّنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ وَ اَنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ○

تاکہ اہلِ کتاب کو (جو ایمان نہیں لائے انھیں) یہ معلوم ہو جائے کہ ان لوگوں کو اللہ کے فضل کے کسی جزء پر بھی (ایمان کے بغیر) کوئی قدرت نہیں ہے اور یہ بات بھی کہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے دیدے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

عربی قواعد سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ "لِئَلَّا" میں صلہ کا جو لام ہے یہ بات پر زور دینے کے لئے لایا گیا ہے شاید یہی وجہ ہوگی جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے "لِکَیۡ یَعۡلَمَ" پڑھا ہے یعنی اس قراءت کے ذریعہ انھوں نے "لِئَلَّا یَعۡلَمَ" کے صرف معنیٰ بتادیئے ہیں۔

اسلئے اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

" ہم نے اپنے ان سچے اہلِ ایمان بندوں کو جو اہلِ کتاب میں سے نہیں ہیں ثواب کے دوگنا ہونے اور انھیں نور عطا ہونے کا انعام دیا ہے یہ اس لئے دیا ہے تاکہ یہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ تعالےٰ کی کسی پر ہونیوالی مہربانی کو روکنے پر قدرت نہیں رکھتے ہیں اسلئے ان کا فخر کرنا بیجا ہے۔

اس تفسیر کا یہ باریک نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایک عظیم علم پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمارے آپ کے علم میں زیادتی و برکت عطا فرمائے۔ آمین

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پچھترویں ندا ٧٥

گناہ وزیادتی کی سرگوشی کی حرمت اور رسول کی نافرمانی کے معصیت وحرام ہونیکے بیان میں اور نیکی و پرہیزگاری کی سرگوشی کی اجازت کا بیان

○

سُورَۃُ الْمُجَادَلَۃ
دو آیات (۹-۱۰)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ۝ اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیْسَ بِضَآرِّھِمْ شَیْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

اے ایمان والو! جب (بضرورت) سرگوشی کرنا چاہو تو گناہ وزیادتی اور نافرمانی رسول کی سرگوشیاں نہ کیا کرو اور نفع رسانی و پرہیزگاری کی باتوں کی سرگوشی کرو۔

اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے۔ ایسی سرگوشی محض شیطان کیطرف سے ہوتی ہے کو مسلمانوں کو رنج وتکلیف میں مبتلا کرے حالانکہ وہ شیطان خدا کے ارادہ کے بغیر مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور ایمان والوں کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

تشریح وتفسیر

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اہلِ ایمان بندوں کو "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کہہ کر مخاطب فرمایا ہے کیونکہ ایمان ہی ایسی چیز ہے جس کی بدولت حق تعالیٰ پر ایمان رکھنے والا ہی اللہ تعالیٰ کی ندا کو سن سکتا اور اس پر عمل پیرا ہو سکتا ہے، ایمان حق نے اسے حقیقی حیات وزندگی بخشدی ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی نداء ایمانی کو سنتا اور محفوظ کر لیتا ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو یہ ندا اس لئے دی ہے کہ اسے انکی روحانی تربیت اور ان کا اخلاقی تزکیہ منظور ہے اور اسے انکی یہ تربیت وتزکیہ کیسے منظور نہ ہو گا جبکہ وہی ان کا ولی بھی ہے اور وہی ان کا مولیٰ بھی ہے۔ اور یہ اہل ایمان اسی کے بندے اور غلام اور اسے دوست رکھنے والے ہیں چنانچہ اس نے ان اہل ایمان کو مخاطب فرما کر یہ ہدایت فرمائی کہ:

"اے اہل ایمان اگر کبھی کسی ضرورت کیوجہ سے تمہیں سرگوشی کرنا ہی پڑ جائے تو تمہاری سرگوشی گناہ وزیادتی اور اللہ ورسول کی نافرمانی کے لئے نہ ہونی چاہئے تاکہ تمہارا حال منافقین ویہود کے حال جیسا نہ ہو جائے یہ لوگ تو ایسی ہی باتوں کی سرگوشی کرتے ہیں جو معصیت وگناہ ہوتی ہے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست اہلِ ایمان بندوں کو اس قسم کی سرگوشیاں کرنے کی ممانعت فرما دی کہ وہ گناہ زیادتی اور اللہ ورسول کی معصیت ونافرمانی کی باتوں سے متعلق سرگوشیاں نہ کیا کریں۔

اس سے پہلے اوپر کی آیت میں یہود کی ایسی ہی حرکتوں کا بیان کیا گیا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُھُوْا عَنِ النَّجْوٰی ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُھُوْا عَنْہُ وَیَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں سرگوشی سے روکدیا گیا تھا اور وہ پھر بھی پلٹ کر وہی کام کرتے ہیں جس سے انھیں روکا گیا تھا اور گناہ اور ظلم اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔

یہود ومنافقین جیسی سرگوشیوں سے ممانعت فرمانے کے بعد آیت کے اگلے جز میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو یہ بات بھی بتا دی کہ تمہیں کسی وقت اگر سرگوشی کی نوبت آ ہی جائے تو تمہارے لئے اس قسم کی سرگوشیوں کی اجازت ہے فرمایا "وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰی" تم سرگوشی نیک کاموں اور پرہیزگاری کی باتوں سے متعلق کیا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر ” برّ “ اور ” تقویٰ “ دو لفظ استعمال فرمائے ہیں ان کی ضروری تشریح بھی ذہن نشین رہنی چاہئے۔

بِرّ — سے ہر وہ بھلائی اور بھلی بات مراد ہے جس میں کوئی گناہ اور شر کا پہلو نہ ہو۔

تقویٰ — سے مراد اللہ و رسول کی فرمانبرداری ہے یہ فرمانبرداری ان کے احکام میں بھی ہونی چاہئے اور ان کے ممنوعات میں بھی چاہئے۔

پھر مستقل طور پر دوبارہ اہلِ ایمان کو تقویٰ شعاری اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جسکے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے۔

اس طرح ارشاد فرمانے میں لطیف طور پر تقویٰ اختیار کرنیکی وجہ بھی بیان فرمادی کہ ” تم کو اللہ سے ڈرنے کا حکم اس لئے دیا جا رہا ہے کہ قیامت کے روز تم کو اللہ کے پاس جمع کیا جائے گا جب وہ تم سے تمہارے اعمال کا محاسبہ فرما کر اسی کے مطابق بدلہ دیگا ایسی صورت میں یہ بات بہت ضروری ہے کہ اللہ عز وجل کا تقویٰ اختیار کر کے اسکی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اختیار کی جائے تاکہ روز قیامت فوز و نجات حاصل ہو جائے یعنی دوزخ کی آگ سے نجات اور دخولِ جنت کی کامیابی حاصل ہو جائے۔

اس موقع پر حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی وہ حدیث کان لگا کر سن لینی چاہئے جو انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اس حدیث سے ہماری اس تشریح پر مزید روشنی پڑتی ہے جو ہم ابھی اوپر نقل کر آئے ہیں۔ حدیث شریف کا متن و سند یوں ہے۔

حَدَّثَنَا بَهْزٌ وَعَفَّانُ قَالَا اَخْبَرَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ مُحْرِزٍ قَالَ اَخَذْتُ بِيَدِ ابْنِ عُمَرَ اِذْ عَرَضَ لَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ كَيْفَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي النَّجْوٰى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ سَمِعْتُ

ہم سے حدیث بیان کی بہز اور عفان نے اور ان دونوں نے کہا کہ ہمیں ہمام نے بتایا قتادہ سے روایت کرتے ہوئے اور قتادہ صفوان بن محرز سے روایت کرتے ہیں انھوں نے حضرت ابن عمرؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے کہا جبکہ انکے سامنے ایک شخص نے آکر کہا کہ آپ نے قیامت میں ہونیوالی سرگوشی کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا فرماتے ہوئے سنا ہے؟

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ يُدْنِي الْمُؤْمِنَ فَيَضَعُ عَلَيْهِ كَنَفَهٗ وَيَسْتُرُهٗ عَنِ النَّاسِ وَيُقَرِّرُهٗ بِذُنُوْبِهٖ وَيَقُوْلُ لَهٗ اَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا؟ اَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا؟ اَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا؟ حَتّٰى اِذَا قَرَّرَهٗ بِذُنُوْبِهٖ وَرَاٰى فِيْ نَفْسِهٖ اَنَّهٗ قَدْ هَلَكَ قَالَ فَاِنِّيْ قَدْ سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَاَنَا اَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ ثُمَّ يُعْطٰى كِتَابَ حَسَنَاتِهٖ

تو بولے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ” اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب کر کے اسے اپنے جسم سے لوگوں سے چھپالے گا اور اس سے گناہوں کا اقرار کرائے گا، کیا یہ گناہ تم جانتے ہو؟ کیا یہ گناہ تم جانتے ہو؟ کیا فلاں گناہ تم جانتے ہو؟ یہانتک کہ اس کے تمام گناہوں کا اقرار کرالے گا اور اب اسے یہ لگے گا کہ یہ شخص ہلاک ہو گیا ہے — تو فرمائے گا کہ یہ گناہ میں نے دنیا میں چھپائے تھے اب آج بخش رہا ہوں۔ پھر اسے نیکیوں والا پرچہ دے دیگا۔

اور ان کے برخلاف کفار و منافقین کا معاملہ یوں ہوگا کہ ان کے گواہ یہ کہیں گے کہ ” ان لوگوں نے اپنے رب کے خلاف جھوٹ بکا سن لو! کہ اللہ کی لعنت ظالموں ہی پر ہے “

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نجویٰ اور سرگوشی کے متعلق یہ بھی فرمادیا کہ یہ سرگوشی شیطان کیوجہ سے ہوا کرتی ہے وہ اہلِ مومن کو فکر و غم میں مبتلا کرنے کیلئے دوسروں کو سرگوشی پر ابھارتا ہے کہ مومن اس کیوجہ سے فکرمند و پریشان ہو یہی وجہ ہے کہ حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی کرنے سے ممانعت فرمائی ہے کہ جب تین آدمی ہوں تو تیسرے کو الگ کر کے دو باہم سرگوشی نہ کریں یہانتک کہ مجمع زیادہ ہو جائے اور ایک آدمی تنہا نہ رہ جائے کیونکہ اس سے وہ رنجیدہ ہوگا۔

اور صحیح حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب تین ہی آدمی ہوں تو ایک کو چھوڑ کر دو باہم سرگوشی نہ کریں۔

اکثر اہل سلف اور علمائے متاخرین کا اسی پر عمل ہے کہ تیسرے آدمی کو چھوڑ کر دو شخص سرگوشی نہ کیا کریں، اسی طرح اگر چار آدمی ہوں تو چوتھے کو چھوڑ کر تین آدمی سرگوشی نہ کریں یا پانچ ہوں تو چار اور چھ ہوں تو پانچ سرگوشی نہ کیا کریں کیونکہ اس طرح ایک مومن شخص فکر و غم میں پڑے گا یہ حکم کسی خاص موقع کے لئے نہیں ہے بلکہ عام حالات کیلئے عام حکم ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ وہ لوگوں کی خفیہ سرگوشیاں (جو عام طور پر آخرت کی فکر اور انجام سے غافل ہو کر ہوا کرتی ہیں) خیر سے خالی ہوتی ہیں سوا اس کے کہ کوئی شخص صدقہ کا حکم دے یا اور کسی بھلائی کا حکم کرے یا لوگوں میں صلح جوئی و اصلاح کی بات کرے تو ایسے کاموں کیلئے سرگوشی جائز ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کی عام مصلحتوں سے متعلق باتیں ہیں۔

آخر میں اللہ تعالےٰ نے سرگوشی کو شیطانی تحریک بنا کر یہ بھی فرمادیا کہ شیطان ان اہلِ ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا لہٰذا اہلِ ایمان کو اللہ تعالےٰ پر پورا بھروسہ رکھنا چاہئے وہی حافظ و ناظر ہے۔

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

* * *

۷۶ چھہترویں ندا

جب مومن کو مجلس میں کشادگی کیلئے کہا جائے تو
کشادگی کرنا واجب ہے
اسی طرح جب مجلس سے کسی صحیح مقصد کیلئے
اٹھنے کو کہا جائے تو اٹھ جانا ضروری ہے

○

{ سُوْرَةُ الْمُجَادِلَة
آیت (۱۱) }

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

اے ایمان والو! جب بھی تم سے کہا جائے (کہنے والا کوئی بھی دینی و مذہبی ذمہ دار ہو) کہ مجلس میں کشادگی کرو، جگہ کھول دو تو جگہ کھول دیا کرو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے (جنت میں) جگہ کھول دے گا اور جب (کسی ضرورت کی وجہ سے) یہ کہا جائے کہ (مجلس سے) اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ جایا کرو اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور (ان میں سے) ان لوگوں کے جنھیں علمِ دین عطا ہوا ہے اُخروی درجے بلند کردے گا۔

تشریح و تفسیر

آپ حضرات گذشتہ تشریحات کی روشنی میں اللہ تعالےٰ کے اس طرزِ خطاب کی معنویت کو بخوبی سمجھ چکے ہیں مختصراً

یہاں پھر کیا جا رہا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو مخاطب فرما رہے ہیں کہ اے وہ لوگو! جو اللہ کو اپنا رب اور پروردگار، اسلام کو اپنا دین اور حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی و رسول مانتے ہو جسکی وجہ سے تم ہی پوری طرح زندگی سے بہرہ ور اور کسی حکم و ہدایت کو سننے اور اسے ماننے کی صلاحیت رکھتے ہو اسلئے تم کو ہی خطاب کیا جا رہا ہے اور مجلسی آداب کا ایک خاص ادب تم کو سکھایا جا رہا ہے اس تعلیم ادب کی غرض یہی ہے کہ تمہاری تربیت اخلاق و آداب مکمل ہو جائے اور دونوں جہاں میں تم سعادت مند رہو۔ تم کو ہدایت کی جاتی ہے کہ "جب بھی تم سے کہا جائے کہ مجلس میں دوسروں کیلئے گنجائش نکال دو تو گنجائش نکال دیا کرو"۔ گنجائش نکالنے کی بات کہنے والے اسوقت تو حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم ہی تھے کیونکہ آپ ہی اہل ایمان کے معلم و مربی تھے آپ ہی ان کے اخلاق و آداب کو مہذب بناتے تھے۔ لیکن قرآن مجید کی یہ ہدایت ہر زمانے کیلئے عام ہے آپ کے بعد آپ کے خلفائے راشدین علمائے صالحین، ائمہ دین میں سے بھی اگر کوئی اہل مجلس کو مجلس میں کشادگی و جگہ نکالنے کا حکم دے تو اس کی تعمیل ضروری ہے۔

عام طور پر ہوتا یہی ہے کہ صدر مجلس کے قریب ہی لوگ رہنا چاہتے ہیں اور کسی آنیوالے کیلئے صدر مجلس کا قرب چھوڑنا نہیں چاہتے اس لئے اس آیت میں اس خوش اخلاقی و ایثار کی تعلیم دی گئی کہ اگر مجلس میں کوئی اور آ گیا ہے تو اسکے لئے گنجائش نکال دو چاہے اسکے لئے تمہیں صدر مجلس (حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے دینی رہنما ہوں) کا قرب چھوڑنا بھی پڑے تو اس میں مطلق بخل نہ کرو بلکہ ایثار سے کام لیتے ہوئے دوسرے کیلئے جگہ خالی کر دو، بزرگوں کی مجلس وعظ و ارشاد میں یہ صورت اکثر پیش آتی ہے وہاں اس آیت کی ہدایت ملحوظ رہنی چاہئے۔

اگر اہل ایمان اس ہدایت پر عمل کریں گے اور آنے والوں کیلئے مجلس میں گنجائش نکالیں گے تو اللہ تعالے بھی ان اہل ایمان کو اس کا بدلہ دیں گے دنیا میں بدلہ یہ ملے گا کہ رزق میں فراخی و کشادگی ہو گی اور برزخ کا بدلہ قبر کی کشادگی کی صورت میں ہو گا اور آخرت کی کشادگی جنت کے محلوں میں ملے گی۔

اس آیت میں اللہ تعالے نے اپنے اس حکم کے ساتھ ہی ساتھ حکم کی تعمیل

کرنے والوں سے انعام کا یہ وعدہ بھی فرما لیا ہے کہ جب تم سے مجلس میں کشادگی کے لئے کہا جائے تو کشادگی کر دیا کرو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کشادگی فرما دیں گے۔

اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ غنیمت سمجھنا چاہئے اور محض دینی عالم اور بزرگ کا قرب حاصل کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کو فراموش نہ کر دینا چاہئے کہ اس نے صرف ایک مجلس میں کشادگی کر دینے پر کتنی کشادگیوں کا وعدہ فرما لیا ہے وہ اس کے بدلہ روزی میں کشادگی کرے گا، قبر میں کشادگی کرے گا اور جنت میں کشادگی ملے گی۔

آیت کے دوسرے ٹکڑے میں بھی اہلِ ایمان کو ایک حکم دیا گیا ہے اور اسکی تعمیل پر ایک انعام کا وعدہ ہے فرماتے ہیں:

" اور جب تم سے مجلس سے اٹھ جانے کو کہا جائے تو اٹھ جاؤ، تم میں سے جو لوگ اہلِ ایمان ہیں اللہ تعالے انھیں بلندی عطاء فرمائے گا اور (ان میں سے) جو اہل علم ہیں ان کے درجے بلند فرمائے گا۔

یہاں بھی ایک حکم ہے جس کے ساتھ وعدہ بھی ہے جو شخص تعمیل حکم کرے گا اللہ تعالے کے وعدہ کے مطابق وہ بھی کامیاب ہو گا۔

آیت شریفہ میں مجلس سے اٹھ جانیکی جس بات کا ذکر کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم اگر اپنی حیاتِ مبارکہ میں کسی شخص کو کسی وجہ سے بھی اپنی مجلس سے اٹھ جانے کو فرمائیں تو بے تامل اٹھ جانا چاہئے۔ اور آپ کی وفات کے بعد جو لوگ نائب رسول کی حیثیت میں ہوں کوئی بزرگ ہوں عالم ہوں، واعظ ہوں یا کوئی امیر ہو یا کوئی محافظِ امن و امان ہو جب کسی شخص کو مجلس سے اٹھ جانے کا حکم دیں چاہے صرف اسی کو ہٹانا منظور ہو یا اس کی جگہ کسی دوسرے کو کسی ضرورت کیوجہ سے بٹھانا ہو دونوں ہی صورتوں میں اس شخص کو مجلس سے اٹھ جانا چاہئے۔

یہاں بھی اللہ تعالے نے تعمیل حکم پر ایک وعدہ فرمایا ہے اور وہ وعدہ یہ ہے "يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ" یعنی تم میں سے جو اہلِ ایمان ہیں اللہ تعالیٰ انھیں رفعت و سربلندی عطاء فرمائے گا ان کی مدد فرمائے گا، اور

نیکنامی کی شہرت دے گا اور آخرت میں ان کے محل بلند ہوں گے۔ اور ان اہلِ ایمان میں سے جو لوگ اہل علم ہوں گے انھیں اور بلند درجے عطا فرمائے گا یہ مزید بلندی اسلئے ہوگی کہ وہ لوگ ایمان کے ساتھ ساتھ علم اور اس پر عمل بھی رکھتے ہوں گے۔

چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ایک ارشاد جو مندرجہ ذیل روایت میں نقل ہوا ہے اس سے آیت شریفہ کی اس تفسیر و تشریح کی تائید ہوتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت نافع بن عبدالحارث کو مکہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔ کچھ دنوں بعد حضرت عمر فاروق کو حضرت نافع عسفان میں ملے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم نے اہل مکہ پر کس کو قائم مقام بنایا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے غلاموں میں سے ایک شخص "ابن ابزیٰ" ہے اس کو اپنا قائم مقام بنا دیا ہے۔

حضرت عمر فاروق نے تعجب کے ساتھ استفسار فرمایا کہ تم نے ایک غلام کو اہل مکہ کیلئے اپنا قائم مقام حاکم بنا دیا تو انھوں نے جواب میں بتایا کہ حضرت وہ (ابن ابزیٰ) نرے غلام نہیں ہیں وہ کتاب اللہ کے قاری ہیں، علم فرائض (علم میراث) کے عالم ہیں، واعظ، عالمِ حدیث ہیں — ان کا یہ جواب سنکر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ ٹھیک بات ہے جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ "اللہ تعالےٰ اس کتاب (قرآن مجید) کی بدولت کتنے لوگوں کے درجے بلند فرمائیگا اور کتنوں کو پست و ذلیل کرے گا (مسلم شریف)

آیت شریفہ میں مجلس سے قیام کا جو حکم دیا گیا ہے اس سے متعلق یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ اس قسم کی دینی مجلسوں سے بغیر ضرورت اٹھ کر جانا جائز نہیں ہے اور اسی طرح یہ بات بھی جائز نہیں ہے کہ کسی مجلس میں کوئی شخص پہلے سے بیٹھا ہوا ہو تو اسے اٹھا کر اس جگہ خود بیٹھ جائے حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکی ممانعت فرمائی ہے۔

کوئی شخص دوسرے کو مجلس میں سے نہ اٹھائے اور پھر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے لیکن دوسرے کیلئے گنجائش نکال دیا کرو اللہ تعالےٰ تمہارے لئے کشادگی فرمائیں گے (یہی مضمون ایک دوسری روایت میں بھی آیا ہے)

اس موقع پر ایک دوسرے مسئلہ کی وضاحت بھی ہو جانی چاہئے، وہ یہ کہ اگر کوئی مسلمان اپنے ارادہ اور خوشی سے مجلس میں کسی دوسرے کیلئے اپنی جگہ خالی کردے (مثلاً کسی عالم یا بزرگ کے احترام میں) از خود مجلس سے اٹھ کر اسے جگہ دیدے تو یہ صورت بالکل جائز ہے وہ شخص اٹھ سکتا ہے اور دوسرا شخص وہاں بیٹھ سکتا ہے۔ اسی طرح جماعت کی نماز میں اگر کوئی ناخواندہ شخص امام کے پیچھے کھڑا ہوا ہے اور کوئی عالم و قاری آگیا تو اس امی و ناخواندہ کو چاہئے کہ امام کے پیچھے کی جگہ اسی عالم کیلئے خالی کردے کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میرے قریب علم و عقل والے لوگ رہا کریں۔

آیت شریفہ کے ختم پر اللہ تعالےٰ نے فرمادیا" وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ" (تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان سب کاموں کی پوری خبر رکھتے ہیں) ایسا فرمانے سے مقصد یہی ہے کہ لوگ اس بات کو ہر وقت ذہن میں رکھیں اور ہر معاملہ میں اللہ و رسول کی فرمانبرداری کرتے رہیں، تقویٰ و پرہیزگاری کی حفاظت کرتے رہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی ولایت محفوظ رہے اور وہ دونوں جہاں میں بے خوف و بے غم رہیں اللہ تعالےٰ ہماری مراد پوری کریں۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

○

ستہترویں (۷۷) ندا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں گفتگو کا حکم کہ اس سے پہلے صدقہ دیا جائے اور پھر ادائے صدقہ کے حکم کی منسوخی اور نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے اور اللہ رسول کی فرمانبرداری کا حکم

◆

سُوۡرَۃُ المُجَادلۃ
آیت (۱۲-۱۳)

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نَاجَیۡتُمُ الرَّسُوۡلَ فَقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیۡ نَجۡوٰىكُمۡ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَیۡرٌ لَّكُمۡ وَ اَطۡهَرُ ؕ فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ ءَاَشۡفَقۡتُمۡ اَنۡ تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیۡ نَجۡوٰىكُمۡ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیۡكُمۡ فَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۝

اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنا چاہو تو سرگوشی کرنے سے پہلے کچھ خیرات دیدیا کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور پاک دل ہونیکا اچھا ذریعہ ہے پھر اگر تمکو خیرات دینے کی قدرت نہ ہو تو اللہ غفور و رحیم ہے۔ کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے خیرات دینے سے ڈر گئے سو جب یہ کام نہ کر سکے اور اللہ تعالےٰ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی تو (یہ کام تو کرتے ہی رہو) نماز قائم کرو زکوٰۃ دو اور اللہ رسول کی اطاعت کرو اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔

تشریح و تفسیر

اس آیت شریفہ میں ایک ایسا حکم شرعی بیان کیا گیا ہے جو صرف ایک دن یا چند ہی دن تک واجب رہا پھر منسوخ ہو گیا۔ وہ حکم یہ تھا کہ حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام میں سے جو شخص خلوت میں گفت گو کیلئے کوئی وقت لینا چاہے وہ پہلے کچھ اللہ کی راہ میں خیرات دیدے اس کے بعد حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں باریاب ہو کر گفت گو کرے۔ لیکن حضرات صحابہ میں سے اکثر اپنی جہادی ضرورتوں اور مالی تنگدستیوں کیوجہ سے اس طرح باریاب ہونے پر قدرت نہ رکھتے تھے مگر اسوقت کے مجموعی حالات پر انکی نظر بھی تھی اسلئے وہ بات بھی سمجھ گئے کہ اللہ تعالےٰ کیطرف سے یہ حکم انکی تربیت و تادیب ہی کیلئے ہے اللہ تعالیٰ کا منشا یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں وقت لیکر گفت گو کرنے کا یہ سلسلہ محدود کر دیا جائے کیونکہ آپ سے تنہائی میں ملاقات کی رغبت و خواہش تو ہر مسلمان کے دل میں ہو گی اور ہر ایک کی خواہش کو پورا کرنا بہت مشکل کام ہے بالخصوص اسکی وجہ سے جو تکلیف و تعب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو برداشت کرنا پڑے گا اس کا لحاظ کرنا بھی عین تقاضائے ایمان و محبت ہے اسلئے وہ حضرات حقیقتِ معاملہ کو سمجھ کر خود ہی اس تنہائی کی ملاقات و گفت گو سے رک گئے تو اللہ تعالےٰ نے بھی جلد ہی یہ حکم منسوخ فرما دیا اور انھیں اسی بات کی اجازت دیدی کہ سخت ضرورت کے وقت خیرات دیئے بغیر ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں گفتگو کر سکتے ہیں۔

پہلے حکم (تنہائی کی گفت گو سے پہلے صدقہ دینے) کی منسوخی بہت جلد ہی ہو گئی چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پہلے حکم پر صرف حضرت علیؓ نے ہی ایک بار عمل کیا تھا ان کے علاوہ کسی کو اس کی نوبت نہ آئی تھی۔

حضرت علیؓ کی اس فضیلت کا اندازہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے ۔ انھوں نے فرمایا کہ (حضرت) علی کی تین فضیلتیں ہیں کہ ان میں سے ایک بھی مجھ کو حاصل ہوتی تو وہ مجھے سرخ اونٹنیوں سے زیادہ محبوب ہوتی، ایک فضیلت تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے ساتھ ازدواج ہے، دوسری فضیلت فتح خیبر کے موقع پر انھیں جھنڈا عطا فرمایا جانا ہے اور

تیسری فضیلت اسی آیت بخوبی پر انھیں عمل کا موقع مل جاتا ہے جو صرف انھیں کو ملا تھا کہ آیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔

اوپر آیتِ شریفہ کی کچھ ضروری تشریح بیان ہو چکی ہے اب باقاعدہ آیت شریفہ کا ترجمہ و مطلب ملاحظہ فرمایا جائے۔ فرماتے ہیں،

(یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) اے اہل ایمان جو کہ اللہ تعالےٰ کو اپنا رب اور پروردگار دین اسلام کو اپنا دین اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی و رسول مانتے ہو۔ (اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ) جب تم اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہو (فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىکُمْ صَدَقَةً)

اس ارشاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ حکم دیا ہے کہ جب کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں ملاقات و گفتگو کرے تو اسے یہ چاہئے کہ وہ پہلے اللہ کی راہ میں کچھ خیرات دیدے پھر وہ آپ سے تنہائی میں گفتگو کرے۔

اس حکم میں دو مصلحتیں ملحوظ تھیں ایک تو یہ کہ اس طرح ان صحابہ کرام کی مدد ہو جائیگی تو نیک اور نادار و غریب ہیں یہ صدقہ انھیں مل جائے گا۔ دوسری مصلحت حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی راحت رسانی تھی کہ اس طرح تنہائی میں گفتگو کرنے والوں کی تعداد کم ہو جائیگی۔ ورنہ یوں تو ہر صاحب ایمان یہی چاہتا کہ اسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں گفتگو کرنے اور آپ کا قرب حاصل کرنیکا موقع زیادہ سے زیادہ ملے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم تھے بہرحال انسان ہی وہ ہر ایک کیلئے وقت نہ دے سکتے تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے یہ صدقہ واجب کر دیا لوگ اس سے سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کو کم کرنا چاہتے ہیں تو بہت سے لوگ تو اسی وجہ سے رک گئے اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو صدقہ ادا کرنیکی وسعت ہی نہ رکھتے تھے وہ اپنی مجبوری کیوجہ سے نہ صدقہ ادا کر سکتے نہ آپ سے تخلیہ کیلئے درخواست کر سکتے تو اللہ تعالےٰ نے اس حکمِ صدقہ کو منسوخ فرمادیا۔ اور وجوب صدقہ کا یہ حکم صرف چند ہی دنوں تک رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے (اگلی آیت کے ذریعہ) اسے منسوخ فرمادیا ہے۔

"ذٰلِکَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَاَطْھَرُ" فرما کر یہ وضاحت فرمادی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے تنہائی میں گفتگو سے پہلے یہ صدقہ دینے کا جو حکم دیا گیا ہے اس میں تم ہی لوگوں کا فائدہ اور مصلحت منظور ہے ورنہ اللہ تعالےٰ کو تمہارے صدقے اور روپیہ پیسے کی ضرورت نہیں ہے یہ صدقہ تمہارے ہی ضرورتمند بھائیوں تک پہنچے گا اور ان کے کام آئے گا اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ صدقہ تمہارے دلوں کی طہارت و پاکیزگی کا سبب بنے گا کہ اللہ کی راہ میں مال نکالو گے تو تمہارے دل کا میل نکل جائیگا۔

پھر یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے سے پہلے تمہارے پاس خیرات کیلئے کچھ نہ ہو اور تمہیں سرگوشی اور تنہائی میں گفتگو کی ضرورت ہو تو بغیر ادائے صدقہ ہی گفتگو کر لو اللہ تعالےٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

چونکہ اللہ تعالےٰ کا منشا بھی اتنا ہی تھا کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے اوقاتِ راحت ان تنہائی کی ملاقاتوں میں نہ گھر جائیں، لوگوں نے اس بات کو سمجھ لیا تو انھوں نے ایسی ملاقاتوں سے بچنا شروع کر دیا تو اللہ تعالےٰ نے نہایت ہی شفقت و محبت کے انداز میں یہ حکمِ صدقہ یہ ارشاد فرما کر منسوخ فرمادیا "ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىکُمْ صَدَقٰتٍ"

یعنی "کیا تم لوگ (صدقہ دینے میں) فقر و فاقہ سے ڈر گئے کہ اگر یونہی برابر صدقہ دیتے رہیں گے تو پھر کھائیں گے کیا تو اب اللہ تعالےٰ نے بھی تم پر نظر عنایت فرمادی اور صدقہ کا وجوب تم پر اٹھا لیا گیا ہے اور جس طرح پہلے یہ حکم نہ تھا اور تم کو آپ سے ملاقات کی سہولت تھی وہی صورت اب کر دی گئی ہے۔ صدقہ دینا واجب نہ رہا مگر اس کے علاوہ جو احکام اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے تم پر فرض تھے انھیں تم برابر پابندی سے ادا کرتے رہو بلکہ تمام ہی معاملات میں اللہ و رسول کی اطاعت کرتے رہو۔ ان باتوں پر عمل کرنے کے بعد اس صدقہ کی تم کو ضرورت نہ رہے گی چونکہ تم لوگ اللہ کے دوست ہو وہ تمہارا ولی ہے اس لئے اس نے تخفیف کے طور پر وہ حکم منسوخ کر دیا۔

اور یہ بات ہر وقت ذہن میں مستحضر اور تازہ رکھو کہ اللہ تعالےٰ تمہارے کاموں سے پوری طرح باخبر ہے لہٰذا اللہ و رسول کی اطاعت میں کوئی کوتاہی اور کمی نہ کرو کہ آخرت میں دوزخ سے نجات پا کر جنت میں داخل ہو سکو۔

اس آیت کی تشریح سے ضمناً یہ بات بھی معلوم ہو گئی قرآن و حدیث دونوں ہی میں احکام منسوخ ہوئے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا" (ہم جو کوئی آیت منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی (جو مناسب حال ہو) کوئی دوسری آیت لے آتے ہیں)

اور حدیث شریف میں نسخ کی ایک مثال یہ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو زیارت قبور سے روکا کرتا تھا اب کہتا ہوں خبردار ہو جاؤ قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ زیارت قبور آخرت کی یاد دہانی کرتی ہے۔

اسی وجہ سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ واعظ و خطیب کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ احکام کے بارے میں ناسخ و منسوخ سے واقفیت رکھتا ہو۔

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق یہ بات نقل کی جاتی ہے کہ ایک شخص مسجد میں وعظ کہا کرتا تھا اور لوگوں کو عذاب اور دوزخ سے ڈرایا کرتا تھا آپ نے ایک شخص کو بھیجکر اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تم کو ناسخ و منسوخ کا علم ہے؟ اس نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا کہ مسجد سے نکل جاؤ یہاں وعظ نہ کہا کرو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور انھوں نے تو واعظ سے یہ بھی فرمایا کہ تو خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا۔ یہ باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

○

اٹھہترویں (۷۸) نداء

اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے اور آخرت کیلئے زاد راہ لینے کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ذکر واجب ہے، اسے بھلا دینا حرام ہے اور نقصان و محرومی کا ذریعہ ہے

○

سُوْرَةُ الْحَشْر
(آیات ۱۸-۱۹-۲۰)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ
نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ لَا يَسْتَوِيْٓ
اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ
وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر ایک شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے لئے اس نے کیا (ذخیرہ) بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی خبر ہے اور ان لوگوں کیطرح نہ ہو جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے بے پروائی کی تو اللہ نے انھیں خود انکی جان سے بے پروا بنا دیا یہی لوگ نافرمان ہیں۔ اہل جنت اور اہل دوزخ برابر نہیں ہیں۔ اصحاب جنت تو کامیاب لوگ ہیں۔

تشریح وتفسیر

اللہ تعالےٰ نے اس موقع پر بھی اپنے صاحب ایمان بندوں کو مخاطب فرمایا ہے جو اللہ کی ذات اور روز قیامت اسکی ملاقات پر اور رسول کی ذات اور اس کی رسالت پر ایمان ویقین رکھتے ہیں کیونکہ دراصل یہی لوگ اللہ کی ندا، پر کان دھرتے اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں اس نے انھیں مخاطب فرماکر پہلا حکم تو یہ دیا کہ تم لوگ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ اس خوف وخشیت کا نام ہے کہ جس شخص میں تقویٰ موجود ہو گا وہ اس شخص کو ادائے فرائض اور ترک محرمات پر آمادہ کرتا رہے اور اسی طرح اسے عمل صالح اور امورِ خیر کیطرف سبقت کرنے کا جذبہ ابھارتا رہے، اللہ تعالےٰ نے ایسا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ ہر شخص کو اس بات کیطرف متوجہ فرمایا ہے کہ وہ یہ فکر پیدا کرے کہ اس نے قیامت میں اچھا بدلہ حاصل کرنے کیلئے اعمالِ صالحہ کا کتنا ذخیرہ پہلے سے جمع کر رکھا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے یہاں (مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ) فرمایا ہے۔ غد (کل) سے مراد روز قیامت ہے۔ کیونکہ وہی روز جزاء وروز حساب ہے جہاں ہر نیکی کا بدلہ دس گنا ملے گا اور ہر برائی اور ہر گناہ کی سزا صرف ایک ہی ملے گی۔ کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے تقویٰ کا حکم دوبار دیا ہے، اس میں نکتہ یہ ہے کہ جس طرح ادائے فرائض میں تقویٰ ضروری ہے اسی طرح محرمات وممنوعات کے ترک واجتناب کیلئے بھی تقویٰ ضروری ہے لہٰذا اللہ کا خوف بھی دل میں رکھو کہ اس کے فرائض پر عمل آسان ہو اور اس کی فرمانبرداری اختیار کرکے اسکے عذاب سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ ورسول کی اسی فرمانبرداری کے نتیجہ میں نفس کا تزکیہ ہوتا ہے کیونکہ ہم سب اپنے جس قول اور جس علم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی کرتے ہیں اگر یہ سب ان کی جملہ شرطوں کی پابندی کے ساتھ ادا ہوتا ہے تو ان سے حسنات کا ثمرہ حاصل ہوتا ہے اور نفس بشری کا تزکیہ ہوتا ہے، ایسے ہی جن باتوں اور جن کاموں سے اللہ تعالےٰ نے ہمیں روکا اور منع فرمایا ہے اگر ہم اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے ان باتوں کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں ہمارے نفوس خبیث اور گندے ہو جاتے ہیں اللہ تعالےٰ نے آیت کے آخر میں اسی بات کو ہر دم

ملحوظ رکھنے کیلئے یہ فرمایا ہے "اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ" (اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں سے باخبر ہے) اس مقصود دل میں اس مراقبہ کا بیدار کرنا ہے کہ کسی وقت بھی تم اللہ تعالےٰ کی نگرانی اور اس کی آگاہی سے غفلت نہ برتو ہر معاملہ میں اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے رہو، نیک کاموں کے کرنے میں سبقت اور برائیوں سے بچنے میں سبقت کرتے رہو اس طرح نفس میں طہارت وپاکیزگی پیدا ہو گی اور وہ اللہ تعالےٰ کی رضا وخوشنودی کا حقدار ہو جائے گا اور عالم ملکوت میں اس کا مقام قرب حاصل کر سکے گا۔

دوسری آیت میں اس طرح نصیحت فرمائی گئی ہے کہ (اے اہلِ ایمان تم ان لوگوں کیطرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے اللہ تعالےٰ کے ساتھ بے پروائی کی (اس کے احکام کو پسِ پشت ڈال دیا) تو اللہ نے خود انھیں انکی جانوں سے بے پروا کر دیا یہ لوگ نافرمان ہیں)

چونکہ اہلِ ایمان اللہ کے خاص بندے اور اس کے دوست ہیں تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسی نقصان دہ اور بری باتوں سے جو انکی شقاوت وبدبختی کا سبب بنیں ازراہِ رحمت یہ نصیحت فرمادی ہے کہ تم ایسے کام نہ کرو اور ایسے نہ بنو جیسے کچھ لوگ پہلے بن چکے ہیں کہ انھوں نے اللہ ورسول کی طاعت واطاعت ترک کردی اور لاپروائی برتی تو اللہ تعالےٰ نے بھی انھیں یہ سزا دی کہ وہ خود اپنی جانوں ہی سے لاپروا ہو گئے اور جن کاموں سے نفس کو فائدہ پہنچ سکتا تھا، نفس میں پاکیزگی وطہارت آسکتی تھی ایسے کام انھوں نے نہیں کئے ورنہ ان کے نفوس بھی پاک ہو جاتے اور وہ اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل کرتے انھیں اس کرامت خانہ (جنت) میں مقام قرب ملتا جو اس کے مکرم بندوں کا ٹھکانہ ہے۔ مگر چونکہ اللہ تعالےٰ کی قدیم سنت اور ناقابل تبدیل طریقہ یہی ہے کہ جو شخص بھی اسے بھول جائے اور نفس کی اطاعت کرنے لگے معاصی وشہوات میں وہ حد سے آگے بڑھ جاتا ہے اور پھر وہ فاسقوں میں شمار ہونے لگتا ہے۔

اور یہ سب اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ اس نے خود ہی اپنے نفس کو بھلا دیا اور ایسے کام نہ کئے جن سے نفس کو پاکیزگی حاصل ہو جو کہ فرائض وواجبات کو اللہ ورسول کی

مرضی کے مطابق ادا کرنے اور ممنوعات و محرمات سے اجتناب کرنے ہی کے ذریعہ حاصل ہوا کرتی ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نداء رحمت کو یہ فرما کر ختم کیا ہے: "لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ" مقصد یہ ہے کہ جس طرح اہلِ طاعت و اہلِ معصیت باہم ایک دوسرے کے برابر نہیں ہو سکتے اور جس طرح راہِ حق پر ثابت قدم رہنے والے اہلِ حق اور راہ حق سے منحرف ہونیوالے اہلِ زیغ و اہلِ فسق باہم برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ اہلِ دوزخ کا انجام تو بدبختی و شقاوت اور حرمان و خسران ہے جبکہ اہلِ جنت کا انجام اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا حصول ہے۔ اہلِ دوزخ نار کے درک اسفل میں ہوں گے جبکہ اصحاب جنت جنت العلیٰ میں ہوں گے۔

آخر میں یہ چند باتیں خلاصہ کے طور پر ذہن نشین فرمالیں۔

۱ــــ اللہ تعالیٰ کی محبوب و پسندیدہ باتوں پر عمل کرنا اور اس کی ناپسندیدہ مکروہ چیزوں سے پرہیز کرنا واجب ہے۔

۲ــــ اللہ تعالیٰ ہر دم ہمارا نگراں ہے اور ہمارے ہر کام کی خبر رکھتا ہے ہر وقت یہ مراقبہ ضروری ہے کہ معصیت میں مبتلا ہونے سے بچ سکے۔

۳ــــ اس بات سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ ہم خود فراموشی میں مبتلا نہ ہوں کیونکہ یہ خود فراموشی ہی بڑھتے بڑھتے خدا فراموشی کا سبب بن جاتی ہے پھر مومن معصیت و فسق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۴ــــ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک طویل خطبہ کی یہ چار باتیں بھی یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

(الف) جو بات بھی اللہ کی رضا جوئی کے لئے نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

(ب) جو مال اللہ کی راہ میں (جہاں خرچ کرنا اللہ نے بتایا ہو) خرچ نہ کیا جائے اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

(ج) جسکی جہالت و نادانی اس کے علم و حلم پر غالب ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

(د) جو شخص اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی کی ملامت کا خوف کرے اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

۷۹
اناسی ویں نداء

اہلِ کفر کو دوست بنا کر ان سے دوستی کا معاملہ کرنا، انکی مدد کرنا حرام ہے۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ نیک بختی اور کامیابی کا راستہ بھٹک گیا ہے

{ سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَة
آیت (۱ و ۲) }

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ
وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ
بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ
مِّنَ الْحَقِّ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاكُمْ
اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ
مَرْضَاتِیْ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ
وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَیْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ
وَمَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ
السَّبِیْلِ ۝ اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ یَكُوْنُوْا لَكُمْ
اَعْدَآءً وَّیَبْسُطُوْٓا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ
بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝

اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا ہے وہ اس کا انکار کر چکے ہیں، رسولِ خدا کو اور خود تم کو بھی اس بنا پر کہ تم ایمان لے آئے ہو شہر بدر کر چکے ہیں، اگر تم لوگ میری راہ میں جہاد کیلئے اور میری خوشنودی کیلئے اپنے گھروں سے نکلے ہو، تم ان سے خفیہ طور پر دوستی کرتے ہو حالانکہ میں سب کچھ جانتا ہوں جو چھپا کر کرتے ہو یا جو ظاہر میں کرتے ہو تم میں سے جو شخص بھی ایسا کرے گا وہ راہِ راست سے بہک گیا ہے۔ اگر وہ تم پر قابو پا جائیں تو دشمنی کرنے لگیں، تم پر برائی کے ساتھ دست درازی و زبان درازی کرنے لگیں وہ تو چاہتے ہی ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ۔

تشریح وتفسیر

اس سورہ کی ان آیات کا تعلق اگرچہ ایک خاص واقعہ سے ہے مگر اصولی طور پر یہ قاعدہ مقرر اور مسلم ہے کہ اعتبار حکم کے عام الفاظ کا کیا جائے گا اور وہ حکم اس خاص واقعہ کے ساتھ مخصوص نہ رکھ کر اسے ایک عام حکم اور ایک عام ہدایت سمجھا جائے گا۔ اسی قاعدہ کے تحت یہ آیات اگرچہ ایک خاص واقعہ اور ایک شانِ نزول سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ان میں دی ہوئی ہدایت وممانعت عام ہے ہر زمانہ میں اہل ایمان پر اس کی پابندی ضروری ہے۔

آیتِ شریفہ کا شانِ نزول مسلم شریف کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ "حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تین آدمیوں (مجھ کو اور حضرت زبیر ومقداد) کو بھیجا اور فرمایا کہ تم لوگ روضۂ خاخ پہنچو (یہ ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ سے بارہ میل عربی کے فاصلہ پر واقع ہے) وہاں تم کو ایک مسافرہ ملے گی جس کے پاس ایک خفیہ خط ہوگا وہ خط اس سے حاصل کر کے لے آؤ (بعض دوسری روایت میں اس عورت کا نام" سارہ" بتایا گیا ہے جو مکہ کی ایک گائکہ تھی اور کسی طرح مدینہ پہنچکر وہاں سے یہ خفیہ خط لے جارہی تھی)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ گھوڑے دوڑاتے ہوئے روانہ ہوگئے کچھ فاصلہ پر ہمیں ایک عورت ملی تو ہم نے بے دھڑک اس سے یہ بات کہدی کہ" وہ خط نکال"! وہ بولی میرے پاس کوئی خط وط نہیں ہے، ہم لوگوں نے کہا کہ خط نکال دے ورنہ اپنے یہ کپڑے اتار دے کہ ہم جامہ تلاشی لے لیں۔ یہ دھمکی سننے کے بعد اس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں چھپا ہوا ایک خط نکال کے دیا۔ ہم وہ خط حضور صلے اللہ علیہ وسلم خدمت میں لے آئے خط کھول کر پڑھا گیا تو حضرت حاطب بن بلتعہ کیطرف سے لکھا ہوا ایک خط تھا جو مشرکین مکہ کے نام تھا جس میں انھوں نے مشرکین مکہ کو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے بعض منصوبوں (اہلِ مکہ سے جنگ کی تیاریوں) کی اطلاع دی تھی۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ خط پڑھکر حضرت حاطب سے پوچھا۔ حاطب! یہ کیا حرکت ہے؟ حضرت حاطب نے جواب دیا میرے خلاف جلدی کوئی فیصلہ نہ فرمائیے، میری بات پہلے سن لیجئے!

"میں (مکہ کا رہنے والا نہیں ہوں) قریش کے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہا تھا وہاں میرا کوئی کنبہ اور خاندان نہ تھا بس یہی ساتھ رہنے کے تعلقات تھے آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں ان کی وہاں رشتہ داریاں اور قرابتیں ہیں اسلئے کفار مکہ ان لوگوں کا کچھ لحاظ کرتے تھے مگر میرے بیوی بچے وہاں تنہا تھے کوئی رشتہ دار نہ تھا تو میں نے یہ خیال کیا کہ قریش مکہ کے ساتھ کچھ سلوک و احسان کردوں جس کی وجہ سے وہ ممنونِ احسان ہوں اور مکہ میں میرے متعلقین کے ساتھ شرارت وایذارسانی نہ کریں۔ یہ کام میں نے کفر وارتداد اختیار کر کے نہیں کیا میرا یہ یقین تھا کہ اللہ تعالےٰ کا عذاب ان کفار قریش پر نازل ہو کر رہے گا اور میرا یہ خط انھیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے گا، مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالےٰ آپ ہی کا حامی وناصر ہوگا۔ میں نے صرف اپنے متعلقین کو ان کی شرارتوں سے محفوظ رکھنے کیلئے ان کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا کہ وہ بھی میرے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت حاطب کی یہ صفائی واقعہ کے مطابق سمجھ میں آگئی اور آپ نے فرمایا۔ حاطب! تم نے صحیح صحیح بات بتادی تم نے ٹھیک ہی بتایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ وہاں موجود تھے بولے، مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق (حاطب) کی گردن اڑادوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ حاطب جنگ بدر میں شریک ہو چکے ہیں تمہیں یہ بات کہاں معلوم کہ اللہ تعالےٰ نے اہلِ بدر کیلئے کیا اعلان فرمادیا ہے اس نے اعلان فرمایا ہے کہ" جو چاہو کئے جاؤ میں نے تمہاری مغفرت (پہلے ہی) کردی ہے (یعنی مستقبل میں بھی تمہاری طرف سے اطمینان ہے کہ تم سے کوئی ایسا کام نہ ہوگا جو مغفرت پر اثر انداز ہو)

یہ ہے ان آیات کا شانِ نزول، اس موقع پر اللہ تعالےٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ (اے ایمان والو! جو اللہ ورسول کی تصدیق کرتے ہو میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو (یعنی کفار ومشرکین کو) اپنا دوست (اور رازدار) نہ بناؤ) ان سے دوستی کا اظہار بغیر یہ سوچے سمجھے نہ کرنے لگو کہ کہیں اس دوستی کا نقصان پوری ملت کو نہ پہنچ جائے۔ حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ یہ اہلِ کفران تمام ہی باتوں کا انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالےٰ کیطرف سے تمہارے پاس آئی ہیں۔ پھر یہ بات بھی تو دیکھنے کی

ہے کہ یہی لوگ تو ہیں جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تم کو شہر بدر کر چکے ہیں جبکہ تمہارا قصور یہی تو تھا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے جو تمہارا پروردگار ہے۔

خود سوچو کہ کیا ایسے کافر جن کا تمہارے ساتھ یہ سب معاملہ رہ چکا ہو کیا یہ لوگ اس قابل ہیں کہ تم ان سے اپنی دوستی و ہمدردی کا اظہار کرو یہ تو بہت بڑی بھول ہے۔

اور اگر تم جہاد فی سبیل اللہ میں میری رضا جوئی کیلئے نکل ہی رہے تھے تو ایسے موقع پر ان سے خفیہ دوستی کا اظہار کرتے ہو (اپنے ملک کے راز دشمنوں کو بتانا کتنی ناسمجھی کی بات ہے) میں جانتا ہوں وہ بھی جسے تم چھپاتے ہو اور وہ بھی جو تم ظاہر کرتے ہو۔

تم تو اپنے گھروں سے میری راہ میں جہاد کرنے نکلے ہو کہ میرے دین اور میرے رسول کی نصرت و مدد کرو اور میری رضا و خوشنودی حاصل کرو تو پھر میرے دشمنوں سے دوستی اور یہ رازداری کیسی ہے! آخر دیکھو کہ میرے رسول کو تمہارے اس خط کی اطلاع مل ہی گئی جو مشرکینِ مکہ کے نام بھیجا گیا تھا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے اچانک حملہ کی اطلاع دے کر جنگی راز فاش کر دیا گیا تھا۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم شاید یہ چاہتے رہے ہوں گے کہ کفار مکہ کو جنگ کی خبر نہ ہو اور وہ لڑائی کیلئے لوگوں کو جمع نہ کر سکیں اور زیادہ خوں ریزی نہ ہونے پائے کہ مکہ فتح ہو جائے۔

آخر میں اللہ تعالےٰ نے ان کفار و مشرکین کی دشمنی کا حال اسی طرح بھی بیان کیا ہے کہ یہ لوگ تمہارے ایسے دشمن ہیں کہ اگر تم پر قابو پا جائیں تو تمہارے دشمن ہو جائیں یہ لوگ پھر تمہاری دوستی کی کوئی پروا نہ کریں اور دست درازی اور زبان درازی کسی سے بھی باز نہ رہیں گے۔ یہ لوگ تو یہی چاہتے ہیں کہ تم لوگ بھی انکی طرح کافر ہو جاؤ۔

اب بطور خلاصہ یہ چند باتیں ذہن نشین فرمالیں۔

(۱) مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرنا، ان کی تائید و مدد کرنا یہ سب حرام ہے۔

(۲) مسلمانوں کے جنگی راز کافر دشمنوں (یہود و نصاریٰ وغیرہم) تک پہنچانا بڑا خطرناک جرم ہے یہ راز پہنچانے والا چاہے کیسا ہی نمازی اور روزہ دار ہو۔

(۳) کفر کی ظلمت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ کافر میں رحم و محبت کا مادہ بالکل نہیں ہوتا موقع پڑ جانے پر وہ مسلمان پر رحم نہیں کرتا کفر کیوجہ سے ان کے دل اندھے ہوتے ہیں، اچھائی برائی کو پہچانتے ہی نہیں۔

(۴) آیت کے شانِ نزول کی روایت میں اہلِ بدر کی فضیلت بیان ہوئی کہ ان کا درجہ بہت بلند ہے، انکی ایسی غلطی بھی معاف کر دی گئی۔

(۵) روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نیک لوگوں کا عذر مان لینا چاہئے۔

سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

○

اسیٔویں نداء

اس بیان میں کہ جو مسلم عورتیں دارالکفر سے دارالایمان کیطرف ہجرت کر کے آئیں انکے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے اور انکے شوہروں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے

○

سُوْرَۃُ الْمُمْتَحِنَۃ
آیت (۱۰-۱۱)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ
الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ
اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ
عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ
اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ
وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ وَاٰتُوْهُمْ
مَّآ اَنْفَقُوْا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ
تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ
اُجُوْرَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ
الْكَوَافِرِ وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ
وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ذٰلِكُمْ

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو انھیں جانچ لیا کرو اللہ انکے ایمان کو خوب جانتا ہے پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا پورا یقین ہو جائے تو انھیں کفار کیطرف واپس نہ کرو یہ عورتیں نہ ان کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافر ان کے لئے حلال ہیں اور ان کافروں کا جو کچھ ان عورتوں پر خرچ ہوا ہے وہ ان کافروں کو دیدو اور تم کو ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جبکہ تم ان کا مہر ادا کر دو اور کافر عورتوں سے تعلقات باقی نہ رکھو (انھیں کافروں کو دیدو) اور جو تم نے ان پر خرچ

حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ وَاِنْ فَاتَكُمْ
شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ
فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ
ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ
اَنْفَقُوْا ○ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ
اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○

کیا ہے وہ ان سے لے لو اور وہ کافر بھی اپنی رقم مانگ لیں (جو انھوں نے مسلمان ہونیوالی عورتوں پر) خرچ کیا ہو یہ اللہ کا فیصلہ ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اللہ بڑا علم والا حکمت والا ہے اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کسی کی بیوی کافروں میں رہ جائے تو تم ان (کافروں) کو سزا دو پھر جن کی بیویاں جاتی رہی ہیں انکو اس میں سے اتنا دیدو جتنا کہ ان مسلمانوں نے جن کی بیویاں جاتی رہی ہیں ان پر خرچ کیا تھا اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تمہارا ایمان ہے۔

تشریح وتفسیر

اس آیتِ شریفہ سے متعلق بھی ایک شانِ نزول ہے پہلے وہ بیان کیا جارہا ہے۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ چھٹی ہجری میں جب صلح حدیبیہ ہوئی تھی تو اس کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ سے جو مرد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آجائیں تو آپ انھیں مکہ ہی کو واپس لوٹا دیں چاہے وہ آنے والا مسلمان مہاجر ہی ہو اور اپنا دین بچانے کے لئے مدینہ آپ کے پاس آیا ہو اور اگر مدینہ سے کوئی مشرک مکہ آجائے تو اہلِ مکہ اسے مدینہ واپس نہ بھیجیں گے۔

اور صلح کی متفقہ شرطوں میں عورتوں سے متعلق کوئی صراحت نہیں تھی کہ اسی دوران حضرت ام کلثوم (عقبہ بن ابی معیط کی صاحبزادی) ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ آگئیں تو ان کے دو بھائی عمارہ و ولید انھیں قریش کے پاس لوٹانے کے لئے آگئے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں بھائیوں کے ساتھ واپس نہیں کیا (معارف القرآن میں ہے کہ عمارہ و ولید بھی مسلمان ہی کی حیثیت میں بہن کے ساتھ تھے ام کلثوم کے شوہر عمرو بن عاص تھے جو اسوقت تک کافر ہی تھے وہ انھیں واپس لے گئے تو آپ نے شرائط صلح کے پیش نظر عمارہ و ولید کو تو واپس کر دیا مگر حضرت ام کلثوم کو واپس نہیں کیا کیونکہ صلح نامہ

کے الفاظ میں واپسی مردوں ہی کے متعلق تھی عورتوں کا ذکر ہی نہ تھا یہ بھی ایک غیبی مدد تھی کہ صلحنامہ لکھنے والوں کا ذہن ہی اس نکتہ کیطرف نہ گیا) آیت مذکورہ کا یہ شانِ نزول ہے ان حالات میں یہ آیات نازل ہوئیں اور ان عورتوں کے متعلق احکام بتائے گئے جو دارالکفر سے ہجرت کر کے دارالاسلام پہنچیں فرمایا گیا کہ اے اہلِ ایمان جب مسلمان عورتیں دارالکفر سے ہجرت کر کے دارالاسلام پہنچیں تو پہلے ان کی جانچ کر لو کہ یہ واقعی مسلمان ہو کر آئی ہیں یا نہیں ؟

ظاہر ہے کہ اس جانچ کا فیصلہ تو ظن و گمان ہی پر مبنی ہو گا حقیقی علم تو اللہ تعالےٰ ہی کو ہے کہ وہ عورتیں صاحب ایمان ہیں یا نہیں ؟ اسلئے اس جانچ اور امتحان کا ایک طریقہ مقرر کر دیا گیا کہ ان عورتوں سے کہا جائے کہ وہ اپنے مسلمان ہونے پر قسم کھائیں اور یہ کہیں کہ میں صرف ایک اللہ پر ایمان رکھتی ہوں اور صرف اسلام کیوجہ سے میں نے ہجرت کی ہے شوہر کی محبت یا کسی اور کی محبت کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ جب وہ اس طرح قسم کھا لیں تو پھر انھیں کافروں کے پاس واپس نہ جانے دو، وہ عورتیں بھی ان کافروں کیلئے حلال نہیں ہیں اور وہ کافر بھی ان کے لئے حلال نہیں رہ گئے کیونکہ اسلام نے اس پاکیزہ تعلق کو ختم کر دیا جو ان دونوں کے درمیان تھا اللہ تعالےٰ نے مشرکین و مشرکات کے ساتھ نکاح کو حرام ٹھہرایا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے مسلم و مہاجر عورتوں کی واپسی منع فرمادی ہے اب اگر اس مہاجر مسلمان عورت کا مشرک و کافر شوہر آ کر یہ مطالبہ کرے کہ میں نے اب تک تجھ پر جو کچھ خرچ کیا ہے وہ مجھے واپس ملنا چاہئے تو مسلمانوں کا شرعی امام و حاکم یا عام مسلمان اس کا مطالبہ ادا کر دیں اور جو رقم اس نے خرچ کی ہو اسے دیدیں۔

ایسی مسلمان مہاجر عورتوں کیلئے یہ بھی بتا دیا گیا کہ اہلِ ایمان مردوں کو ان عورتوں سے نکاح کر لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے جب وہ ان کا مہر ادا کر دیں بقیہ شروط نکاح ملحوظ رکھی جائیں گی جنکی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

ان حالات میں یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ کوئی کافر و مشرک مسلمان ہو جائے اور اسکی بیوی بدستور کافر ہی ہو تو پھر ان دونوں کا تعلقِ نکاح ختم ہو جائے گا۔ اب مرد اس عورت کو نہیں رکھ سکتا۔ اسی طرح اس کے برعکس کہ کوئی مسلمان عورت نعوذ باللہ منہ مرتد ہو جائے اور اس کا شوہر مسلمان ہو تو مرد اس مرتد عورت کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ ان صورتوں میں بھی ہر ایک شوہر اپنی بیوی سے مہر وغیرہ کی جو رقم اس پر خرچ کی ہو اس سے واپس لے سکتا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اپنی ہدایت اس ارشاد پر ختم فرمادی کہ " یہ اللہ کا فیصلہ ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے، اللہ بڑا علم والا حکمت والا ہے۔ اسے اپنی تمام مخلوق کا اور ان کی جملہ ضروریات کا علم ہے، اس کے ہر فیصلہ میں حکمت ہوتی ہے لہٰذا بے چون و چرا اس کے احکام مان لینے چاہئیں۔

اور اگر یہ صورت ہو کہ تم میں سے کسی کی عورت نعوذ باللہ منہ مرتد ہو کر کافر کے پاس چلی جائے اور تم اس سے اپنی خرچ کی ہوئی رقم کا مطالبہ کرو اور وہ ادا نہ کرے اور اس کے بعد جہاد کی نوبت آئے جس میں مالِ غنیمت حاصل ہو تو غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے اس کے شوہر کی رقم ادا کر دی جائے۔

آخر میں تقویٰ کی تاکید ہے اور اس کا حکم دیا ہے کہ اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم لوگ ایمان رکھتے ہو۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اکیاسی ویں ندا ۸۱

یہود سے دلی دوستی کی ممانعت

{ سورۃ الممتحنۃ
آیت (۱۳) }

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ
كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ
اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ○

اے ایمان والو! اس قوم سے دوستی نہ کرو جس پر اللہ نے اپنا غضب فرمایا ہے کہ وہ سب آخرت سے ایسے مایوس ہو گئے ہیں جیسے قبروں میں دفن شدہ) کفار نا امید ہیں۔

تشریح و تفسیر

یہ ندائے مبارکہ سورۂ ممتحنہ کے ختم پر ذکر کی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے سورۂ ممتحنہ کی ابتداء اور اس کی انتہاء بھی ایک ہی مضمون سے فرمائی ہے

آغازِ سورہ میں اللہ و رسول کے دشمن عام کفار و مشرکین سے دوستی کو حرام بتایا ہے کہ اہلِ ایمان ان دشمنانِ خدا و رسول سے دوستی نہ کریں۔ اب یہاں ختم سورہ پر اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی دوستی سے روکا جا رہا ہے کیونکہ یہ بھی تو اللہ و رسول اور اہلِ ایمان کے دشمن ہی ہیں۔

یہود و نصاریٰ سے جو ربط و تعلق حرام کیا گیا ہے وہ دلی دوستی اور نصرت و

مدد کا تعلق ہے کیونکہ یہ بات تو ہر طرح سے بالکل نامعقول اور کسی طرح بھی قابل قبول نہیں کہ کوئی شخص اپنے اس خدا سے عداوت و دشمنی کا مرتکب ہو جس خدا نے اسے پیدا کیا، عدم سے وجود میں لایا پھر زندہ رہنے کیلئے اسے رزق و روزی سے نوازا جب تک وہ زندہ رہا وہی خدا ہی اس کی حفاظت کرتا رہا اور یہ شخص بجائے اسکے کہ اس سے محبت کرے اس سے عداوت و دشمنی کر رہا ہے نہ کبھی اسے یاد کرتا ہے نہ اس کا شکر ادا کرتا ہے نہ اس کے کسی حکم کی تعمیل کرتا ہے نہ ہی کسی معاملہ میں اس کی ممانعت کی تعمیل کرتا ہے گویا ہر معاملہ میں جو کچھ اسے کرنا چاہئے بالکل اس کا الٹا اور اس کے برعکس طرزِ عمل اختیار کرتا ہے کیونکہ اس کا طرزِ عمل تو یہ ہے کہ وہ ہر اس بات کو پسند کرتا ہے جو اس کے خدا کو ناپسند و ناگوار ہو، اور ہر اس بات کو برا اور ناپسند سمجھتا ہے جو اس کے خدا کو محبوب و پسند ہو۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ ایسے لوگوں سے جو اپنے خالق و مالک سے عداوت و دشمنی کریں اور اس کے رسولوں اور دوستوں سے جنگ اور مقابلہ کریں۔

اللہ تعالےٰ کی اسی ممانعت کیوجہ سے اہلِ کفر و شرک سے دلی تعلق اور دوستی رکھنا گناہِ عظیم قرار پایا اور اب کوئی بھی اللہ کا سچا بندہ جو دل میں دولتِ ایمان رکھتا ہو ایسا نہ ملے گا کہ اس کے دل میں ایسے شخص کی محبت پائی جائے جو اللہ و رسول کا دشمن ہو اور اہلِ ایمان سے عداوت رکھتا ہو چنانچہ اسی مضمون کو اللہ تعالےٰ نے اپنی اس آیت میں بیان فرمایا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ
اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ
قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ
بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

آپ ایسے لوگ نہ دیکھیں گے کہ جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہوئے ایسے لوگوں سے دوستی (بھی) کریں جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہوں خواہ یہ لوگ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے کے لوگ ہی ہوں اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کا نقش بٹھا دیا ہے اور اپنے فیض سے انھیں تقویت دیدی ہے اور انھیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہینگے

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○	اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش - یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں اور خوب سن لو کہ اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہے۔

یہ لوگ جن کے متعلق اللہ تعالے نے یہ فرمایا کہ ان کے دلوں میں کسی بھی کافر کی دوستی نہ ہوگی چاہے وہ کافر ان کا بہت ہی قریبی رشتہ دار و اہل تعلق ہی کیوں نہ ہو یہ ایسے لوگ ہیں کہ اللہ تعالے نے ان کے دلوں میں ایمان کا بہت گہرا نقش لکھ دیا ہے جو مٹ نہیں سکتا اور انھیں ایمان و ہدایت کی دلیل و برہان کی بدولت ثابت قدمی و پختگی عطا فرمادی ہے اور آخرت کا انعام یہ ہوگا کہ اللہ تعالے ان لوگوں کو جنت کے ایسے باغوں میں (رہنے کیلئے) داخل فرمادینگے جن کے نیچے متعدد نہریں بہتی ہوں گی اس جنت میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے کبھی نہ موت آئے گی نہ وہاں سے نکلیں گے اور سب سے بڑا انعام تو یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے راضی و خوش ہوگا اور یہ لوگ بھی اللہ تعالے کے ہر انعام پر خوش ہوں گے۔

یہ لوگ اللہ کے گروہ ہیں، شیطان کی پارٹی میں نہیں ہیں کیونکہ یہ سب تو اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کرتے ہیں جس میں شیطان کا کوئی بھی حصہ نہیں ہوتا۔

آخر میں اللہ تعالے نے اپنے بیان انعام پر اس اعلان کی مہر لگادی کہ "اچھی طرح سن لو کہ یہ بات بالکل قطعی و یقینی ہے کہ اللہ تعالے کے گروہ والے ہی فی الحقیقت دوزخ سے نجات پاکر جنت میں داخل ہوکر کامیاب ہونیوالے ہیں جو نیک لوگوں کا ٹھکانا ہے اور شیطانی پارٹی کے لوگ یعنی اہلِ کفر و اہلِ شرک نیز مجرم و گنہگار لوگ اس روز نقصان اور گھاٹے میں رہیں گے کہ خود اپنی جان سے اور اپنے متعلقین سے قیامت کے دن خسارے میں پڑے۔ چنانچہ اللہ تعالے نے انھیں لوگوں کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔

قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ○	آپ ان لوگوں سے (یہ بھی) کہدیجئے کہ سراسر نقصان و خسارے میں تو وہی رہے جنھوں نے اپنی جانوں کو اور اپنے متعلقین کو روز قیامت نقصان میں ڈالا سن لو! کہ یہ تو کھلا ہوا خسارہ ہے (کہ نہ خود بچ سکا نہ متعلقین بچ سکے۔

آخر میں ہم پھر اس ندائے خداوندی کی تشریح کیطرف توجہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا" اے اہلِ ایمان کہ تم اللہ تعالے کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی و رسول ہونے پر ایمان رکھتے ہو (اس ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ)

تم ایسے لوگوں سے دلی دوستی نہ کرو جن پر اللہ تعالے نے غضب فرمایا ہے اور نہ انکی کوئی نصرت و مدد کرو، اللہ تعالے اس آیت میں اہلِ ایمان کو خاص طور پر یہود سے دوستی کی ممانعت فرما رہے ہیں کیونکہ یہود کی قوم ہی وہ قوم ہے جس پر اللہ تعالے نے غضب فرمایا ہے اور اس غضبناکی کی اصل وجہ یہی ہے کہ انھیں اللہ تعالے کی کتاب توریت کے ذریعہ حق بات پوری طرح معلوم ہو چکی تھی انھوں نے حق کو پہچان کر اس سے انحراف و اعراض کیا تھا انھیں اللہ تعالے کے محرمات (حرام کی ہوئی باتوں) کا اچھی طرح علم تھا اور اس علم کے باوجود وہ ان کے مرتکب ہوئے، اسی طرح وہ راہ ہدایت سے پوری طرح واقف تھے لیکن دانستہ اسے چھوڑ دیا اور گمراہی اختیار کرکے اسی کو اپنا لیا۔

ان کی یہی حرکتیں اللہ تعالے کے غیض و غضب کا سبب بن گئیں اس لئے خصوصیت سے ایسے لوگوں سے دوستی کی ممانعت فرمائی گئی۔

اللہ تعالے نے اس موقع پر یہود کی یہ برائی بھی بیان فرمادی کہ یہ سب کے سب آخرت ہی سے بالکل مایوس و ناامید ہو گئے ہیں انھیں یہ توقع و امید ہی نہیں ہے کہ مرنے کے بعد عالم آخرت بھی ہے جہاں اہلِ ایمان دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہ کر دخولِ جنت کی سعادت حاصل کریں گے۔ یہود کی اس مایوسی کا سبب ان کا یہ علم بنا جو انھوں نے اپنی کتاب توریت میں اللہ تعالے کی قضا و قدر سے متعلق پڑھ رکھا تھا۔ حق بات کو جاننے پہچاننے کے بعد اس سے اعراض اور روگردانی اختیار کرنے پر ایسے لوگوں کے حق میں اللہ تعالے کا جو حکم و فیصلہ ہونا ہے اس سے یہ لوگ پوری طرح باخبر تھے۔ اس کے باوجود حق کو پہچانتے ہوئے انھوں نے اس سے روگردانی اختیار کی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ و محبوب چیزوں کو جانتے ہوئے انھوں نے ان چیزوں کو مکروہ اور برا سمجھا اور اللہ تعالیٰ

کی ناپسند اور ناراضی کی چیزوں کو جانتے بوجھتے ہوئے ان کا ارتکاب کیا۔

آخر کار جب اپنی گمراہیوں اور بداعمالیوں کے باعث کفر و شرک اور جرائم و معاصی کے ہلاکت خیز سمندر میں بالکل غرق ہو گئے تو پھر خود ہی دوزخ سے نجات پانے اور جنت میں داخلہ نصیب ہونے سے مایوس و ناامید ہی ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے انکی اس مایوسی و ناامیدی کو کفار کی اس ناامیدی سے تشبیہ دی ہے جو انھیں ان کفار کے حق میں تھی جو حالتِ کفر و شرک میں مر گئے تھے، کیونکہ اس قسم کے کافر و مشرک لوگ بھی اپنے داخلۂ جنت سے یوں ہی ناامید و مایوس رہتے ہیں بلکہ ان کے رشتہ دار عزیز و قریب بھی مایوس ہو جاتے ہیں کہ یہ لوگ قبر میں جانے کے بعد پھر لوٹ کر دنیا میں نہ آئیں گے، بالکل اسی طرح یہ مستحقین غضب یہود بھی آخرت کی سعادت مندی، دوزخ سے نجات اور جنت کے داخلہ سے مایوس و ناامید ہو چکے ہیں۔

اللہ تعالےٰ کے غضب و عقاب سے پناہ۔ آمین

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

○

بیاسی ۸۲ ویں ندا

اس بات کی مذمت میں کہ انسان ایسی بات کہے جو کر نہ سکے، بندہ کی ایسی بات اللہ تعالیٰ کو ناراض کر دیتی ہے
(اور یہ کہ) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو محبوب رکھتے ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ کریں اور ثابت قدم رہیں

○

سورۂ صف
(آیات ۲، ۳، ۴)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ
تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا
عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ
سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ
مَّرْصُوْصٌ ۝

اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو محبوب رکھتے ہیں جو اس کے راستے میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

تفسیر و تشریح

اس آیتِ مبارکہ اور ندائے رحمانی کا ترجمہ تو اوپر آپ نے ملاحظہ فرما لیا اب اس کی تفسیر و تشریح ملاحظہ ہو۔

اس آیت کا شانِ نزول جیسا کہ کتبِ حدیث و تفسیر سے معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی دینی مذاکرہ اور گفتگو کر رہی تھی دورانِ گفتگو وہ حضرات یہ کہہ بیٹھے کہ کاش ہمیں یہ بات معلوم ہو جاتی کہ اللہ تعالےٰ کو سب سے زیادہ محبوب کون سا عمل ہے تو ہم وہ عمل کرتے رہتے لیکن جب انھیں اللہ تعالےٰ کا پسندیدہ عمل معلوم ہو گیا تو وہ اس میں کمزور پڑ گئے اور اپنی بات پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔

ان حضرات کا یہ واقعہ کچھ اسی قسم کا ہے جس قسم کا ایک دوسرا واقعہ قرآن مجید میں دوسری جگہ مذکور ہے، اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ
كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ
الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ
النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ
خَشْيَةً ۚ

اے مخاطب! تم نے کیا ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ جہاد سے روکے رہو اور نماز قائم کئے رہو زکوٰۃ دیتے رہو پھر جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا تو ان کا یہ حال ہوا کہ بعض بعض آدمی لوگوں سے ایسا ڈرنے لگے جیسے کوئی اللہ سے ڈرتا ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈر

یعنی وہ جہاد کیلئے آمادہ ہی نہ ہوئے اور ڈر گئے۔

آیت کا مندرجہ بالا شانِ نزول اگرچہ چند مخصوص حضرات کے ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے لیکن اصولِ تفسیر میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ ایسے مواقع میں قرآن مجید کے الفاظ کو عام معنوں میں ہی رکھا جائے گا اور آیت میں دیا ہوا حکم ہر زمانے اور ہر مخاطب کیلئے عام رہے گا کیونکہ جملہ اہلِ ایمان میں ہر زمانے اور ہر جگہ میں ایسے لوگ ہو سکتے ہیں جن کا حال ایسا ہی ہو جیسا حال قرآن مجید میں ان لوگوں کا بیان کیا گیا ہے۔

اور قرآن مجید بہرحال اصلاح و ہدایت کی کتاب ہے ہر صاحب ایمان ہر شہر و ہر ملک اور ہر زمانے میں قرآن مجید سے اصلاح و ہدایت حاصل کرنے کا محتاج ہے۔

اللہ تعالیٰ نے "لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ" فرما کر گویا یوں بھی کہا ہے۔

"لِمَ تَعِدُوْنَ وَلَا تُوْفُوْنَ" یعنی اے اہلِ ایمان تم وعدہ کیوں کرتے ہو جسے پورا نہیں کرتے۔

اس طرح اس آیت میں ہر ایسے شخص کیلئے تنبیہ و آگاہی ہے جو وعدہ کرے اور پورا نہ کرے۔

چنانچہ حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ بات بتادی ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں (ایک تو یہ کہ جب بھی کچھ کہے جھوٹ کہے، دوسری یہ کہ جب وعدہ کرے اسے پورا نہ کرے، تیسری پہچان یہ ہے کہ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو امانت میں خیانت کرے) اس حدیث شریف میں حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے وعدہ خلافی کو بھی نفاق کی ایک علامت بتایا ہے، اس حدیث کی روشنی میں اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہی وعدہ خلافی ہو گا جو حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے۔

آیت شریفہ میں آیا ہوا فقرہ "لِمَ تَقُوْلُوْنَ" گویا فہمائش و تنبیہ ہے کہ کوئی بات صرف کہنے کی حد تک محدود نہ رکھو جو کچھ کہو اس پر عمل بھی کرو تو جو شخص صرف وعدہ تو کرلے مگر اسے پورا نہ کرے یعنی وعدہ خلافی کرے تو ایسا شخص گویا اس شخص کی مانند ہے جو کسی کام کیلئے یوں کہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے حالانکہ اس نے وہ کام نہیں کیا ہے صرف غلط بیانی سے وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔ اس طرح اس آیت میں جس طرح عمل کے بغیر صرف زبانی خواہش عمل کے اظہار پر تنبیہ کی گئی ہے اسی طرح بغیر نیتِ ایفاء وعدہ صرف زبانی وعدہ پر بھی تنبیہ کی گئی ہے۔

لہٰذا آیتِ مبارکہ کے الفاظ "لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ" کے معنیٰ یہ لئے جائیں گے کہ تم یوں کیوں کہتے ہو کہ ہم نے یہ کام کیا حالانکہ تم نے وہ کام نہیں کیا ہے جیسے کوئی شخص غلط طور پر یوں کہہ دے کہ میں نے جہاد و قتال کیا ہے حالانکہ واقعۃً اس نے جہاد و قتال نہیں کیا ہے، یا کوئی یوں کہہ دے کہ میں نے کچھ دیا ہے حالانکہ اس نے کچھ بھی نہیں دیا ہے۔

مختصر یہ کہ خلافِ ارادہ یا خلافِ واقعہ یا خلاف وعدہ جو بات بھی ہو گی اس آیت میں اس قسم کی ہر بات پر تنبیہ کی گئی ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اس قسم کی ہر بات کیلئے فرمایا ہے "کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ" (خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے) کہ تم نے یوں تو کہدیا کہ ہم ایسا کریں گے مگر تم نے ویسا کیا نہیں)

تمہاری اس قسم کی باتیں ایسی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت زیادہ ناراض ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ناراضی سے محفوظ رکھے۔ آمین

اللہ تعالےٰ نے آیتِ مبارکہ میں پہلے تو یہ تنبیہ فرمائی جس کا بیان ہو چکا اب آگے اللہ تعالےٰ ان حضرات کی خواہش کے مطابق یہ بھی ارشاد فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کون سا عمل محبوب ہے۔ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ
فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ
بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو محبوب رکھتے ہیں جو اس کے راستے میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ لوگ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

اس آیت میں اس بات کیطرف کھلا ہوا اشارہ بھی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اوپر کی آیت (لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ) میں جن لوگوں کو تنبیہ فرمائی تھی، ان لوگوں نے جہاد کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر پھر جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے اور اپنا وعدہ پورا نہیں کیا تھا۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس آیت میں غزوۂ احد کے اس مشہور واقعہ کیطرف اشارہ ہو جب جنگ احد میں آثار شکست دیکھ کر کچھ لوگ معرکہ ختم ہونے سے پہلے ہی میدانِ جنگ سے روانہ ہو گئے تھے۔

اس آیت کا مضمون اوپر کی آیت سے اس طرح جوڑا جا سکتا ہے کہ آیت کی تشریح یوں کی جائے کہ اللہ تعالےٰ ایسے لوگوں سے کیوں ناراض ہوتے ہیں جو جہاد کے وقت وعدۂ شرکت جہاد پورا نہ کرتے ہوں اور جہاد سے پہلو تہی کرتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کو محبوب ایسے ہی لوگ ہیں جو اس کے راستہ میں صف بستہ قطار باندھ کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کیطرح جم کر مقابلہ کیلئے ڈٹ جاتے ہوں۔ لہٰذا جو لوگ ایسے نہ ہوں گے اللہ تعالےٰ کی ان سے ناراضی بالکل کھلی ہوئی

بات ہے۔

اب ذرا حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنئے آپ اللہ تعالیٰ کے ہنسنے کی خبریوں دے رہے ہیں فرماتے ہیں:

ثَلَاثَۃٌ یَّضْحَکُ اللّٰہُ اِلَیْہِمُ
الرَّجُلُ یَقُوْمُ مِنَ اللَّیْلِ وَالْقَوْمُ
اِذَا صَفُّوْا لِلصَّلٰوۃِ وَالْقَوْمُ اِذَا
صَفُّوْا لِلْقِتَالِ۔

تین قسم کے لوگوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ خوش ہوتے اور ہنستے ہیں۔ ایک تو وہ شخص جو رات کو نماز پڑھنے کیلئے کھڑا ہو دوسرے وہ لوگ جو نماز جماعت کیلئے صف بندی کر کھڑے ہوں تیسرے وہ لوگ جو میدانِ جہاد میں قتال کیلئے صف بستہ کھڑے ہوں۔

اسی بناء پر بعض بزرگ گھوڑے پر سوار ہو کر جہاد کو ناپسند کرتے اور پاپیادہ جہاد پسند کرتے تھے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب مجاہدین کا جو نقشہ کھینچا ہے اس میں مجاہدین کو زمین پر صف بستہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کیطرح کھڑے ہوئے دکھلایا ہے۔

اس حدیث کے راوی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سے فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ جب مجھے دیکھو کہ میں صف قتال سے کچھ ادھر ادھر ہو گیا ہوں تو مجھے سیدھا کر دیا کرو۔ اور یہ بالکل وہی بات ہے جو اس مجاہد کیلئے کہی گئی ہے جو میدان جہاد میں صف سے نکل کر کسی عذر کے بغیر جہاد سے پیٹھ پھیر کر چلا جائے کہ یہ صورت بہت بڑا گناہ اور بالکل حرام ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا
لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا
فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ وَمَنْ
یُّوَلِّھِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا
لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ فَقَدْ
بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاْوٰہُ
جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝

اے ایمان والو! جب کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو جائے تو پھر ان سے اپنی پیٹھ نہ پھیرنا۔

اور جو کوئی اس دن ان سے اپنی پیٹھ پھیریگا تو (صرف) ان لوگوں کو چھوڑ کر جو لڑائی میں داؤں دینے کیلئے جگہ بدل رہے ہوں یا اپنی فوج میں پناہ لے رہے ہوں وہ اللہ تعالےٰ کے غضب کا مستحق ٹھہرے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ تو بہت بری جگہ ہے۔

اب آخر میں اس نداء حق کا یہ خلاصہ کہ ذہن نشین رہے اسے بھلایا نہ جائے وہ خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔۔۔ جھوٹ اور خلاف واقعہ بات کہنا بھی حرام ہے اور وعدہ خلافی بھی حرام ہے کسی شخص کا یہ کہنا کہ میں ایسا کروں گا اور وہ نہ کرے تو یہ بات جھوٹ اور خلاف واقعہ بھی ہے اور وعدہ خلافی بھی ہے اسی وجہ سے اس پر اللہ تعالےٰ نے بڑی ناراضی ظاہر فرمائی ہے

۲۔۔۔ جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت کے ساتھ ساتھ اجتماعیت اور اتحاد کی اہمیت اور اختلاف وافتراق کی مذمت ملحوظ رہے۔

۳۔۔۔ جہاد میں صف بستہ ہونے کی تاکید سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں صفوں کی درستی کس درجہ ضروری ہے۔

وَاللّٰہُ رَءُوفٌ بالعباد وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

* * *

تراسی ۸۳ ویں ندا

اس بیان میں کہ سب سے زیادہ بیش بہا سامانِ تجارت "جنت" ہے جس کیلئے "ایمان وجہاد" کی قیمت درکار ہے

سورۂ صف
(آیات ۱۰-۱۱)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ
مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ
وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ
سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ
ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَیُدْخِلْکُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ
خَالِدِیْنَ فِیْھَا وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً
فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِکَ الْفَوْزُ
الْعَظِیْمُ ۝

اے ایمان والو! کیا میں تم لوگوں کو ایک ایسی تجارت بتادوں جو تم کو (روزِ قیامت) دردناک عذاب سے بچالے (تو سنو!) تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور (اس ایمان کے ساتھ) اللہ کی راہ میں اپنے مال وجان سے جہاد کرو۔

یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم کچھ جانتے بوجھتے ہو (تو یہ بھی جانتے ہو گے) (اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ) وہ تمہارے گناہ بخشدیگا اور تم کو (جنت کے) باغوں میں داخل کردیگا جسکے نیچے متعدد نہریں بہتی ہوں گی جس میں تم ہمیشہ رہو گے اور جنت جاوداں کے پاکیزہ محلوں میں (داخل کریگا) یہی بڑی کامیابی ہے۔

تشریح وتفسیر

اللہ تعالےٰ نے اس نداء مبارکہ کے ذریعہ اہلِ ایمان کو آئندہ بیان کی جانے والی بات سننے کے لئے ان میں رغبت وشوق پیدا کرنا چاہا ہے جس طرح ہم آپ ایسے ہی کسی موقع پر اپنے کسی عزیز یا دوست سے یوں کہتے ہیں کہ "ہم تمہیں ایک چیز دینا چاہتے ہیں تم اسے لوگے؟ ظاہر ہے کہ چیز دینے کا فیصلہ کیا ہی جا چکا ہے اب اس سے پوچھنے کا مقصد صرف اسے شوق دلانا اور اس کیطرف رغبت پیدا کرنا ہے۔

چنانچہ اس موقع پر نداء کا یہ طریقہ کہ" اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتاؤں جس میں یہ یہ فائدے ہوں گے" یہ صرف تشویق وترغیب ہی کے لئے اختیار کیا گیا ہے اور ایسا اسلئے کیا گیا کہ حضرات صحابہ رسول نے یہ بات کہی تھی کہ:

" اگر ہم کو اللہ تعالےٰ کے پسندیدہ ومحبوب کام کا علم ہو جائے تو ہم وہی کام کریں" تو اللہ تعالےٰ نے انھیں اپنی نداء کے ذریعہ مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: (یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) اے وہ لوگو! جو اللہ پر اور روز قیامت اس کی ملاقات پر اور قرآن اور اس کے جملہ احکام پر اور اس کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی شریعت پر ایمان رکھتے ہو (ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ) یہاں پر عذاب الیم سے دنیاوی واخروی دونوں ہی عذاب مراد ہیں، دنیا کا عذاب تو یہ ہے کہ تم پر کوئی دشمن غالب ہو کر جبر وقہر کے ساتھ حکومت کرے یا تم خوف وہراس اور فقر وفاقہ میں مبتلا ہو جاؤ — اور آخرت کا عذاب تو دوزخ ہے جو بہت ہی بری جگہ ہے — بلکہ دوسرے لفظوں میں عذاب کی حقیقت یوں سمجھو کہ عذاب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کیوجہ سے زندگی کی مٹھاس اور اس کا سارا مزہ جاتا رہے۔ اور الیم کے معنیٰ ہیں بہت ہی دردناک" جس کی تکلیف اور درد برداشت نہ ہو سکے۔

اس طرح اللہ تعالےٰ نے اہلِ ایمان کے لئے ایک طرف تو ان کے دلوں میں اس تجارت کی رغبت وشوق پیدا کیا اور دوسری طرف اس تجارت کے نہ کرنے جن میں نقصانات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اس کا بھی ضمناً ذکر کر دیا اب

اس ترغیب وترہیب کے بعد اللہ تعالیٰ اس بیش بہا مالِ تجارت کی وہ قیمت بیان فرماتے ہیں جو انھیں چاہئے فرماتے ہیں:

(تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ) یعنی اللہ تعالےٰ کی الوہیت پر قیامت میں اس کی ملاقات پر اس کے تمام وعدوں اور وعیدوں پر ایمان لاؤ اس کے رسول اور اس کی شریعت ودعوت پر ایمان لاؤ۔ اس کے بعد ارشاد ہوا:

(وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ) اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں سے یعنی ہر اس کافر ومشرک سے جہاد کرو جو تم سے آمادۂ جنگ رہے اور تمہارا، تمہارے رب کا دشمن بن کر رہے خدا کو چھوڑ کر دوسرے کی بندگی کرے، خدا کا دین چھوڑ کر دوسرا دین ومذہب اختیار کرے ایسے لوگوں سے جہاد کرو اور یہ جہاد جان ومال دونوں ہی سے ہونا چاہئے چنانچہ فرمایا:

(بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ) یہ جہاد اپنے مال سے بھی کرو اور جان سے بھی کرو۔ اللہ تعالےٰ نے مال کے جہاد کو پہلے ذکر فرمایا جان کے جہاد کو بعد میں کہا کیونکہ جان کے جہاد کی تیاری اور اس کے لئے ساز وسامان کی فراہمی تو مال ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے اس لئے پہلے تو مال ہی کی ضرورت ہو گی۔ جان لڑانے اور جانی جہاد کرنے کا موقع تو اس کے بعد ہی آئے گا۔ یہیں پر یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ جہاد بالنفس اور جانی جہاد کا مطلب کیا ہے تو سمجھئے کہ اپنی انتہائی کوشش اور پوری قوت وطاقت اس مقصد کیلئے صرف کر دینا یہی جہاد بالنفس اور جان کا جہاد ہے۔

اس موقع پر اس نکتہ کی وضاحت بھی ہو جانی چاہئے کہ اللہ تعالےٰ نے جہاد مال اور جہاد جان کا ذکر کرنے سے پہلے" فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ" کس لئے فرمایا ہے یہ فقرہ" بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ" کے بعد میں بھی آسکتا تھا اسے پہلے ذکر کرنے میں یہ اشارہ بھی مقصود ہے کہ" جہاد" اسی وقت حقیقی جہاد ہو گا جب اس سے مقصود صرف اعلاء کلمۃ اللہ، کلمۂ توحید کی بلندی ہو — اگر کوئی جہاد اس مقصد کے علاوہ کسی دوسری غرض سے کیا جائے گا تو وہ ایمانی جہاد نہ ہو گا اور نہ اس کے نتیجہ میں مغفرت ودخول جنت کے یہ انعامات ملیں گے بلکہ ایسی خوں ریزی کی جنگ دینی نقطۂ نظر سے بالکل غلط اور قابل مذمت ہے۔

اعلاء کلمۃ اللہ سے مراد وہ نظامِ زندگی ہے جس میں صرف اللہ تعالےٰ کی بندگی و

غلامی ہو اور اس کے بندوں پر اس کی شریعت کے احکام نافذ ہوں، اللہ کے مقرب بندوں اور اس کے دوستوں پر ظلم و جبر نہ ہو جنھیں مومنین و متقین کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالے کا ارشاد ہے:

(ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ) یعنی اے اہل ایمان اس تجارتی معاملہ میں تمہاری شرکت بہت بہتر ہے تمہیں اس تجارت میں شریک ہو جانا چاہئے اس سے اعراض و علیحدگی کسی طرح نہ اختیار کرو کیونکہ اس تجارت کے نتیجہ میں خود تمہاری بھی بقا ہے اور تمہارے مال کی بھی اگرچہ اس دنیاوی زندگی میں تو کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جسے یہاں بقا و دوام مل سکے۔

اس کے باوجود یہ تجارت بہر صورت و بہر حال تمہاری اور تمہارے مال کی حفاظت و بقاء کی ضامن ہے۔ اس تجارت کی قیمت اللہ تعالے نے اوپر بتا ہی دی ہے کہ اس کی قیمت ایمان اور اللہ کی راہ میں جہادِ مال و جان ہے۔ اب اس کے بعد اس تجارت کا فائدہ و نفع یوں بیان فرماتے ہیں:

(یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَیُدْخِلْکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِیْنَ فِیْهَا وَمَسٰکِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ)

اللہ تعالے کے ارشاد کا حاصل یہ ہوا کہ اے اہلِ ایمان اگر تم نے صدق دل سے اللہ و رسول اور انکی تعلیمات پر ایمان رکھتے ہوئے اس کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرتے ہو تو اللہ تعالے تمہارے گناہوں کی مغفرت فرما کر تمہیں جنت کے باغوں میں داخل کر دے گا جسکے نیچے نہریں بہتی ہوں گی مگر شرط یہی ہے کہ تم اس بیش بہا متاع تجارت کی یہ مقررہ قیمت ادا کر دو۔

آیت شریفہ میں (مَسٰکِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ) کا ذکر بھی اسی بیش بہا متاع تجارت کے ایک جزء کی حیثیت سے فرمایا ہے جو ایمان و جہاد کی قیمت ادا کرنے پر اہلِ ایمان کو ملے گا۔ اللہ تعالے نے اس ندا، تجارت کا خاتمہ (ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ) پر فرمایا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ اس درجہ بیش بہا اور ہمیشہ باقی رہنے والی چیزیں اور نعمتیں صرف ایمان و جہاد کی قیمت ادا کر کے حاصل کر لینا اہلِ ایمان کے لئے بہت بڑی کامیابی ہے اور اس سارے نفع میں سب سے خاص فائدہ تو یہی ہے کہ اس کی بدولت انھیں دوزخ سے نجات مل جائیگی اور انھیں نیک لوگوں کے ساتھ جنت میں داخلہ مل جائیگا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے اس عظیم الشان دینی فائدے کے ساتھ دنیا کے فائدے کا بھی اعلان فرما دیا ہے ارشاد فرماتے ہیں: (وَ اُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ) یعنی اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو آخرت کے علاوہ دنیا میں) تمہاری محبوب چیز ایک اور بھی دے گا اللہ تعالے کی بڑی نصرت و مدد اور عنقریب ہی کامیابی (بھی دی جائیگی) انعام آخرت تو اصل معاملہ تجارت سے متعلق ہے اس کے ساتھ دنیا کے اس فائدے کی بخشش ایسی ہی ہے جیسے بڑے بڑے اہل تجارت اصل فروخت شدہ سامان کے ساتھ علیحدہ سے کچھ زائد تحفہ دیدیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالے نے بھی آخرت کے تجارتی سامان کے ساتھ اتنا عطیہ و تحفہ دنیا میں بھی دیدیا کہ اہلِ ایمان کو اپنے اور ان کے دشمنوں کے خلاف نصرت و مدد دیدی اور اعلان کے تھوڑے ہی دنوں بعد ام القریٰ یعنی شہرِ مکہ کی فتح نصیب فرما دی۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنا تجارتی اعلان اس فقرہ میں ختم فرمایا (وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ) اے ہمارے رسول! آپ ان تمام لوگوں کو خوشخبری سنا دیں جو ہم پر اور ہمارے رسولوں پر اور ہمارے وعدوں پر پورا یقین و ایمان رکھتے ہوں انھیں یہ خوشخبری دیدی کہ ہم نے ان آیات میں جو کچھ اعلان کیا ہے انھیں یہ سب پورا پورا بغیر کسی کمی و نقصان کے ملے گا۔

چنانچہ اس کا دنیاوی فائدہ اہل ایمان کو دنیا میں دیدیا گیا فالحمدللہ کہ اللہ تعالے نے انھیں دشمنوں پر اپنی مدد کے ذریعہ غالب فرما دیا اور مکہ شریف اور کتنی ہی حکومتوں کے پایۂ تخت ان کے حق میں فتح فرما دیئے۔

آخر میں گذشتہ صفحات میں ذکر کی گئی تفصیلات ذہن نشین کرنے کیلئے اس طرح اجمالاً پھر ملاحظہ فرما لیجئے۔

۱ــــ پہلی بات تو یہ کہ جان و مال کا جہاد فی سبیل اللہ بڑی فضیلت رکھتا ہے اور یہ کہ یہ جہاد دنیاوی زندگی میں بڑی ہی نفع بخش اور سود مند تجارت ہے۔

۲ــــ دوسری بات یہ ذہن نشین رکھیں کہ اللہ تعالے نے اہلِ ایمان کو دنیاوی زندگی میں جو خوشخبری دی تھی وہ مشاہدہ میں آگئی پیشین گوئی کا اس طرح سچا ہونا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ دینِ اسلام بھی صحیح ہے اور اس کی دعوت بھی صحیح ہے

اور یہ کہ اہلِ اسلام اگر دینِ اسلام پر ثابت قدم رہیں اور عقائد و عبادات، احکام و قوانین، آداب و اخلاق وغیرہ پر پوری طرح عمل پیرا رہیں تو آئندہ بھی اسی طرح انھیں کامیابی مل سکتی ہے اور یہ اسی طرح امن و امان اور فارغ البالی کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

* * *

---

۸۴ چوراسی ویں ندا

اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت اور دین والوں کی نصرت اہلِ ایمان پر واجب ہے اس معاملہ میں اُن لوگوں کی پیروی ہونی چاہئے جنھیں جب نصرت دین کی دعوت دی گئی تو انھوں نے اس دعوت پر لبیک کہا اور دعوت قبول کرلی

{سورۂ صف
آیت ۱۴}

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا
اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ
لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ
الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ
طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ
وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا
ظٰهِرِيْنَ ۝

اے ایمان والو! اللہ کے نصرت کار و مددگار ہو جاؤ جس طرح (حضرت) عیسیٰ بن مریم نے جب اپنے حواریوں سے کہا کہ اللہ کی راہ میں کون میرا مددگار ہوتا ہے؟ تو ان حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نصرت کار و مددگار ہیں چنانچہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت ان پر ایمان لے آئی اور ایک دوسری جماعت نے کفر اختیار کیا تو ہم نے اہلِ ایمان کی ان کے دشمنوں کے خلاف مدد کی تو وہ سب (ان پر) غالب ہو گئے۔

تشریح وتفسیر

آیاتِ سابقہ کی تفسیر وتشریح میں یہ بات اچھی طرح بار بار سامنے آچکی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان اہلِ ایمان بندوں کو جو خدا پر اور قیامت میں اس کی ملاقات پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے رسول اور اس کے دینِ حق اور اس کی دعوت پر ایمان رکھتے ہیں۔

ان بندوں کو اللہ تعالےٰ یوں ہی نداء نہیں دیتے ہیں بلکہ اس نداء میں یہ مقصد ہوتا ہے کہ اہلِ ایمان کو اس نداء کے ذریعہ یا تو کسی نیک کام کا حکم دینا ہوتا ہے یا کسی برے کام سے انھیں روکنا اور منع کرنا ہوتا ہے یا انھیں کوئی خوشخبری دینا ہوتی ہے یا دوزخ اور عذابِ دوزخ سے ڈرانا ہوتا ہے کیونکہ اللہ اور اہلِ ایمان کے درمیان جو تعلق مودت ورحمت ہے اس کا یہی تقاضہ ہی ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ انھیں ایسی ہی باتوں کا حکم دیتے ہیں جن کے ذریعہ ان کے نفوس اور باطن کا تزکیہ ہوجائے اور ایسی ہی باتوں سے انھیں روکتے اور منع کرتے ہیں جن سے ان کے نفوس آلودہ اور گندے ہوتے ہوں اور انھیں ایسی باتوں کی خوش خبری سناتے ہیں جن سے ان کا سینہ قبولِ حق کیلئے پوری طرح کھل جائے اور جن کیوجہ سے ان کا ایمان قوت وطاقت حاصل کرسکے اور اس خوشخبری کے اثر سے اہلِ ایمان کا رنج وغم اور ان کا حزن وخوف دور ہوجائے کیونکہ اللہ تعالےٰ کے دوستوں سے ان کی تینوں زندگیوں میں خوف ورنج دور کردیا گیا ہے انھیں نہ تو دنیاوی زندگی کا خوف ورنج ہوگا نہ برزخی حیات میں کوئی رنج وخوف ہوگا اور نہ آخرت کی زندگی میں رنج وخوف ہوگا اور یہ آخرت کی زندگی تو حیاتِ جاوداں ہے جو ہمیشہ باقی رہے گی چنانچہ اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد میں یہ زندگی آخرت مراد ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۝ (سورۂ یونس)	خوب اچھی طرح سن لو! کہ اولیاء اللہ کو نہ تو کوئی خوف ہوگا نہ وہ رنجیدہ ہوں گے (یہ وہ لوگ ہیں) جو ایمان لائیں اور (اللہ سے) ڈرتے رہیں۔ ان کے لئے دنیاوی زندگی میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے۔

حدیث شریف میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیاوی خوشخبری کی یہ تشریح

فرمائی ہے کہ یہ خوشخبری خواب میں دکھائی جاتی ہے یا تو اولیاء اللہ خود وہ دیکھتے ہیں یا کوئی دوسرا شخص ان کے بارے میں عمدہ خواب دیکھتا ہے۔

اس تمہید کے بعد آئیے اب ہم ان تفصیلات کو بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اس ندائے ایمانی میں ذکر کی گئی ہیں۔

سنئے: اللہ تعالیٰ ان اہلِ ایمان کو مخاطب فرماتے ہوئے جو اللہ کو اپنا رب اور پروردگار اور اسلام کو اپنا دین ومذہب اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مانتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اس ندائے رحمانی کے مخاطب ہونیکے اہل ہوتے ہیں ارشاد فرماتے ہیں: اے ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ یعنی اپنے پروردگار اور اپنے معبود برحق جس کے سوا تمہارا کوئی اور معبود و پروردگار نہیں ہے تم اس کی نصرت ومدد اپنے اوپر لازم کرلو، اس کی مدد کرو، اس کے دین ومذہب کی مدد کرو، اس کے انبیاء ورسل کی مدد کرو، اس کے اولیاءؒ وصالحین کی مدد کرو اور تم بھی اسی طرح سے اعلان کردو جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوارین نے کیا تھا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے (جو اللہ کے ایک بندے اور رسول ہی تھے ان حواریوں کو اپنی نصرت ومدد کیلئے یہ کہتے ہوئے آواز دی تھی:

"مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ" اللہ کیطرف متوجہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرنیکے لئے کون میری مدد کرے گا تو حوارین نے یہ کہتے ہوئے انکی دعوت پر لبیک کہا تھا کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں — حوارین کا یہ جواب قرآن مجید میں اسی مقصد سے ذکر کیا گیا ہے کہ اے مسلمانو! تم لوگ بھی اللہ کے دین اور اس کے نبی اور نیک بندوں کی مدد کیلئے انھیں حوارین کیطرح ہو جاؤ — چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ ایسا ہی ہوا اور حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین نے اس نداء ایمانی پر لبیک کہی۔ مگر پھر ان کے بعد میں ایسے لوگ آئے جنھوں نے اس دعوت پر لبیک نہیں کہا اور انتہائی افسوس کے ساتھ یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہم لوگ انھیں لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے اس دعوت پر لبیک نہیں کہی ہے۔

اپنی اس غفلت وکوتاہی پر ہم جتنی بھی حسرت کریں اور جتنا بھی افسوس کریں وہ کم ہے اللہ تعالےٰ نے اپنی اس ندائے رحمانی کو اس طرح ختم فرمایا ہے ارشاد ہوا:

فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ
وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ

تو بنی اسرائیل کی ایک جماعت تو ایمان لے آئی
اور دوسری جماعت نے کفر اختیار کیا تو ہم نے ایمان
والوں کو ان کے دشمنوں کے خلاف طاقت دیدی
چنانچہ وہ لوگ غالب ہو گئے۔

یہاں پر "اٰمَنَتْ طَآئِفَةٌ" سے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات حق اور احکام و شریعت پر ایمان لے آئی یعنی یہ بات دل سے مان لی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، وہ نہ تو الٰہ ہیں نہ اللہ کے بیٹے ہیں نہ تین خداؤں میں سے ایک خدا ہیں نہ وہ جادوگر اور دجال ہیں نہ افترا باندھنے والے مفتری و کذاب ہیں نہ نعوذ باللہ وہ کسی زانیہ کے بیٹے ہیں۔ اور ایک دوسری جماعت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں کفر کا ارتکاب کیا چنانچہ یہود نے تو اس طرح کفر کیا کہ کہہ دیا کہ نعوذ باللہ یہ زانیہ کے بیٹے اور جادوگر ہیں اور انھوں نے انکی لائی ہوئی تعلیمات کا انکار کیا اور اہلِ توحید و اہلِ ایمان کے خلاف حیلہ سازی و مکاری کر کے ان کے عقائد خراب کر دیئے اور ان کے دین میں مکر کے ساتھ تحریف کر دی انھیں ان اہلِ ایمان پر حسد ہو گیا اور وہ اس بات سے جل اٹھے کہ یہ مسلمان دین حق پانے اور اللہ تعالےٰ کے دوست ہونے میں کیوں کامیاب ہو گئے اور ہم یہود اس سے محروم رہ گئے اللہ تعالیٰ ایسی محرومی سے بچاتے۔ اللہ تعالےٰ نے اہلِ ایمان مسلمانوں کو ان کے دشمن کافروں کے خلاف قوت و طاقت دی اور اہلِ ایمان ان کے مقابلے میں غالب و منصور ٹھہرے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اب ان شکست خوردہ اور مغلوب اللہ کے دشمن یہود نے دین صحیح کو فاسد و خراب کرنے کی تدبیریں شروع کر دیں اور وہ دین جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے جو اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی روحانی و بدنی عبادتوں کے مختلف طریقوں پر مشتمل تھا اسے ان یہود نے بالکل خراب و فاسد کر دیا اور یہ صورت ہو گئی کہ اللہ تعالےٰ کی نصرت و تائید پانے والے نصاریٰ کچھ یہاں اور کچھ وہاں بس تھوڑے ہی سے رہ گئے، ہر جگہ کفر اور عقیدۂ تثلیث (تین خداؤں کا عقیدہ) غالب آ گیا اور روئے زمین پر شرک ہی ہر جگہ دکھائی دینے لگا۔ اور یہ صورتِ حال

اسوقت تک برقرار رہی جب تک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث نہ فرمادیا۔

آپ کے اعلانِ نبوت و بعثت کے بعد نصاریٰ میں جسے جسے توفیق ہوئی وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا اور اسلام کی بدولت انھیں پھر اپنے دشمن ان یہود و مشرکین پر غلبہ حاصل ہو گیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور ان کے خدا یا خدا کا بیٹا ہونیکا عقیدہ رکھتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام و مرتبہ متعین کرنے میں حیران تھے، کبھی تو وہ کہتے کہ نعوذ باللہ منہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں اور کبھی کہدیتے کہ وہ "ثالث ثلثہ" (تین خداؤں میں سے ایک خدا) ہیں۔ اور انھیں اس قسم کی حیرانیوں و سرگردانیوں میں ان کے راہبوں اور پادریوں نے مبتلا کر رکھا تھا جیسا کہ اس سے پہلے بھی اسلام کے معاملہ میں ان جیسے دوسرے سرداروں نے کیا اور ان نصاریٰ کو مختلف ٹولیوں اور جماعتوں میں تبدیل کر دیا لیکن دین اسلام کی حفاظت چونکہ اللہ تعالےٰ نے اپنے ذمہ لے لی ہے اور اسے قیامت تک باقی رہنا ہے اسلئے وہ آج بھی محفوظ ہے۔

اب جو شخص بھی دین اسلام کا ارادہ و طلب رکھتا ہو اور سچے دل سے اس کی تلاش کرے تو وہ بالکل صحیح و صاف حالت میں آج بھی اللہ تعالےٰ کی کتاب قرآن مجید اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث و سنت کی شکل میں موجود ہے۔

اور جو دین اسلام کا ارادہ ہی نہ کرے اور اسے تلاش بھی نہ کرے اور اپنی موجودہ گمراہی و جہالت اور کفر و فسق ہی کی زندگی پسند کرے تو وہ اسی حالت میں ہلاک ہو جائے اور آخرت میں جہنم کا ایندھن بنے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں کفر و شرک اور گمراہی و جہالت اور عذاب دوزخ سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

پچاسیٖ ۸۵ ویں ندا،

اذانِ جمعہ کے بعد نمازِ جمعہ کیلئے حاضری واجب
اور
خرید و فروخت اور تمام دنیاوی مشغلے حرام ہیں

●

سورۃ الجمعۃ (آیت ۹ - ۱۰)

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نمازِ (جمعہ) کے لئے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز و خطبہ) کیطرف فوراً چل پڑا کرو اور خرید و فروخت (اور تمام ایسے کام جنکی وجہ سے حاضری میں تاخیر ہو) چھوڑ دیا کرو یہ (تعمیل حکم) تمہارے لئے (تجارت وغیرہ سے) زیادہ بہتر ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو پھر جب نماز پوری ہو چکے تو تم زمین پر چل پھر کر خدا کی روزی تلاش کرو اور اللہ کو (تو ہر حال میں) بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم کو کامیابی ہو۔

تشریح و تفسیر

قرآن کریم کے ہر قاری کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے بندوں کو ایمان کے عنوان سے صرف اسی بنیاد پر مخاطب فرماتا ہے کہ یہ اہل ایمان ہی فی الحقیقت اپنے ایمان

کی بدولت حیات و شعور رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار کی ندا، و خطاب سنتے اور اس ندا، پر لبیک کہتے ہیں۔

چنانچہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس امت کے ان اہلِ ایمان بندوں کو مخاطب فرما رہے ہیں جن کے چہرے اور دل سب ہی اس کی طرف ہمہ وقت متوجہ رہتے ہیں ارشاد فرماتے ہیں:

اے میرے بندو! چونکہ تم لوگ مجھ پر اور میرے رسول پر اور آخرت میں میری ملاقات پر اور میرے پاس اپنے بندوں کیلئے جو انعامات ہیں ان پر ایمان رکھتے ہو اور ان تمام عذابوں کا دل میں خوف رکھتے ہو جو میں نے اپنے دشمنوں کیلئے تیار رکھا ہے: تم لوگ میرا یہ حکم سنو! کہ جب نمازِ جمعہ کیلئے (پہلی) اذان دی جائے اور موذن اذانِ جمعہ میں "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ" کی صدا لگائے (تو تم کو کیا کرنا ہے یہ بات آگے بیان ہو گی۔ اس سے پہلے اس جمعہ کی فضیلت سمجھ لو)

یہ جمعہ کا دن ایام ہفتہ میں سب سے زیادہ فضیلت کا دن ہے اللہ تعالےٰ نے امتِ مسلمہ کیلئے یہ سعادت مقدر فرما دی تھی کہ یہ افضل ترین دن اس کے حصہ میں آیا یہود اپنی اسلام دشمنی کیوجہ سے اس دن سے محروم ہوئے (اور انھوں نے اپنے لئے ہفتہ کا بہترین دن سنیچر کو مقرر کیا) اور نصاریٰ اپنی جہالت و نادانی اور گمراہی کیوجہ سے اس یوم جمعہ سے محروم ہو گئے (اور انھوں نے اس کی جگہ ہفتہ کا بہترین دن اتوار کو قرار دیا) حالانکہ یہ جمعہ ہی کا دن سب سے افضل دن ہے، اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور اسی دن انھیں جنت میں داخل کیا اور اسی دن وہ جنت سے نکل کر دنیا میں آئے اور اسی دن قیامت برپا ہو گی اور اسی دن کسی وقت ایک ایسی گھڑی آتی ہے جب نماز پڑھنے والے کی دعا مقبول ہوتی ہے۔ اور اسی دن کے لئے حضور پرنور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن جو شخص غسلِ جنابت کر کے نماز جمعہ کیلئے اول وقت مسجد پہونچا تو اسے اتنا ثواب ملے گا جیسے اس نے اونٹ کی قربانی کی ہو اور جو شخص دوسری گھڑی مسجد پہونچا تو جیسے اس نے گائے کی قربانی کی ہو اور جو شخص تیسری گھڑی میں مسجد پہنچا تو جیسے اس نے سینگ والے مینڈھے کی قربانی کی ہو اور جو شخص چوتھی گھڑی میں

مسجد پہنچا تو جیسے اس نے مرغی کی قربانی کی ہو اور جو شخص پانچویں گھڑی میں مسجد پہنچا تو اتنے ثواب کا مستحق ہوگا جیسے اس نے اللہ کی راہ میں ایک انڈے کے ذریعہ قرب حاصل کیا ہو پھر جب امام منبر پر چڑھنے کیلئے حجرہ سے باہر آجائیں اور لوگوں کے سامنے خطبہ دینے لگیں تو وہ فرشتے جو حاضری درج کر رہے تھے وہ اپنا رجسٹر بند کرکے امام کا خطبہ سننے لگتے ہیں (جمعہ کی فضیلت اور حاضری جمعہ میں سبقت کے بیان کے بعد اب پھر آیت مذکورہ کی تشریح وتفسیر ملاحظہ ہو)

اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! نمازِ جمعہ کے لئے جب (پہلی) اذان دی جائے اور مؤذن اپنی اذان میں "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ" کی پکار لگائے تو تم بلا تاخیر نمازِ جمعہ ادا کرنے کیلئے اور خطبۂ جمعہ (ذکر اللہ) سننے کیلئے چل پڑو۔ سعی الی الجمعہ (نماز جمعہ کیلئے چل پڑنے) کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس ایک حکم میں درپردہ چند امور اور بھی شامل ہیں۔ نمازی کو چاہئے کہ نماز سے پہلے مسنون طریقہ پر غسل کرے اور نئے یا صاف ستھرے کپڑے پہنے، خوشبو کا استعمال کرے، غسل و وضو کے وقت مسواک بھی کرے چنانچہ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مُسند میں یہ حدیث شریف نقل کی ہے کہ حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے روز غسل کرے اور اہل خانہ کی خوشبو سے کچھ خوشبو استعمال کرے اگر گھر میں خوشبو موجود ہو اور اچھے کپڑے پہنے پھر نماز کیلئے مسجد آجائے اور جتنی رکعات پڑھ سکے نماز پڑھے، مسجد میں ڈاگنے پھلانگنے میں کسی کو تکلیف بھی نہ دے اور جب امام نماز پڑھانے کیلئے حجرہ سے باہر آجائے تو خاموش رہے پھر جب نماز ہو تو نماز پڑھے (جو شخص اسی طرح نمازِ جمعہ پڑھے گا) تو یہ نماز ایک جمعہ سے لیکر دوسرے جمعہ کی نماز پڑھنے تک کیلئے چھوٹے موٹے گناہوں کا کفارہ ہوجائیگی ـــ اور سنن (ابوداؤد وابن ماجہ وغیرہ) کے مؤلفین نے اپنی کتابوں میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ آپ نے فرمایا:

تمہارا کیا نقصان ہوجائے اگر تم لوگ "یوم جمعہ" کے لئے خصوصی طور پر دو کپڑے بنالو جو روزمرہ کے کپڑے سے الگ ہوں" (اس حدیث شریف سے ظاہر

ہوتا ہے کہ نمازِ جمعہ کیلئے لباس میں کچھ اہتمام وخصوصیت رکھنی چاہئے)

آگے ارشاد ہوتا ہے۔ "وَذَرُوا الْبَیْعَ" یعنی اذان ہوتے ہی خرید وفروخت بند کردو۔ قرآن مجید میں تو صرف لفظ بیع ہی استعمال ہوا ہے مگر یہ لفظ عربی لغت میں جس طرح فروخت کے معنی میں بولا جاتا ہے اسی طرح "خرید" کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے اسی وجہ سے امام کے خطبہ کے دوران ہر عقد معاملہ حرام ہے جیساکہ اس وقت دوسرے کام بھی حرام ہیں جیسے تجارت وسوداگری، پارچہ بافی ودستکاری اور کاشتکاری وغیرہ حرام ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان سب باتوں کی ممانعت فرمانے کے بعد یہ بھی بتا اور جتا دیا کہ "ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ"

اے اہلِ ایمان! اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ اذان جمعہ کے بعد تمہارا نماز جمعہ کے سوا سارے کاموں کو چھوڑ دینا اور ادائے نماز کیلئے مسجد کو جانا دنیا وآخرت میں تمہارے لئے ثواب اور انجام کار کے لحاظ سے سب سے زیادہ بہتر ہے۔

پھر جب نماز پوری ہوجائے اور تم لوگ نماز سے فارغ ہوجاؤ تو اپنی دنیاوی ضرورتیں حاصل کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی زمین میں منتشر ہوجاؤ اور اللہ تعالےٰ کی مہربانی و روزی کی تلاش میں لگ جاؤ اذانِ جمعہ کے وقت ان کاموں کی جو ممانعت کی گئی تھی وہ اب ختم کردی گئی ہے۔

اس موقع پر خاص قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معاشِ انسانی اور اس کی روٹی روزی کو "فضل اللہ" (اللہ کا فضل) قرار دیا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ کسی بھی انسان کو جو رزق و روزی میسر ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطاء اور فضل ہی کے نتیجہ میں ہوتی ہے۔

انسان کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ وہ ایسے اسباب تلاش کرے اور انھیں اختیار کرے جو رزق اور روزی حاصل کرنے کیلئے مقرر ہیں، اسی وجہ سے اسے یہ لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ حرام روزی کی طلب نہ کرے خواہ وہ کھانے پینے کی کوئی چیز ہو یا پہننے اور کسی دوسری طرح برتنے کی چیز ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حرام روزی کی جب اجازت ہی نہیں دی ہے تو وہ اللہ کا فضل کیسے کہی جاسکتی ہے۔

آخر میں اللہ تعالےٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ خطبہ ونماز سے فارغ ہونے کے بعد جب

روزی کی تلاش میں نکل پڑو تو اللہ تعالےٰ کا ذکر بھی خوب کثرت سے کرتے رہو ایسا نہ ہو کہ روزی کی طلب وتلاش میں ایسے مشغول ہو جاؤ کہ روزی دینے والے خدا ہی کو بھول جاؤ اسی لئے تم کو حکم دیا جارہا ہے کہ تلاش روزی کے وقت بھی اپنی زبان سے، اپنے دل سے اللہ کو برابر یاد کرتے رہو کہ روزی اسی کے فضل وکرم ہی سے مل سکتی ہے۔

اگر تم اس طرح ذکر کرتے رہو گے تو امید ہے کہ تم اپنی طلب وتلاش میں کامیاب ہو کر اپنا مقصد حاصل کر لو گے تمہیں یہ بات نہ بھولنی چاہئے کہ ذکر اللہ میں اللہ تعالےٰ کی بہت بڑی مدد پوشیدہ رہتی ہے جو تمہیں نقصان سے بچانے میں بھی بڑا کردار ادا کرتی ہے اور یہ بات بھی یاد رکھو کہ مومن کی کامیابی صرف دنیا کی کامیابی تک محدود نہیں ہونی چاہئے بلکہ اس کی کامیابی تو دنیا وآخرت دونوں جگہ ہونی چاہئے اور یہ حقیقت ہے کہ آخرت کی کامیابی کا مطلب ہی یہ ہے کہ آخرت میں دوزخ سے نجات حاصل ہو اور جنت میں قیام ومقام میسر ہو جائے۔

اب آخر میں یہ چند باتیں خلاصہ کے طور پر ذہن نشین رکھی جائیں۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ نمازِ جمعہ واجب وضروری ہے (حدیث شریف میں فرض وواجب کے الفاظ ایک دوسرے کیلئے استعمال ہوتے ہیں) اور یہ وجوب نماز عورت غلام (جب اور جہاں موجود ہوں) مریض وتیماردار اور مسافر کو چھوڑ کر بقیہ تمام مکلف اہلِ ایمان کے حق میں ہے۔

(۲) دوسری بات یہ کہ جب امام خطبہ کیلئے منبر پر بیٹھ جائے اور مؤذن اذان دینے لگے اس وقت سے لیکر نماز ختم ہونے تک خرید وفروخت اور دوسرے مشاغل ناجائز ہیں۔

(۳) تیسری بات یہ کہ اللہ تعالےٰ نے اس موقع پر "فَاسْعَوْا" فرما کر اہلِ ایمان کو سعی کا جو حکم دیا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ نمازِ جمعہ کیلئے دوڑتے بھاگتے جایا جائے۔ نماز جمعہ کے لئے سکینت ووقار اور سکون واطمینان کے ساتھ جانا چاہئے جیسا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں تشریح فرما دی ہے اور عربی روزمرہ ومحاورہ میں، سکون ووقار کے ساتھ چلنے کے لئے سعی کا لفظ عام طور پر

بولا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے: "فُلَانٌ يَسْعٰى عَلٰى عَائِلَتِهٖ" یا "فُلَانٌ سَعٰى فِى الْاِصْلَاحِ بَيْنَ فُلَانٍ وَفُلَانٍ" تو یہ مقصود نہیں ہوتا کہ وہ دوڑتا بھاگتا ہے بلکہ مطلب یہی ہوتا ہے وہ اس سلسلہ میں کچھ کرتا ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

چھیاسی ویں ندا (۸۶)

اس بارےمیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روگردانی کرکے مال واولاد میں مشغولیت اختیار کرنا حرام ہے زکوٰۃ کی فرضیت اور صدقات کی ترغیب کا بیان توبہ کی نوبت آنے سے پہلے ہی موت ہو جانے سے ڈرانے کا بیان

{ سورۂ منافقون
(آیات ۹-۱۰-۱۱) }

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝

اے ایمان والو! تمہارے مال واولاد (بلکہ پوری دنیاوی دلچسپیاں) تم کو خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ کردیں اور جو شخص یہ (غفلت) اختیار کریگا تو ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں اور ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے تو اس میں سے (بقدر واجب) اس سے پہلے ہی خرچ کرتے رہو کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے پھر وہ (حسرت سے) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اور تھوڑے دنوں مہلت کیوں نہ دی کہ میں خیر خیرات دے لیتا اور نیک کام کرنے

وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا وَاللّٰہُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

والوں میں شامل ہو جاتا، اللہ تعالےٰ کسی کو بھی جب اس کا وقت آجاتا ہے مہلت نہیں دیتا اللہ کو تمہارے کاموں کی پوری خبر ہے۔

تشریح وتفسیر

اللہ تعالیٰ کی یہ ندا، اگر بنظر غور دیکھی جائے تو یہ ندا، اپنے ایک خاص مقام اور شان رکھتی ہے، اللہ تعالےٰ نے اپنے مومن بندوں کو صرف اس وجہ سے کہ ان کی زندگی کا کمال ان کے ایمان ہی سے وابستہ ہے یہاں انکی اسی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے انھیں "یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کہہ کر مخاطب کیا (اے ہمارے وہ بندو جو اس بات پر ایمان رکھتے ہو کہ تمہارا پروردگار اللہ اور تمہارا دینِ اسلام اور تمہارے نبی ورسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں)

اور اس طرح مخاطب فرما کر انھیں غفلت شعاری سے باز رکھنے کیلئے ارشاد فرمایا "لَا تُلْھِکُمْ" یعنی اہلِ ایمان! تمہارا مال چاہے وہ کم ہو یا زیادہ کسی صورت میں بھی خدا کی یاد سے غافل نہ کرے اور یہ مال چاہے کسی بھی طرح کا ہو تجارت کا مال ہو، دستکاری وپیشہ وری کا مال ہو، زراعت وکاشتکاری کے ذریعہ حاصل شدہ مال ہو کیسا ہی مال ہو تمہیں اللہ تعالےٰ کی عبادت وبندگی سے غافل نہ ہونے دے، تمہاری نماز، تمہارا حج اور جہاد اس مال کی وجہ سے غفلت کی نظر نہ ہو جائے — اور اسی طرح تمہاری اولاد بھی تمہیں اللہ تعالےٰ کی عبادت سے اس کی نماز وحج اور جہاد سے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کرے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی بھی عبادت اس کے ذکر اور اس کی یاد کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی اسلئے اللہ تعالیٰ نے جملہ عبادات کا ذکر نہ کرکے صرف ذکر اللہ کی غفلت کی نہی وممانعت فرمائی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام عبادات ذکر اللہ کے بغیر ادا نہیں ہوتیں یہاں تک کہ روزہ جیسی عبادت میں بھی ذکر اللہ اگرچہ زبان سے تو نہیں ہوتا مگر اہلِ ایمان کے دل میں تو اللہ تعالےٰ کا ذکر رہتا ہی ہے اگر اللہ تعالےٰ کی یاد سے دل آباد نہ ہو تو روزہ دار کھانے پینے سے کیوں رکا رہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ" (جو شخص ایسا کریگا

کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت اختیار کرے گا یعنی اس کا مال یا اولاد یا یہ دونوں ہی اسے اللہ تعالیٰ کی یاد اور اسکی عبادت وبندگی کے ان مختلف طریقوں میں سے کسی بھی طریقے سے غافل نہ کرنے پائیں جن طریقوں سے اس کی عبادت وبندگی اور اس کے فرائض وواجبات ادا کئے جاتے ہیں جو شخص بھی یہ غفلت اختیار کریگا قیامت کے روز وہ اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم اور لطف واحسان سے محروم اور اس کی نظر توجہ سے دور رہے گا اور جنت اور اس کی نعمتوں سے محرومی کی بدولت وہ بڑے ہی گھاٹے میں پڑے گا اس کا ٹھکانا دار العذاب جہنم میں ہوگا جہاں نہ اہل کا لطف ومزہ ہوگا نہ مال واولاد ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ اِنَّ الْخَاسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ○

آپ فرمادیں کہ پورے نقصان والے تو وہی لوگ ہیں جو اپنی جان اور اپنے اہل سمیت قیامت کے دن خسارے اور نقصان میں پڑے یاد رکھو کہ یہ کھلا ہوا نقصان ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:

"وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ" (جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے (بقدر واجب) اللہ کی راہ میں خرچ کرو) یعنی ہم نے تم کو جو کچھ مال، دولت، علم وکمال یا اور کوئی خوبی ونیکی کی چیز دی ہے اسے اس شخص کی ضرورت پوری کرنے کیلئے خرچ کرو جو بذات خود وہ ضرورت پوری نہ کرسکتا ہو اور اسے تمہارا واسطہ وتعاون درکار ہو۔

یہاں پر اصل مقصود تو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ (صدقۂ فطر وقربانی وغیرہ) ہیں یا جہاد ومجاہدین پر خرچ کرنا بھی مراد ہے۔ اسی طرح والدین اور بیوی بچوں کا نفقہ اور مہمانوں کی ضیافت پر خرچ کرنا بھی اسی میں داخل ہے۔

اس موقع پر اللہ تعالےٰ کیطرف رعایت ورحم کا یہ انداز بھی قابل توجہ ہے کہ اس نے خرچ کرنے کا حکم دیتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کردو بلکہ یوں فرمایا کہ اس میں سے کچھ خرچ کرو چنانچہ زکوٰۃ کی ادائیگی ڈھائی روپیہ سیکڑہ کے حساب سے فرض کی گئی اور کھیتی

کی پیداوار میں دسواں حصہ (عشر) واجب ہے۔ اگر کاشت بارش اور دریا وغیرہ کے پانی سے ہوتی ہو۔ اور اگر کھیتی میں کنویں وغیرہ کے ذریعہ پانی دیا جاتا ہو تو پیداوار کا بیسواں حصہ دیا جائے گا۔

اللہ تعالےٰ نے زکوٰۃ وصدقات کی ادائیگی کا حکم دیتے ہوئے جو تعبیر اختیار فرمائی ہے اس سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ ان صدقات کی ادائیگی میں عجلت اختیار کرنا چاہئے۔ جیسے ہی حولانِ حول ہو جائے اور مال نصاب پر ایک سال گذر جائے زکوٰۃ ادا کردینی چاہئے بلکہ تمام عبادات میں یہی طرزِ عمل رہے کہ جب بھی کوئی عبادت فرض ہو اور اس کا وقت آجائے وہ عبادت ادا کرلی جائے۔

چنانچہ اسی غرض سے اللہ تعالےٰ نے اس موقع پر یہ فرمایا ہے کہ "مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ" یعنی جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے (بقدر واجب) موت آنے سے پہلے ہی پہلے خرچ کردو"

اس عنوان سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دینے میں یہ اشارہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے جن امور کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے وہ اپنے اوقات میں فوراً ادا کردینے چاہئیں چاہے نماز ہو یا زکوٰۃ، حج ہو یا اور کوئی واجب ہو جیسے قرض وغیرہ کی ادائیگی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اپنی موت کے وقت کا کچھ علم نہیں ہے کہ کب آئیگی۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ موت بالکل اچانک ہی آجاتی ہے، کتنے سونے والے ہوتے ہیں جنھیں سوتے ہی میں موت آجاتی ہے، کتنے ہی مسافر ہوتے ہیں جنھیں اپنے سفر ہی میں موت آجاتی ہے، کتنے سواری کرنے والے ہوتے ہیں جنھیں سواری ہی پر موت آجاتی ہے، کتنے ایسے ہوتے ہیں کہ اچھے خاصے صحیح تندرست تھے کہ اچانک کچھ بیمار ہوئے اور اسی بیماری میں موت پاگئے۔ اس لئے یہی بات قابلِ عمل ہے کہ کوئی بھی واجب شرعی جب واجب ہو اس کی ادائیگی میں تاخیر نہ کی جائے ورنہ اچانک موت آجانے پر سوائے حسرت وافسوس کچھ ہاتھ نہ آئیگا۔

اسی انجامِ بد کیطرف متوجہ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی فرمادیا کہ اگر موت آنے سے پہلے ہی پہلے امر واجب کی ادائیگی نہ کرو گے تو بعد میں پھر یہی کہوگے کہ:

"اے میرے پروردگار مجھے کچھ اور دنوں مہلت کیوں نہ دیدی"

ظاہر ہے کہ ایسی حسرت وہی شخص کرے گا جسے عنقریب ہی موت آنیوالی ہے اس کے موت کے فرشتے آچکے ہیں تو وہ اللہ تعالےٰ سے اپنی یہ تمنا کر رہا ہے کہ وہ کچھ دنوں کی مہلت اسے اور دیدے تاکہ اس کے لئے خدا اور اس کے احکام کی تصدیق اور جو حقوق اس پر واجب ہیں ان کی ادائیگی ممکن تو ہو سکے اور وہ اپنی اس تصدیق و عمل کے نتیجہ میں نیکو کار لوگوں میں شامل ہو سکے۔ یعنی وقت نکل جانے کے بعد اب اس کی یہ تمنائیں کہ اب اپنا مال خدا کی راہ میں دیگا اور صالحین میں سے ہو جائے گا، وہ حج وعمرہ کرے گا، صلہ رحمی اور فقیروں پر رحم کرے گا، امورِ خیر کی انجام دہی میں وہ بھی حصے لے گا مثلاً مسجدوں کی تعمیر یا یتیم خانہ کی تعمیر میں وہ بھی حصہ لے گا۔ اب اس کے حق میں بالکل کام نہ آئیں گی کیونکہ روح قبض کرنے کیلئے ملک الموت کا آجانا ایک ایسا اٹل معاملہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا رد ہی نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ اس کی موت کا قطعی فیصلہ فرما چکا ہے لہٰذا اب اس قسم کی حسرت و تمنا کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی ہے اب تو بس صرف حسرت و افسوس ہی ہو سکتا ہے اور یہ حسرت و ندامت اسے کچھ بھی نفع نہ دے گی بلکہ اس کے رنج و غم اور تکلیف کو اور بڑھا دیگی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اٹل فیصلہ کا اعلان یہ فرما کر کر دیا ہے کہ "اللہ تعالےٰ کسی شخص کو جب اس کا وقتِ مقرر آجاتا ہے ہرگز مہلت نہیں دیتا۔"

لہٰذا اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جب اللہ قوی و قادر اسے مہلت نہیں دیتا تو بھلا کیا یہ ممکن ہے کہ خدا کے سوا اس کی مخلوق اور اس کا کوئی پروردہ جو عاجز و مردہ ہو وہ مہلت دیدے۔ آخر میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

"وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ" (تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالےٰ سب سے پوری طرح باخبر ہے) اس ارشاد سے مقصود اہلِ ایمان کو اصلاح اعمال کیطرف متوجہ کرنا اور اس کے لئے ابھارنا ہے اور آخرت کے لئے "زادِ راہ" ساتھ رکھنے کی یاد دہانی کرانا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے یہاں اہلِ ایمان کو یہ اطلاع دیدی ہے کہ وہ ان کے تمام اعمال سے باخبر ہے وہ اعمال اچھے ہوں یا برے ہوں وہ سب کی پوری طرح خبر رکھتا ہے لہٰذا بندہ کو چاہئے کہ وہ اپنے رب پر نظر رکھے

اپنے عقائد درست اور اعمال کو اچھا رکھنے کی کوشش کرے، اپنی زبان اور اپنے دل کو ہر وقت خدا کی یاد میں مشغول رکھے۔

آخر میں اس ندائے الٰہی کا خلاصہ ان چند امور کے ذریعہ ذہن نشین فرما لیں اسے یاد رکھیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں:۔

(پہلی بات) مال و اولاد کی محبت میں جو مشغولی اللہ تعالیٰ کے فرائض و واجبات کی ادائیگی میں رکاوٹ بننے لگے اور اس کیوجہ سے حقوق ترک ہونے لگیں مثلاً اللہ کی یاد باقی نہ رہ جائے اور امور خیر کی انجام دہی نہ ہو سکے تو ایسی مشغولی حرام و ناجائز ہے۔

(دوسری بات) حج کی قدرت ہونے کے بعد حج میں تاخیر حرام ہے۔ مال و اولاد کی محبت میں ایسی مشغولی جسکی وجہ سے حج نہ کرے یہ بھی حرام ہے، اسی طرح حج واجب ہو جانے کے بعد حج کو جانے میں لیت و لعل اور ٹال مٹول کرنا بھی حرام ہے۔

(تیسری بات) زکوٰۃ واجب ہونے پر اس کی ادائیگی فوری طور پر ضروری ہے، مقررہ وقت کے بعد تاخیر کرنا حرام ہے۔

(چوتھی بات) خیر خیرات کے کام مثلاً صدقات دینا، نفل نماز و روزے کی ادائیگی مستحب ہے۔

(پانچویں بات) دارِ آخرت کا ذکر نہ بھولئے کیونکہ موت کا آنا بہرحال لازم ہے۔ لہٰذا اسے یاد رکھیں اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کا سرپرست ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ستاسیویں نداء

مال اور بیوی، بچے کے فتنے سے ڈرانے اور عفوو درگذر کی فضیلت اور بخل کے علاج کے بیان میں

●

{ سورۃ التغابن (۱۴، ۱۵، ۱۶) }

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا
اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ
عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاِنْ
تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا
فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝
اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ
وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ فَاتَّقُوا
اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَ
اَطِیْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ
وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

اے ایمان والو!

تمہاری بعض بیبیاں اور اولاد تمہارے دشمن ہیں ان کے شر سے بچتے رہو اور اگر تم معاف کردو اور درگذر کردو بخش دو تو اللہ تعالےٰ تمہارے گناہوں کا بخشنے والا اور تم پر رحم کرنیوالا ہے۔ بیشک تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ (آزمائش و امتحان) ہیں اور اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے تو تم اللہ سے جتنا ڈر سکو ڈرتے رہو اور اسکے احکام سنو اور اطاعت کرو اور خرچ بھی کرتے رہو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور جو شخص نفسانی حرص و بخل سے محفوظ رہا تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

تشریح وتفسیر

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالےٰ کی یہ نداء رحمانی اہلِ ایمان کیلئے ایک بڑی تحذیر وتنبیہ اپنے اندر لئے ہوئے ہے اس میں انھیں مال واولاد اور بی بی کے فتنہ ہونے پر آگاہ کیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اہلِ ایمان کے حق میں سر پرستی ہی ہے کہ اس نے انھیں ایمان کے عنوان سے خطاب فرماتے ہوئے "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا" کہا کیونکہ وہ اہل ایمان اسی ایمان ہی کی بدولت تو زندہ ہیں اور اللہ تعالےٰ کی نداء پر کان دھرتے اور اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں یہاں نداء دیکر ایک قابلِ تحذیر وتنبیہ چیز سے ڈرایا اور باخبر کیا ہے وہ فرماتا ہے:۔

اے ایمان والو! تمہاری بعض بیبیاں اور تمہاری اولاد تمہارے لئے دشمن ہیں اب یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ کبھی کبھی ایسی بیبی بھی مل جاتی ہے جو شوہر کی دوست اور خیر خواہ ہوتی ہے، اسی طرح ایسی بھی اولاد ہوتی ہے جو اپنے باپ کی دوست و خیر خواہ ہو۔

یہ بات اللہ تعالیٰ کے اسی کلام سے معلوم ہوئی کہ یہاں "مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ" فرمایا گیا ہے "مِنْ" لانے سے مقصود یہی ہے کہ بعض بیبیاں اور بعض اولاد دشمن ہوتی ہیں کیونکہ مِنْ عربی زبان میں تبعیض کے لئے بولا جاتا ہے جس کلمہ پر مِنْ ہوتا ہے اس کے بعض افراد ہی مراد ہوتے ہیں جیساکہ اوپر بھی گذر چکا ہے جہاں "اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ" فرمایا گیا ہے یعنی ہم نے جو کچھ دیا ہے اس میں سے کچھ خرچ کردیا کرو۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "عَدُوٌّ" اور "صدیق" کے درمیان جو فرق ہے وہ بیان کردیا جائے تو سمجھئے کہ "عدو" و "صدیق" میں فرق یہ ہے کہ عدو (دشمن) آپ کو ایسے کاموں پر آمادہ کریگا جو آپ کے لئے مضر اور نقصان دہ ہوگا اور صدیق (دوست) ایسے کاموں پر آمادہ کرے گا جو آپ کے لئے نفع مند اور آرام دہ ہوگا۔

اب چونکہ یہ معاملہ مخلوط و پوشیدہ تھا اسلئے اللہ تعالےٰ نے محتاط انداز میں ان سے چوکنا رہنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تمہاری بعض بیبیاں اور بعض اولادیں دشمن ہوتے ہیں اسلئے ان سے چوکنا رہو اگر وہ کسی نیک کام کے کرنے میں تاخیر کا

سبب بن رہے ہوں تو انکی اطاعت سے پرہیز کرو مثلاً ہجرت کے موقع پر اگر وہ تاخیر کا سبب بنیں یا جہاد میں جانے اور نماز جماعت کیلئے مسجد جانے سے روکیں تو سمجھ لو کہ یہ دشمن ہیں جو تمہارے نقصان کے خواہاں ہیں۔

اسی طرح فقراء و محتاج لوگوں پر اگر زائد رقم خرچ کرنے سے روکیں تو سمجھ لو کہ یہ دشمن ہیں جو تمہارا نقصان چاہتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی بات آگے بڑھانے سے پہلے یہاں اس آیت کا شانِ نزول ذکر کر دیں تاکہ آیت مذکورہ کا مطلب واضح طور پر سمجھ میں آجائے اور اللہ تعالیٰ کی یہ تحذیر و تنبیہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔

(ترمذی و حاکم وغیرہ کی) روایت میں ہے کہ زمانہ ہجرت میں کچھ حضرات صحابہ ایسے بھی تھے جن کی بیبیاں اور جن کی اولاد ان کی ہجرت میں رکاوٹ بن رہی تھیں اور انھیں مکہ سے مدینہ جانے نہیں دے رہی تھیں جس کی وجہ سے وہ لوگ اول مرحلہ میں ہجرت نہ کر سکے اور مکہ ہی میں رکے رہے کچھ وقت گذر جانے پر جب یہ لوگ ہجرت کر کے مدینہ پہونچے تو وہاں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ پہنچ چکے تھے انھوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہکر دین کی بہت کچھ تعلیم حاصل کر لی ہے تو انھیں اپنے بچھڑ جانے پر بہت رنج و افسوس ہوا اس جھنجھلاہٹ میں انھوں نے ارادہ کر لیا کہ اپنی بیبیوں اور اولاد کو کچھ ماریں پیٹیں جن کی وجہ سے یہ لوگ دینی تعلیم میں کچھ پیچھے رہ گئے تھے تو اللہ تعالےٰ نے اس موقع پر یہ آیات نازل فرمائیں اور اہلِ ایمان کو آگاہ فرمایا کہ "اے ایمان والو! تمہاری بعض بیبیاں اور بعض اولادیں تمہارے دشمن ہیں یعنی سب ہی بیبیاں اور سب ہی اولاد دین کی دشمن اور بری نہیں ہوتی ہیں بہت سی ایسی بھی ہوتی ہیں جو اللہ و رسول کی فرمانبرداری میں تمہارا ساتھ بھی دیتی ہیں اور تمہارے لئے معاون و مددگار بھی ہوتی ہیں۔

عورت بھی مرد ہی کیطرح اچھی بری دونوں ہی طرح کی ہوتی ہے چنانچہ بہت سی نیک عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے شوہر اور جن کی اولاد ان کے حق میں دشمن ہوتے ہیں جو عورت کو اللہ رسول کی طاعت سے ہٹا کر اپنی طرح بد دین رکھنا چاہتے ہیں چنانچہ کتنی عورتیں ایسی ملیں گی جن کے شوہر انھیں بے پردہ رہنے کا حکم دیتے ہیں۔

اور خیر خیرات کرنے سے روکتے ہیں۔ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے منع کرتے ہیں۔

اے اہلِ ایمان اگر آپ لوگ اپنی ان بیبیوں اور اولادوں کو معاف کر دیں جنھوں نے آپ کو دینی آزمائش میں مبتلا کر دیا تو اب ان سے کوئی مواخذہ، بازپرس اور جواب طلبی نہ کریں انھیں نہ ماریں پیٹیں نہ کوئی سزا دیں بلکہ ان سے درگذر کرتے ہوئے ان کے ساتھ کشادہ روئی سے پیش آئیں۔ انھیں اس صورتِ حال میں برا بھلا بھی نہ کہیں بلکہ انھیں دل سے معاف بھی کر دیں ان سے جو تکلیف پہنچی ہے معاف کر دیں، اتنے دنوں ہجرت نہ کرنے کیوجہ سے علم دین سیکھنے میں جو تاخیر ہو گئی اور حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت سے محرومی کی جو تکلیف پہنچی وہ سب معاف کر دیں اللہ تعالےٰ غفور و رحیم ہے۔ آپ لوگ اگر اپنی ازواج و اولاد کو معاف کرینگے تو آپ کو معاف کرے گا۔ آپ ان پر رحم کریں گے تو اللہ تعالےٰ آپ ایمان والوں پر رحم فرمائے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالےٰ ایک علمی حقیقت جس سے بہت سے بندے ناواقف ہیں بیان فرماتے ہیں وہ یہ کہ یہ مال و اولاد درحقیقت اللہ تعالیٰ کیطرف سے بندے کی آزمائش و امتحان ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لیتے ہیں انھیں اس آزمائش میں مبتلا کر کے دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی طاعت و فرمانبرداری میں سچا کون ہے اور جھوٹا مدعی کون ہے، نیکوکار کون ہے اور فاجر و بدکار کون ہے اور کون اللہ و رسول سے محبت رکھتا ہے اور کون اپنے بیوی بچوں سے محبت رکھتا ہے۔ یہ علمی حقیقت اللہ تعالےٰ نے یوں بیان فرمائی ہے:

"اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ" اے اہلِ ایمان! تمہارے مال و اولاد تمہارے لئے سب آزمائش ہیں۔

اس کے بعد ہی اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد:

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ — اللہ تعالےٰ کے پاس اجر عظیم ہے

لہٰذا اے اہلِ ایمان! تم اس چیز کو ترجیح دو اور اختیار کرو جو اللہ کے پاس ہے اور اجر عظیم حاصل کرنے کی فکر و کوشش کرو جو چیز مال و اولاد کی شکل میں تمہارے

پاس ہے وہ اس اجرِ عظیم کے مقابلہ میں قابلِ ترجیح اور لائقِ اختیار نہیں ہے اور اس مال واولاد میں تصرف صحیح و درست ہی رکھو انکی محبت میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی نہ کرو نہ تو کوئی فرض و واجب ترک کرو اور نہ کسی فعل حرام کا ارتکاب کرو اور اس بات سے ڈرتے اور بچتے رہو کہ اس مال و اولاد میں تمہارا تصرف نادرست اور ناروا نہ ہونے پائے اور ان سے تمہاری محبت اللہ تعالیٰ کی طاعت میں کمی پیدا کردے اور یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ جو مال و دولت اور بیوی بچے تمہارے پاس ہیں وہ سب فنا ہونے والے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے لہٰذا فانی کے مقابلے میں باقی کو اختیار کرو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر توجہ فرمائیے کہ

"جتنا اللہ تعالیٰ سے ڈر سکتے ہو اس سے ڈرتے رہو"

یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے جب اپنے اہلِ ایمان بندوں کو یہ خبر دی کہ تمہارے مال و اولاد تمہارے لئے آزمائش و فتنہ ہیں اور انھیں اس بات سے ڈرایا کہ وہ خدا تعالےٰ کی طاعت کے مقابلہ میں انھیں ترجیح نہ دیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی جان لی کہ بعض اہلِ ایمان مال و اولاد کے معاملہ میں طریقہ زہد اختیار کرتے ہوئے ان سے بالکل ہی دست بردار ہو جائیں گے اور بعض لوگ دونوں پہلوؤں کی رعایت رکھنے میں بڑی مشقت و تکلیف سے دوچار ہو جائیں گے تو اسنے "فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" فرما کر یہ سہولت دیدی کہ تم اپنی استطاعت ہی کی حد تک تقویٰ کے پابند ہو اور مقولہ مشہور ہے "خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا" درمیانی بات بہتر ہوتی ہے۔ لہٰذا نہ تو اپنے مال و اولاد کے حقوق میں کوئی کمی کرے اور نہ ہی اپنی پیدائش کی غرضِ اصلی اور علتِ غائی یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی میں کمی کرے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اور جن کو پیدا کیا ہے اور اسی عبادت و بندگی پر دوزخ سے نجات اور جنت کا داخلہ ممکن ہوگا جو نیک لوگوں کا ٹھکانہ اور ان کا مکان ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِکُمْ" (اللہ تعالیٰ کے) احکام سنو اور مانو اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

اوپر اللہ تعالیٰ نے جب اپنے صاحبِ ایمان بندوں کیلئے یہ سہولت بیان فرمائی کہ جتنا ڈر سکتے ہو اتنا ہی اللہ سے ڈرو (اس سے زیادہ تقویٰ کا تم سے مطالبہ نہیں ہے)

تو اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو یہ حکم دے رہے ہیں کہ اے اہلِ ایمان! "آپ لوگ (اللہ تعالیٰ کے احکام) سنیں اور انھیں مانیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کریں یہ آپ لوگوں کیلئے بہتر ہے کیونکہ اسی کی بدولت دونوں جہاں میں آپکی سعادت پوری ہوگی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ" (جو شخص نفسانی حرص و بخل سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو شحِ نفس (حرص نفسانی) سے محفوظ فرما دیا تو وہ فلاح پا گیا وہ دوزخ سے نجات پا کر جنت کے داخلہ میں کامیاب ہو گیا۔

اور اللہ تعالےٰ کیطرف سے اس اطلاع میں اشارہ ہے کہ برائیوں سے نفس کی حفاظت پہلے تو اللہ تعالیٰ سے طلب کی جائیگی اور دوسرے نمبر پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کر کے حاصل کی جائیگی لہٰذا اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا جائے کہ وہ بندے کو اس کے فطری شحِ نفس سے محفوظ رکھے اور اس کے بعد اسی مقصد کیلئے اللہ کی راہ میں مال بھی خرچ کیا جائے اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

اِیَّاکُمْ وَالظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔	اپنے آپ کو ظلم کرنے سے بچاؤ کیونکہ ظلم قیامت کے روز بڑی تاریکی کا سبب ہوگا۔
وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَھْلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حَمَلَھُمْ عَلٰٓی اَنْ سَفَکُوْا دِمَآءَھُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَھُمْ۔	حرص و بخل نفسانی سے ڈرتے رہو کیونکہ اسی شح نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا انھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خونریزی کریں اور جو چیزیں حرام ہیں انھیں حلال قرار دیں۔

چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ وہ جب بیت اللہ کا طواف کرتے تو صرف یہ دعا کرتے "اَللّٰھُمَّ قِنِیْ شُحَّ نَفْسِیْ" (اے اللہ مجھکو شحِ نفس سے محفوظ رکھئے) اس پر کچھ بھی اضافہ نہ کرتے تھے کیونکہ یہ شحِ نفس ہی ہے جو انسان سے چوری، زنا، جھوٹ، خیانت، وعدہ خلافی، امانتوں کو ضائع کرنے کا ارتکاب کراتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی شحِ نفس سے محفوظ رکھئے۔ آمین
سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اٹھاسی (۸۸) ویں ندا

طلاقِ سُنّی اور اس کی عدت کے احکام

مطلّقہ کو عدت ختم ہونے تک گھر سے باہر نہ کیا جائے اور طلاق و رجعت پر گواہ بنائے جائیں

◉

سُوْرَةُ الطَّلَاق
آیت ۱ و ۲

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ
النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ
وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ
بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ
اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ
مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ
اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ
اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ
لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ
يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا فَاِذَا

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) (آپ مومنین سے فرمادیں کہ) عورتوں کو طلاق دینے لگو جنکے ساتھ خلوت ہوچکی ہے توانکو زمانہ عدت سے پہلے (حالت طہر میں) طلاق دو اور تم عدت کو یاد رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا پروردگار ہے انھیں (عدت کے دوران) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں تو اور بات ہے اور یہ سب خدا کی مقرر کردہ شرعی حدبندیاں ہیں جو شخص ان حدود سے تجاوز کرے گا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ تجھے خبر نہیں ہے شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی صورت حال پیدا کردے پھر جب وہ مطلقہ عورتیں

بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ
بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ
عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا
الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ
بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

اپنی عدت پوری ہونیکے قریب پہنچ جائیں اور عدت پوری نہ ہوئی ہو (تو تم کو دو اختیار ہیں) (یا تو انکو) قاعدہ کے موافق (رجعت کرکے) نکاح میں برقرار رہنے دو یا قاعدہ کے موافق ان کو جدا کردو اور آپس میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ کرلو۔ (وہ گواہ سن لیں کہ جب ضرورت ہو تو تم لوگ) ٹھیک ٹھیک اللہ کے لئے گواہی دو (کسی کی رو رعایت نہ کرو) یہ نصیحت ان لوگوں کو کی جاتی ہے جو اللہ پر اور روزِ قیامت، روزِ جزا پر ایمان رکھتے ہوں۔

تشریح وتفسیر

ہمارے ناظرین کرام! اس ندائے الٰہی کیطرف خصوصی توجہ فرمائیں کیونکہ اس موقع پر اللہ تعالےٰ نے بہت سے شرعی احکام بیان فرمائے ہیں جن کا علم اور جن پر عمل ہر صاحبِ ایمان کیلئے ضروری ہے۔

یہاں ایک علمی نکتہ کا ذکر کچھ ضروری سا لگتا ہے وہ یہ کہ اب تک آپ کے سامنے جن آیات کی تشریح وتفسیر بیان کی گئی ہے ان سب میں اہلِ ایمان کو ندا دیتے ہوئے "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے کلمہ سے مخاطب کیا گیا تھا لیکن آیت مذکورہ بالا میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف کو خطاب کیا گیا ہے اس کی توجیہ حضرات اہلِ علم نے یہ بیان کی ہے کہ ان احکام کی اطلاع وہدایت اہلِ ایمان ہی کو کرنا تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی ہوئی کہ معاشرت کے یہ اہم اور ضروری احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ شریف کے توسط سے اہلِ ایمان کو بتلائے جائیں اسلئے تشریف وتکریم کے طور پر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماکر تمام اہلِ ایمان کو ہدایات دیدی گئیں۔

اس علمی نکتہ کی وضاحت کے بعد اب وہ احکام ملاحظہ ہوں جو اس ندائے الٰہی کے تحت بیان کئے گئے ہیں۔

پہلی ہدایت:۔ یہ ہے کہ عورت کو جو طلاق دی جائے اس کا مقصد زوجین سے ضرر کو دور کرنا ہو۔ عورت کو ضرر پہنچانے یا تکلیف دینے کی غرض سے طلاق نہ دینی چاہئے۔ اور یہ طلاق بھی حالت طہر میں ہونی چاہئے اور اس میں بھی یہ بات ملحوظ رہے کہ اس

طہر میں مباشرت و ہمبستری نہ کی ہو کیونکہ اگر ہمبستری کے بعد طلاق دے گا تو بہت ممکن ہے کہ حمل قرار پا جائے تو طلاق کی عدت وضع حمل ہو جائیگی۔ اتنی طویل مدت عورت کی تکلیف کا سبب ہوگی جو غرضِ طلاق کے خلاف ہے، عورت کی عدت کا طویل المدت ہونا شرعًا ناپسندیدہ ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کی صورت میں "طَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ" فرمایا یعنی جس وقت سے عدت شمار ہوتی ہو اس وقت کے قریبی زمانے میں طلاق دو (تاکہ زمانہ عدت دراز نہ ہونے پائے) اور اس کی صورت یہی ہے کہ یہ طلاق زمانہ حیض کے بعد حالتِ طہر میں ہو جس میں شوہر نے ہمبستری بھی نہ کی ہو۔ یہ ساری رعایتیں اسی لئے رکھی گئی ہیں کہ عدت طویل نہ ہونے پائے اور مطلقہ عورت تکلیف میں نہ پڑے۔

دوسری[۲] ہدایت :- عدت کا شمار یاد رکھنا بھی شرعًا واجب ہے تاکہ دورانِ عدت شوہر اگر رجوع کرنا چاہے تو کرلے۔ اس حکم کیلئے ارشاد فرمایا گیا ہے "وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ" عدت کب سے شروع ہوئی ہے اور کب تک چلے گی یہ بات اچھی طرح یاد رکھو! پھر یہ بھی فرمادیا "وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ" (اور اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو جو تمہارا پروردگار ہے) یعنی خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتے رہو اور احکام کی جو حد بندیاں ہیں ان سے ہرگز تجاوز نہ کرو۔

تیسری[۳] ہدایت :- یہ ہے کہ شوہر کے یہاں عورت جس جگہ رہتی سہتی ہو، طلاق کے بعد اسے وہاں سے نہ نکالو اور اسے وہیں عدت گذارنے دو۔ اس میں یہ مصلحت بھی ملحوظ ہے کہ شوہر کو رجعت کا موقع بھی فراہم رہے اور وہ عملی طور پر رجوع کرنا چاہے تو کرلے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ مطلقہ عورت زبانی یا عملی بے حیائی پر اتر آئے، بدچلنی و زناکاری میں مبتلا ہو جائے یا بہت منہ پھٹ اور بدزبان ہو ہر وقت سسرال والوں کو جلی کٹی سنایا کرتی ہو جو انکی برداشت سے باہر ہو تو ایسی صورت میں اسے گھر سے باہر کردینا جائز ہے۔

یہ ہدایت ان کلمات میں بیان فرمائی گئی ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ	انھیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور وہ خود بھی وہاں سے نہ نکلیں ہاں جب وہ کھلی ہوئی بے حیائی پر اتر آئیں۔

اس موقع پر اللہ تعالےٰ کا یہ فرمانا کہ:

"وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ" (یہ مذکورہ بالا احکام (مباشرت سے خالی زمانۂ طہر میں طلاق دینا، عدت کو یاد رکھنا، مطلقہ کو (عام حالات میں) اس کے گھر سے باہر نہ نکالنا) یہ سب احکام اللہ تعالےٰ کے مقرر کردہ حدود ہیں ان حدود سے تجاوز کرکے آگے نہ بڑھو۔

اور جو شخص ان حدود اللہ سے تجاوز کرکے حدبندی توڑے گا تو وہ خود اپنے ہی اوپر ظلم کرے گا کہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی سزا کیلئے پیش کریگا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا" (تم نہیں جانتے شاید اللہ تعالیٰ اس صورتِ حال کے بعد کوئی دوسری نئی صورت پیدا فرمادیں)

مقصد یہ ہے کہ اے اہلِ ایمان آپ کو یہ احکام جو بتائے گئے ہیں کہ اول عدت کے زمانہ میں یعنی مباشرت سے خالی طہر کی حالت میں طلاق دی جائے اور یہ کہ مطلقہ کو عام حالات میں اس کے گھر سے باہر نہ کیا جائے اور یہ کہ عدت کی ابتداء و انتہاء یاد رکھی جائے۔ یہ تمام باتیں اسی لئے بتائی گئی ہیں کہ ممکن ہے آئندہ اللہ تعالےٰ کسی وقت طلاق دینے والے مرد کے دل میں اس مطلقہ کیطرف کوئی رغبت و خواہش پیدا فرمادیں اور وہ طلاق سے رجوع پر آمادہ ہو جائے تو وہ رجوع کرلے۔ وہ عورت ابھی اس کے گھر ہی میں ہے اور اگر یہ احکام نہوتے، بیوی کو طلاق کے بعد گھر سے باہر نکال دیا گیا ہوتا تو یہ آسانی نہ ہوتی مرد اگر رجوع کرنا بھی چاہتا تو عورت تک رسائی دشوار ہو سکتی تھی۔

چوتھی[۴] ہدایت :- یہ ہے کہ جب عورت کی عدت ختم ہونیکے قریب آجائے وہ وقت شوہر کیلئے "لمحۂ فکریہ" کی حیثیت رکھتا ہے اب اسے فیصلہ کرنا ہے کہ وہ اس مطلقہ سے اگر نباہ ہونے کی امید رکھتا ہو تو اس سے رجوع کرکے اسے نکاح میں برقرار رکھے، اور اگر وہ نباہ سے بالکل مایوس ہو تو حُسنِ خُلق و شرافت کے ساتھ خاموش رہ کر عدت ختم کرکے نکاح سے باہر ہو جانے کا موقع دیدے۔

یہ صورت کسی طرح نہ ہونی چاہئے کہ اسے دھوکہ میں رکھنے کیلئے صرف زبانی

رجوع کرکے نکاح سے باہر ہو جانے کی جو سہولت عورت کو مل رہی تھی اسے ختم کردے اور فی الحقیقۃ اسے بیوی بنا کر رکھنا مقصود ہی نہ ہو۔

بیوی کو علیحدہ کرنے کی صورت میں اس کا مہر جو کچھ باقی ہو ادا کردے بلکہ مہر کے علاوہ اس کی دلجوئی کیلئے اس کے ساتھ کچھ اور سلوک کردے یہی سلوک متعہ اور متاع کہا جاتا ہے۔

اور یہ بھی حسن خلق ہے کہ علیحدگی کے بعد بیوی کا تذکرہ برائی کے ساتھ نہ کرے (فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ) سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے یعنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرنے میں بھی شرافت کا دامن ہاتھ سے نہ جانے پائے۔

پانچویں ہدایت :- یہ ہے کہ جس طرح شوہر نکاح پر گواہ بناتا ہے اسی طرح طلاق پر بھی گواہ بنا لینا چاہئے مگر دونوں موقعوں کی شہادتوں میں یہ فرق رہے گا کہ نکاح پر گواہ کا ہونا نکاح کا رکن ہے گواہی کے بغیر نکاح درست نہیں ہے اور طلاق پر گواہی مستحب و مندوب ہے واجب نہیں ہے۔

گواہی میں یہ بات ضروری ملحوظ رہنی چاہئے کہ گواہ شرعی طور پر عادل و ثقہ ہوں اور عادل اصطلاح شریعت میں وہ شخص مانا جاتا ہے جو گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو چنانچہ اسی آیت میں اللہ تعالےٰ نے گواہوں کیلئے یہ ارشاد فرمایا ہے۔

وَّاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ
وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ

دو عادل مردوں کو گواہ بنالو (جو لوگ گواہ بنے ہوں وہ سن لیں کہ) تم لوگ جب گواہی دو تو صرف اللہ کے لئے ہو کسی کی رو رعایت نہ ہو۔

یعنی شہادت میں بھی عدل و انصاف ملحوظ رہنا چاہئے کسی فریق پر زیادتی اور کسی کی کمی نہ ہونے پائے اور یہ شہادت صرف اللہ تعالےٰ کی رضا و خوشنودی کیلئے ہونی چاہئے مشہود لہٗ یا مشہود علیہ یعنی مدعی و مدعا علیہ کسی کی رعایت نہ ہونی چاہئے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ملاحظہ ہو فرماتے ہیں :

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

یہ احکام ان لوگوں کو بطور نصیحت بتائے جاتے ہیں جو تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور روزِ آخرت پر ایمان و یقین رکھتے ہیں۔

یعنی یہ احکام ایسے ہیں جن پر وہ بندے عمل درآمد کرینگے جو اللہ تعالیٰ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ خدا اور قیامت کا یقین ہی نہیں رکھتے وہ ان احکام کے نہ مخاطب ہیں نہ وہ اس کے اہل ہیں کیونکہ وہ لوگ تو کافر ہیں اور کافر تو مردہ ہیں کلامِ حق نہ سن سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں۔

اب یہاں پر بھی چند باتیں بطور خلاصہ درج کی جاتی ہیں لہٰذا توجہ سے انھیں محفوظ کرلینا چاہئے۔

۱ —— طلاق کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ اگر کسی وقت بدرجۂ مجبوری طلاق کی نوبت آہی جائے تو سنت کے مطابق مباشرت سے خالی حالتِ طہر میں طلاق دے (لیکن ان باتوں کی رعایت کئے بغیر زمانۂ حیض میں یا مباشرت کی ہوئی حالتِ طہر میں کوئی طلاق دیدیتا ہے تو امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ طلاق بھی واقع ہو جائیگی) اور مسنون طریقہ یہ بھی ہے کہ ایک بار میں ایک ہی طلاق دی جائے دو اور تین طلاقیں ایک ساتھ دینا سنت کے خلاف ہے۔ (لیکن اگر کوئی شخص ایک ہی بار میں دو یا تین طلاقیں دیدیتا ہے تو وہ واقع ہو جائیں گی اگرچہ طلاق دینے والا غلط طریقہ اختیار کرنیکی وجہ سے گنہگار بھی ہو گا)

۲ —— عدت کی چار قسمیں ہیں۔ ایک عدت تو اس عورت کی جسے حیض آتا ہو یہ عدت تین ماہواری ہے، دوسری عدت اس عورت کی جسے بچپن یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو اس کی عدت تین مہینے ہو گی، تیسری عدت حاملہ عورت کی یہ عدت وضع حمل (بچہ کی ولادت) ہے چاہے جتنی کم مدت میں ولادت ہو جائے یا جتنی زیادہ مدت میں ولادت ہو۔ چوتھی عدت وفات ہے یہ عدت (حاملہ کو چھوڑ کر) چار ماہ دس دن ہوتی ہے۔

۳ —— حیض کی حالت میں طلاق یا مباشرت کے بعد حالتِ طہر میں طلاق دینا طلاقِ بدعی کہلاتا ہے (امام اعظم علیہ الرحمہ اور ان کے ہم نوا اسے طلاق مانتے ہیں اگرچہ) دوسرے اہلِ علم اسے طلاق نہیں شمار کرتے۔

۴ —— خلوتِ صحیحہ سے پہلے کی طلاق میں عدت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ ہی نے اس صورت کیلئے فرمادیا ہے (فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ

تَعْتَدُّوْنَهَا) اس صورت میں تم پر عدت شماری نہیں ہے۔ یہ مسئلہ سورہ احزاب کی ندارات میں گذر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

اے اللہ ہم جن باتوں سے ناواقف ہیں ان کا ہمیں علم دیجئے اور جو کچھ ہم جانتے ہیں اس سے ہمیں نفع پہنچایئے آپ ہی کیلئے تعریف ہے اور آپ ہی کے لئے شکر ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

* * *

نواسی (۸۹) ویں نداء

اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ سے بچانا ضروری ہے، اور یہ حفاظت اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اسکے رسول کی اطاعت سے ہوگی دوزخ کی منظر کشی

●

{سُوْرَةُ تحریم آیت (۶)}

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس نارِ دوزخ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اس دوزخ پر بڑے سخت مزاج مضبوط وطاقتور فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کی حکم عدولی نہیں کرتے جو حکم دیا جاتا ہے بجالاتے ہیں۔

تشریح وتفسیر پچھلے اوراق میں یہ بات گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو ایمان کے عنوان سے کیوں خطاب فرماتے ہیں اسکی وجہ یہی ہے کہ صاحبِ ایمان ہی دراصل زندہ ہے جو اپنی کامل حیات کے باعث اس خطاب کو سنتا اسے محفوظ رکھتا اور عمل کے وقت اس پر عمل بھی کرتا ہے اور

اہل کفر فی الحقیقۃ مردہ ہیں جو نہ تو یہ ندا سنتے ہیں نہ اسے محفوظ رکھتے اور نہ اس کا امتثال کرکے اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور جن باتوں سے روکا گیا ہے اس سے رکتے بھی نہیں ہیں۔

اوپر یہ بات بھی بتائی جاچکی ہے کہ ایمان صرف زبان سے یہ کہہ لینے کا نام نہیں ہے کہ کوئی انسان بس زبانی یہ کہہ دے کہ میں مومن ہوں بلکہ ایمان کا مطلب یہ ہے کہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کا رب اور معبود ہونے کا یقین کیا جائے اس کے سوا کسی کو بھی رب اور الٰہ نہ مانا جائے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرشتوں اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور قیامت و تقدیر کی تصدیق قلبی ضروری ہے اور اس کی پہچان اس طرح ہوتی ہے کہ ایسے صاحبِ ایمان کا دل و چہرہ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہوجاتے ہیں۔ اور یہ بات اس وقت اچھی طرح روشن ہوجاتی اور کھل کر سامنے آجاتی ہے جب صاحبِ ایمان کی حالت یہ ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر محبوب چیز اس کو محبوب، اور ہر ناپسند چیز اس کے نزدیک مکروہ و ناپسند ہوجاتی ہے اور وہ اللہ و رسول کا ان کے ہر حکم میں مطیع اور فرمانبردار ہوجاتا ہے اور جن باتوں سے اسے روکا ہے ان سے رک جاتا ہے۔

ان مذکورۂ سابق باتوں کو یہاں ذہن میں حاضر کرلینے کے بعد اب اس بات کیطرف توجہ فرمائیے جو اس عظیم ندا میں اہلِ ایمان سے فرمائی گئی ہے اور وہ عظیم بات یہ ہے کہ اہلِ ایمان پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال اور قریب کے لوگوں کو عذاب دوزخ سے بچائے اور اس کے لئے پورا اہتمام کرے۔

اس آیتِ مذکورہ میں جو ندا دی گئی ہے اللہ تعالےٰ نے اس ندا میں یہی بات فرمائی ہے ارشاد ہوا: (یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا) آیت شریفہ میں نفس و اہل کو دوزخ سے بچانے کیلئے "قُوْا" کا لفظ استعمال ہوا ہے جو "وقایہ" یعنی حفاظت کرنے اور بچانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ "وقایہ" یعنی حفاظت کب اور کس چیز سے ہوسکتی ہے۔ تو یہ بات اچھی طرح یاد رکھنے کی ہے کہ اس وقایہ و حفاظت کیلئے بنیادی چیز ایمان ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ کفر و شرک سے مکمل پرہیز ہو اور اعمالِ صالحہ کے ذریعہ

ایمان کو عملی شکل میں بھی ظاہر کیا جائے۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر شرک سے متعلق کچھ تفصیل ذکر کردی جائے۔ تو سمجھئے کہ شرک کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ غیر اللہ کی بھی عبادت کی جائے۔ مثال کے طور پر دیکھئے کہ دعا بھی عبادت کی ایک شکل بلکہ روح عبادت ہے جو اہلِ ایمان اللہ تعالےٰ سے کرتے ہیں اب اگر کوئی شخص اللہ تعالےٰ کے سوا کسی دوسرے سے بھی دعا کرے اور مانگے تو سمجھ لیجئے کہ وہ مرتکب شرک ہوگیا۔ اسی طرح نذر بھی عبادت ہے اگر کوئی شخص غیر اللہ کی نذر مانتا ہے تو اس نے اللہ کی عبادت میں اس غیر اللہ کو بھی شریک بنالیا اور مرتکب شرک ہوگیا۔ کسی کا قرب حاصل کرنے کیلئے ذبح کرنا عبادت ہی کی ایک قسم ہے اب اگر کوئی شخص کسی غیر اللہ کا قرب حاصل کرنے کیلئے جانور ذبح کرتا ہے تو وہ مرتکب شرک ہوگیا، قسم کھانا اور حلف لینا بھی ایک طرح کی عبادت ہے اب اگر کوئی شخص غیر اللہ کی قسم کھاتا اور حلف اٹھاتا ہے تو اس نے بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک بنالیا، اسی طرح رکوع و سجود بھی عبادت ہے کوئی شخص اگر غیر اللہ کے لئے رکوع و سجدہ کرتا ہے تو اللہ کی عبادت میں شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔ اللہ کے بندوں کو یہ باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔

یہ سب تو شرک سے متعلق باتیں تھیں اب معاصی اور گناہ سے متعلق بھی کچھ باتیں ملاحظہ ہوں:

معاصی۔ معصیت کی جمع ہے۔ معصیت کا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ و رسول نے جن باتوں کا حکم دیا ہو یا جن باتوں سے روکا اور ممانعت کی ہو ان حکموں میں اسکی نافرمانی کی جائے اور ان ممانعتوں کا ارتکاب کیا جائے۔

لہٰذا جب اللہ تعالےٰ نے کچھ کہنے یا کرنے کا حکم دیا ہو یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کا حکم دیا ہو تو جس شخص نے اس حکم کے مطابق وہ کام کرلیا تو سمجھا جائے گا کہ اس شخص نے اطاعت کی اور نافرمانی نہیں کی اور جس نے اس حکم کے مطابق عمل نہیں کیا تو اس نے نافرمانی کی کیونکہ حکم کی ہوئی بات کو ترک کرنا معصیت ہے۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول نے کسی کام یا بات سے روکا ہو تو جو شخص اس ممانعت کی مخالفت کرتے ہوئے اس بات یا اس کام کا مرتکب ہو تو وہ عاصی وگنہگار ہوگا۔

معصیت کی یہ حقیقت وتفصیل جان لینے کے بعد اب یہ سمجھئے کہ زندگی میں خود اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو نارِ دوزخ سے بچانے کی کیا صورت ہوگی۔

اس کی صورت صرف ایک ہے کہ پہلے نمبر پر آپ کا، آپ کے متعلقین کا ایمان صحیح اور پختہ ہو اور زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ، رسول کی اطاعت کی جائے۔

اس مقصد کیلئے یہ بات ضروری ہوگی کہ ہم آپ ان باتوں کا علم حاصل کریں اللہ رسول نے جن کا حکم دیا ہو اور خود علم حاصل کرنے کے بعد اپنے اہل وعیال کو بھی ان باتوں سے آگاہ کریں۔ کیونکہ یہ بات تو کسی طرح سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی کہ ہم اللہ ورسول کے احکامات کا علم نہ رکھیں اور ان پر عمل پیرا ہو جائیں اس لئے عمل کیلئے تو عمل سے پہلے علم ہونا بہت ضروری ہے بغیر اس کے دوزخ سے بچنے کی صورت ہو ہی نہیں سکتی۔

متعلقین کی حفاظت کا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ انھیں نماز پڑھنے، روزہ رکھنے کا تاکیدی حکم دیا جائے۔ اور جو باتیں حرام ہیں ان کو چھوڑنے کی تاکید کی جائے جیسے جھوٹ اور بری باتوں کا چھوڑنا، ایسی باتوں کے سننے سے بھی پرہیز کیا جائے۔ جس کی بہترین صورت یہ ہے کہ قلب وزبان دونوں ہی سے یا انمیں سے کسی ایک ہی سے اللہ کا ذکر جاری رکھا جائے۔

لہو ولعب کی جو صورتیں حرام ہیں ان سے دور رہا جائے جیسے میوزک اور سنگیت، اسی طرح مزامیر کے ساتھ قوالی سننے سے بھی پرہیز کیا جائے اور ٹی وی اور وی، سی، آر پر تصویریں دیکھنے سے بچنا ضروری ہے، تاش کے پتے اور کیرم وغیرہ سے دور رہے، بری باتوں اور بری مجلسوں سے دور رہے۔

اپنے اہل وعیال کو جنت اور اس کی نعمتوں کا بیان سناتا رہے، دوزخ اور اس کے طرح طرح کے عذاب سے ڈراتا رہے جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انھیں اللہ تعالےٰ کی یہ ندا سناتا رہے (یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝)

اپنے متعلقین کو وہ خواب بھی بتائے جو شیخ محمد السالک نے دیکھا ہے۔ یہ بزرگ اللہ کے ایک بندے ہیں۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے ہیں اور (غصہ سے) آپ کا پورا چہرہ سرخ ہو رہا ہے آپ نے ان کے سامنے یہی مذکورہ بالا آیت (یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا آخر آیت تک) پڑھی پھر فرمایا "وَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ تَابَ" یعنی جو شخص سچے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے توبہ کریگا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیں گے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ کی حالت میں اس آیتِ شریفہ کو پڑھنا صاف بتا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کی غلط کاریوں پر سخت برہم اور ناراض ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

آیت کا پورا ترجمہ آپ کے ملاحظہ میں آچکا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس دوزخ کی آگ کا ایندھن کیا ہوگا؟ دوزخی لوگوں کے جسم اور گندھک کے پتھر اور اہلِ شرک کے بتوں اور مورتیوں کے پتھر دوزخ کے ایندھن ہوں گے۔

آپ ان فرشتوں سے باخبر ہیں کہ دوزخ پر جو فرشتے مقرر ہیں (جنھیں زبانیہ کہتے ہیں) وہ فرشتے کیسے ہیں؟ تو سنئے! وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہیں جنکی حقیقت سمجھنے کیلئے اتنی ہی بات بہت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں "غِلَاظٌ شِدَادٌ" فرمایا ہے کہ بڑے سخت مزاج انتہائی مضبوط وطاقتور ہیں۔ ان فرشتوں کی مضبوطی وقوت وطاقت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ بات بھی آپ کے علم میں آجانی چاہئے کہ دوزخ میں کافر کا جسم ایک سو تریپن کلومیٹر کا ہوگا اور کافر کی داڑھ احد پہاڑ جیسی ہوگی۔ اب خود اندازہ کر لیجئے کہ اتنے بڑے بڑے ڈیل ڈول کے کافروں کو عذاب وسزا دینے والے فرشتے کس قد وقامت کے ہوں گے یہ بات بتانا آسان نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہم کو دوزخ اور عذابِ دوزخ سے محفوظ رکھیں۔

امید کہ ناظرینِ کرام یہ سب یاد رکھیں گے اور اپنے آپ کو، اپنے اہل وعیال کو آتشِ دوزخ سے بچانے کا پورا پورا اہتمام کریں گے۔ سلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین۔

نوّے ویں ۹۰ نداء

اہلِ ایمان کو ندائے رحمٰن

❀

اس بیان میں کہ ہر گناہ پر توبہ واجب ہے اور یہ توبہ سچے دل سے یہ امید کرتے ہوئے ہونی چاہئے کہ اس سے گناہ معاف ہوں گے اور جنت میں داخلہ ہو جائیگا

سورۂ تحریم
آیت (۸)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

اے ایمان والو! تم اللہ کی بارگاہ میں (دل سے متوجہ ہو کر) سچی توبہ کرو امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو ایسے باغوں (جنت) میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہونگی جس دن اللہ نبی کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو ندامت و شرمندگی سے دوچار نہ کریگا انکا نور ان کے آگے آگے اور داہنے دوڑتا ہو گا، وہ سب یوں دعا کرتے ہونگے کہ اے ہمارے پروردگار اس نور کو انجام تک (برقرار) رکھئے اور ہماری مغفرت فرما دیجئے بیشک آپ تو سب کچھ کر سکتے ہیں۔

تشریح و تفسیر

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہلِ ایمان کو جتنی ندائیں دی ہیں ان میں سے آخری نداء یہی ہے جو مندرجہ بالا آیت میں بیان ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ میں اہلِ ایمان کا اکرام فرماتے ہوئے اپنے ایک خصوصی انعام کا اعلان فرمایا ہے جسے توبہ کہا جاتا ہے، یہ توبہ ایک ایسی نعمت ہے جس کے ذریعہ اہلِ ایمان کی ارواح و نفوس کا تزکیہ اور ان کی صفائی ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس ندائے مبارک کے ذریعہ اہلِ ایمان کو حکم دے رہے ہیں کہ وہ اس کی بارگاہ میں دل سے متوجہ ہو کر سچے طور پر توبہ کریں، اور توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے گناہ پر ندامت و شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے آئندہ کیلئے اس گناہ بلکہ ہر گناہ سے باز رہنے کا پکا ارادہ و عہد کیا جائے۔

گویا اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو توبہ کا حکم دیکر انھیں گناہوں اور برائیوں سے باز رہنے کیطرف متوجہ فرما رہے ہیں اور ضمناً یہ حقیقت بھی ذہن نشین فرما رہے ہیں کہ نفوس و ارواح میں کثافت اور گندگی تمام تر اسی معصیت و گناہ کیوجہ سے پیدا ہوتی ہے جس کے دور کرنے کا واحد ذریعہ یہی توبہ ہے اس توبہ کی بدولت اہلِ ایمان کے نفوس و ارواح میں صفائی و پاکیزگی پیدا ہو گی جس کے نتیجہ میں یہ اہلِ ایمان حضرات انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کے ساتھ جنت میں داخلہ کے مستحق و حقدار ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء کی اس آیت میں یہ خبر دی ہے فرمایا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ○ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ○

اور جو شخص اللہ و رسول کی اطاعت کرتا ہے تو ایسے لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے (یعنی) انبیاء صدیقین اور شہداء وصالحین (کے ساتھ) اور یہ لوگ اچھے رفیق ہیں یہ اللہ کیطرف سے انعام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پورا پورا علم رکھتا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں اہلِ ایمان کو نداء دیکر انھیں اپنی ذات، کی رجوع و انابت کے ساتھ صدقِ دل سے توبۂ نصوح کا حکم دیا ہے چنانچہ اس نے فرمایا ہے جس کا یہ قول حق ہے اور جسے دونوں جہان کی حکومت حاصل ہے اور جو ہر بات

پر قدرت رکھتا ہے۔ اس نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ؕ

اے ایمان والو! تم سب اللہ کی طرف سچے دل سے متوجہ ہوکر رجوع وانابت اختیار کرو۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر وشکر اور اس کی بہترین عبادت گذاری وبندگی کے ساتھ سچے دل سے رجوع ہو جاؤ اور اس رجوع وانابت میں اپنے نفس کی سچی خیر خواہی مقصود ہونی چاہئے کوئی کیدِ نفس یا فریب نفس اس میں ہرگز شامل نہ ہونے پائے کیونکہ منجملہ فریبِ نفس وکیدِ نفس یہ بات بھی ہوتی ہے کہ بعض اوقات بندہ گناہ سے باز آجاتا ہے اور اس کا نفس اثرِ معصیت سے پاک ہو جاتا ہے مگر پھر وہ بندہ دوبارہ اس گناہ کا ارتکاب کر ڈالتا ہے جس کے نتیجہ میں نفس کی گندگی وخباثت اور بڑھ جاتی ہے کیونکہ "توبۂ نصوح" (سچی اور خالص توبہ) وہی ہوتی ہے جس کے بعد توبہ کرنے والا اس گناہ کا پھر ارتکاب نہ کرے اور اس گناہ کیطرف دوبارہ نہ لوٹے جس طرح کہ تھن سے نکلا ہوا دودھ دوبارہ تھن میں نہیں لوٹتا۔

اتنی بات سمجھ لینے کے بعد اب آپ اللہ تعالیٰ کی محبوب چیزوں اور اس کی مکروہ چیزوں کی واقفیت حاصل کرلیں جس سے آپ کیلئے اس کی محبوب چیزوں پر عمل اور مکروہ چیزوں سے پرہیز واجتناب آسان ہو جائے۔ اس مقصد کیلئے ہم آپ کے سامنے دونوں ہی قسم کی بنیادی چیزوں کی ایک مختصر وضروری فہرست پیش کئے دیتے ہیں۔

ا ـــــ اللہ تعالےٰ کے محبوب وپسندیدہ بنیادی امور یہ ہیں۔

- محبوبات پر عمل اور منکرات کے ترک میں اخلاص ہونا۔ اخلاص سے مراد یہ ہے کہ کرنے کے کام کا کرنا، اور نہ کرنے کے کام کا نہ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی طاعت سمجھ کر ہو اس کا باعث محض اللہ تعالیٰ کی محبت ورضا ہو۔
- پنجوقتہ نماز کی اقامت، یعنی جماعت مسلمین کے ساتھ مسجدوں میں جملہ آدابِ نماز کی رعایت کے ساتھ نماز ادا کرنا، خاص کر نماز کے ارکان وشروط اس کے واجبات وسنن کی ادائیگی کا اہتمام رکھنا۔
- قدر نصاب نقد ومال کے مالک ہونے اور زکوٰۃ واجب ہو جانے پر زکوٰۃ ادا کرنا۔ غلہ اور پھل وغیرہ کی پیداوار پر عشر دینا
- مفسداتِ صوم سے پرہیز رکھتے ہوئے اور مفطراتِ صوم سے دور رہتے ہوئے ماہ

رمضان کے روزے رکھنا۔

- بیت اللہ شریف کا حج کرنا اگر فرضیت حج کے شرائط پائے جارہے ہوں یعنی اتنی رقم موجود ہو جو زادِ راہ اور واپسی تک متعلقین کے اخراجات کو کفایت کرے۔
- والدین کے ساتھ حسن سلوک اور نیک کاموں میں انکی فرمانبرداری کرنا اور اس سے پہلے ان کی ضروریات زندگی یعنی خوراک وپوشاک، جائے قیام اور ان کے علاج ودوا کا بندوبست کرنا۔ انکی شان میں گستاخی وبے ادبی سے مکمل اجتناب کرنا کہ کوئی ایک بات بھی بلند آواز کے ساتھ ان سے نہ کی جائے۔
- اپنی مقدرت وطاقت بھر ان کے ساتھ حسن سلوک کر کے صلہ رحمی کا حق ادا کرنا۔
- جہاں کہیں اسلامی حکومت ہو امام مسلمین کی دعوتِ جہاد پر لبیک کہنا جہاں جہاد پر بھیجے اس کی تعمیل کرنا۔
- یتیم ومسکین، پردیسی ومسافر بلکہ جملہ مسلمانوں کے ساتھ احسان واکرام کا معاملہ کرنا، اپنے کسی قول وفعل سے انھیں تکلیف نہ پہنچانا۔
- جذبۂ صبر سے کام لینا یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مشقت ومحنت پر صبر کرنا اس سے ملول ورنجیدہ نہ ہونا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ امتحان کے طور پر اگر کسی بلا (مثلاً مرض خوف فاقہ وغیرہ) میں مبتلا کرے تو اس پر بھی صبر اختیار کرنا۔

یہ مندرجہ بالا چند امور وہ ہیں جو اللہ تعالےٰ کے محبوب وپسندیدہ کاموں میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲ ـــــ اللہ تعالےٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ومکروہ بنیادی باتیں یہ ہیں:

- اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی اور اس کی غلامی میں شرک کرنا یعنی ان باتوں میں سے کوئی بات غیر اللہ کے لئے بجالانا۔
- سود کھانا چاہے ایک درہم کی مقدار میں تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔
- زنا کرنا۔
- یتیم کا مال ناجائز طور پر کھانا۔
- جن باتوں میں والدین کی اطاعت ضروری ہے ان میں ان کی نافرمانی کرنا
- جھوٹی گواہی دینا۔
- اہلِ ایمان مرد وعورت پر زنا کی تہمت لگانا۔

500

- پڑوسی کو تکلیف دینا۔
- مسلمانوں کو تکلیف دینا۔
- اللہ تعالیٰ کی محبوب چیزوں میں سے کسی چیز کو چھوڑ دینا۔

یہ مندرجہ بالا امور اللہ تعالیٰ کی محبوبات و مکروہات میں سے چند ہیں۔ اگر ان محبوبات میں سے کوئی محبوب چیز چھوٹ جائے یا کسی مکروہ چیز کا ارتکاب ہو جائے تو فوراً اس سے توبہ کر لینی چاہیئے۔ اگر قابلِ عمل چیز چھوٹی ہے تو فوراً اس پر عمل کر لیا جائے، اور اگر نہ کرنے کا کام کر لیا گیا ہے تو فوراً اسے ترک کر دیا جائے اور اپنی اس غلطی پر پوری ندامت اور پورے احساس شرمندگی کے ساتھ اللہ تعالےٰ سے توبہ و استغفار کیا جائے۔

اگر ایسا کر لیا جاتا ہے تو پھر ہم کو حق ہے کہ ہم اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد سے بشارت حاصل کریں۔

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔	توقع کی جاتی ہے کہ تمہارا پروردگار تمہاری خطائیں معاف فرما دے اور تمہیں (جنت کے) باغوں میں داخل کر دے جسکے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

اس موقع پر یہ علمی و تفسیری نکتہ بھی معلوم رہنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کے کلام میں آیا ہوا لفظ "عَسٰی" شک و شبہ کے معنیٰ نہیں رکھتا بلکہ جس بات کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہو اس متوقع بات کا وقوع پذیر ہونا یقینی سمجھا جائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ توبۂ نصوح کے نتیجہ میں گناہوں کی معافی اور جنت کا داخلہ بالکل یقینی ہے اور اس لائق ہے کہ اس سے بشارتِ جنت حاصل کر لی جائے۔

گناہوں کی یہ بخشش ایسے دن عمل میں آئیگی جس دن اللہ تعالیٰ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی اہلِ ایمان کو روزِ قیامت کی ندامت و شرمندگی سے محفوظ رکھنا چاہیں گے کہ ان کو کوئی شرمندگی و ندامت نہ ہو انھیں اس روز ایک نور عطا ہو گا جو ان کے آگے آگے چلتا ہو گا یہاں تک وہ پُل صراط پر سے گذر کر دار السّلام جنت میں داخل ہو جائیں گے

سَلَامٌ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی کُلِّ الْمُرْسَلِیْنَ وَ اَهْلِ الْجَنَّةِ اَجْمَعِیْنَ

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ